اقبال یورپ میں

ڈاکٹر سعید اختر درّانی

اقبال یورپ میں

ڈاکٹر سعید اختر درّانی

انجمن ترقی اردو (ہند)، نئی دہلی

ترتیب

صفحہ نمبر

مضامین

ضمیمے

انتساب

میں یہ کتاب بہ کمال امتنان اپنے دوست

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

کے نام منسوب کرتا ہوں، جن کی متواتر تشویق، تحریک اور یاد دہانیوں کے بغیر یہ کتاب تادیر سرانجام نہ پاتی۔

اور

تحقیقات اقبال میں اپنے دو سرگرم رفقائے کار

جناب یحییٰ سید اور جناب لائین لسٹیفنز صاحب

کی یاد سے بھی اسے وابستہ کرتا ہوں، جو صد افسوس کہ اس کتاب کی اشاعت سے کچھ عرصہ پیشتر ہی یکے بعد دیگرے اواخر مارچ ۱۹۸۴ء میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ آہ کہ ع

ہے الم کا سورہ بھی جزو کتاب زندگی

سعید اختر درانی
برمنگھم یونیورسٹی، انگلستان
۲۵ جون ۱۹۸۴ء

تقریظ

ڈاکٹر سعید اختر درانی سائنس دان ہونے کے باوجود ادب و فلسفہ اور بالخصوص حضرت علامہ اقبال کی شخصیت اور ان کے افکار کے شیدائی ہیں۔ انہوں نے انگلستان میں بیٹھے ہوئے نہ صرف کیمبرج اور لندن میں علامہ اقبال کی تعلیمی اور تدریسی سرگرمیوں کے بارے میں تحقیق کی بلکہ یورپ کا سفر بھی اختیار کیا۔ جرمنی پہنچے۔ ہائیڈل برگ و میونخ یونیورسٹیوں کے علاوہ ہسپانیہ میں علامہ اقبال کے بارے میں اپنی تحقیق جاری رکھی۔ اسی تحقیق کے نتیجے میں انہوں نے اپنی نگارشات اس تصنیف میں شامل کی ہیں۔

ڈاکٹر درانی نے علامہ اقبال کی تاریخ پیدائش کے بارے میں بڑی دلچسپ بحث کی ہے۔ حضرت علامہ کی تاریخ پیدائش ان کی اپنی ایک تحریر کے مطابق اب ۹ نومبر ۱۸۷۷ء طے پا چکی ہے اور اس میں مزید بحث کی گنجائش نہیں۔ بہرحال اس ضمن میں ڈاکٹر درانی کی تحقیق سے اس تصور کو مزید تقویت پہنچتی ہے کہ ۱۸۷۳ء قطعی طور پر ان کا سال ولادت نہیں اور جو محققین اس سال کو علامہ اقبال کا سال ولادت ثابت کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔

اسی کتاب میں ڈاکٹر درانی نے اقبال کے استاد سر طامس آرنلڈ کے متعلق بھی ایک باب شامل کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال اپنے اساتذہ کی کتنی عزت کرتے تھے۔ کیمبرج میں اقبال کی قیام گاہ اور تعلیمی سرگرمیوں کے متعلق اور بعد ازآں وہاں ان کی یادگار کے قیام کے سلسلے میں جو کچھ تحریر کیا گیا ہے اس میں کئی نئی باتوں کا انکشاف ہوا ہے۔ علاوہ ازیں ڈاکٹر درانی نے علامہ اقبال کے بعض خطوط کا متن بھی پیش کیا ہے' جو انگلستان کی مختلف اہم شخصیات کے نام تحریر کئے گئے۔ ڈاکٹر درانی نے کیمبرج اور لندن میں ان تمام عمارات کا سراغ لگایا ہے جو مختلف اوقات میں علامہ اقبال کی قیام گاہیں رہیں۔

اس کتاب کا سب سے دلچسپ حصہ جرمنی میں حضرت علامہ کے قیام سے متعلق ہے۔ علامہ اقبال نے جرمنی میں ہائیڈل برگ اور میونخ میں کچھ عرصہ قیام کیا اور اس دوران وہاں نہ صرف جرمن زبان سیکھی بلکہ اپنے تحقیقی مقالے کے سلسلے میں میونخ میں جرمن میں زبانی انٹرویو بھی دیا۔ اقبال کے قیام یورپ کے دوران تین ایسی اہم خواتین کا ذکر ملتا ہے جو کسی نہ کسی انداز میں ان کی شخصیت پر اثر انداز ہوئیں۔ ان میں سے ایک تو عطیہ فیضی تھیں۔ دوسری ایما ویگے ناسٹ اور تیسری ایک اطالوی بیرونس کارنیوالے تھیں۔ عطیہ فیضی کی شخصیت اور اقبال سے ان کی دوستی کے متعلق تو اقبال شناس جانتے ہیں لیکن ایما ویگے ناسٹ کے متعلق زیادہ معلومات حاصل نہ تھیں۔ ڈاکٹر درانی کی تصنیف کا جو سب سے دلچسپ پہلو ہے وہ اقبال کے غیر مطبوعہ خطوط بنام ایما ویگے ناسٹ ہیں جن کا جرمن اور انگریزی زبانوں سے اردو میں ترجمہ انہوں نے کتاب میں شامل کر رکھا ہے۔ افسوس ہے اصل خطوط ابھی تک نہ تو اقبال اکیڈیمی حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی اور نہ ہی علامہ اقبال میوزیم۔ حالانکہ ایما ویگے ناسٹ نے اپنی موت سے پہلے یہ سب خطوط ممتاز حسن مرحوم کو پاکستان جرمن فورم کے حوالے سے عطا کر دئے تھے اور ساتھ ہی یہ درخواست کی تھی کہ انہیں پاکستان کے قومی تاریخی حفاظت خانہ (نیشنل آرکائیوز) میں رکھ دیا جائے تاکہ اقبال شناس ان سے استفادہ کر سکیں۔ لیکن افسوس کہ یہ قومی خزینہ ممتاز حسن کی وفات کے بعد اب تک ان کے ورثاء کی تحویل میں ہے اور حکومت پاکستان اسے ان سے حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔

اس کتاب میں علامہ اقبال کے تحقیقی مقالے "فلسفہ عجم" کے اصل مسودے کی دریافت کے متعلق جو میونخ یونیورسٹی کو پیش کیا گیا اس پر بھی ڈاکٹر درانی نے بڑی کاوش کے ساتھ بحث کی ہے' جو اقبال شناسوں کی دلچسپی کا باعث بن سکتی ہے۔

ڈاکٹر درانی علامہ اقبال کے نقش قدم پر ہسپانیہ پہنچے اور کوشش کی کہ وہاں انہوں نے اسلام کے موضوع پر جو تقاریر کی تھیں یا جو کچھ ان کے بارے میں اخبارات میں چھپا وہ سب مواد اکٹھا کیا جائے۔ یہ باب بھی خاصا دلچسپ ہے۔

میں نے جس طرح اوپر عرض کیا ہے یورپ میں حضرت علامہ کی شخصیت پر کسی نہ کسی انداز میں اثر انداز ہونے والی دو خواتین یعنی عطیہ فیضی اور ایماویگے ناسٹ کے متعلق تو اب ہمارے علم میں اضافہ ہوا ہے' لیکن ابھی تک بیرونس کارنیوالے کے متعلق مزید معلومات فراہم نہیں ہو سکیں۔ اس خاتون سے اقبال غالباً" لندن میں ملے تھے اور ان کا ذکر عطیہ فیضی کے نام ایک خط میں وہ کرتے ہیں۔ بعد میں جب اقبال اٹلی گئے تو کہا جاتا ہے کہ مسولینی سے ان کی ملاقات کرانے میں اس خاتون یعنی بیرونس کارنیوالے کا ہاتھ بھی تھا۔ مزید برآں بیرونس کارنیوالے نے روم سے باہر اپنے ولا (Villa) میں ان کے لئے ایک نہایت شاندار عشائیہ کا اہتمام بھی کیا۔ امید ہے ڈاکٹر درانی علامہ اقبال کے متعلق نئی باتوں کی دریافت کے سلسلے میں جس طرح جرمنی اور ہسپانیہ کا سفر کر چکے ہیں۔ اس طرح کسی روز اٹلی کا سفر بھی اختیار کریں گے' اور روم میں ان کے قیام کے دوران جو کچھ وہاں کے اخباروں میں ان کی ذات اور کلام کے متعلق اور ان کی مسولینی سے ملاقات کے بارے میں شائع ہوا وہ بھی منظر عام پر لائیں گے۔ اسی طرح مصر کا سفر بھی بڑا سود مند ثابت ہو سکتا ہے۔

میں ڈاکٹر درانی کو ان کی اس کاوش پر مبارک باد پیش کرتا ہوں اور توقع کرتا ہوں کہ ان کی تصنیف اقبال شناس بڑے شوق سے پڑھیں گے۔

۲۰ مئی ۱۹۸۵ء

ڈاکٹر جاوید اقبال

چیف جسٹس پنجاب

دیباچہ طبع ثانی

"اقبال یورپ میں" اقبال اکادمی پاکستان کے یہاں سے ۱۹۸۵ء میں شائع ہوئی تھی اور چند ہی برس میں یہ بازار سے عنقا (out of print) ہو گئی۔ کئی سال سے اکادمی کے ناظم، جناب ڈاکٹر وحید قریشی صاحب، مجھ سے کہہ رہے تھے کہ وہ اس کا دوسرا ایڈیشن چھاپنے کا ارادہ رکھتے ہیں، بلکہ اس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع کرنا چاہتے ہیں، لیکن ان کی خواہش تھی کہ پہلے اس کتاب کا تانا بانا کس لیں، یعنی اس کے حشو و زوائد دور کر لیں، مگر وقت تھا کہ گزرتا جا رہا تھا، اور ہر طرف سے تقاضا ہو رہا تھا کہ کتاب کا دوسرا ایڈیشن بازار میں آئے۔ بالآخر میں نے سوچا کہ : ع--- کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک۔ مانا کہ میری تحریر ژولیدہ مُو منت پذیر شانہ ہے، بلکہ طالب مقراض ہے، لیکن..... خاک ہو جائیں گے ہم "ان کی نظر" ہونے تک--- یعنی ڈاکٹر صاحب موصوف کی نظر ثانی ہونے تک۔

مزید بر آں میری یہ خواہش بھی تھی کہ کیا ہی اچھا ہو اگر کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں ان تازہ انکشافات کو بھی شامل کر لیا جائے جو پچھلے چند سال میں اقبالیات کے میدان میں میری ناچیز تحقیقات کی بدولت ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ لیکن اس سے بھی کتاب میں بڑے پیمانے پر رد و بدل کی ضرورت ہوتی، جس کے لئے وقت فراواں ایک شرط ناگزیر (sine qua non) ہے۔ اور یہی وہ جنس ہے جو کاروبار زندگی میں اگر نایاب نہیں تو سخت کمیاب ضرور ہے۔ کافی غور و خوض اور دوستوں سے مشورے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ کتاب کی حدود اربعہ کم و بیش وہی رکھی جائیں جو پہلے ایڈیشن میں تھیں، صرف نئے حواشی میں جہاں تک ہو سکے تازہ اور ضروری مواد شامل کر لیا جائے اور دوسرے یہ کہ کتاب کی اشاعت دوم کسی تجارتی ادارے کے سپرد کی جائے۔

چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ طبع ثانی میں ہر باب کے آخر میں میں نے بیسیوں

نہیں تو درجنوں نئے حواشی داخل کئے ہیں (زیادہ تر پس تحریر کی سرخی کے ساتھ)، جن میں علامہ کے قیام یورپ اور دیگر متعلقہ امور کے بارے میں بہت سی تازہ معلومات بہم کی گئی ہیں۔ ہاں مفصل تر اطلاعات کے لئے میں قارئین کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ اس خاکسار کی تازہ کتاب "نوادر اقبال یورپ میں" (مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۵ء)، کا مطالعہ فرمائیں۔ اس کے علاوہ، طبع ثانی میں میں نے چند ایک نئے ضمیموں کا اضافہ بھی کیا ہے، یعنی ضمیمہ جات ا، ۲ اور ۹۔ لیکن ان اضافوں کے پاسنگ (Counterbalance) کے طور سے، میں نے دیباچہ، طبع اول کے بعض حصے حذف بھی کر دیے ہیں--- کہ اس کی طوالت پڑھنے والوں کے لئے خاصی صبر آزما تھی!

لیکن قارئین! طبع ثانی میں ایک اضافہ ایسا ہے جس پر مجھے ناز ہے--- اور یہ چیز مجھے یقین ہے اس کتاب کی قدر و قیمت کو (وہ جو بھی ہے!) دو چند کرے گی----- یہ ہے مس ایما ویگے ناسٹ کے نام علامہ کے اصل، یعنی دست نوشت، ۲۷ خطوط کے عکوس کا اس ایڈیشن میں شمول۔ یہ اہم مخطوطے اس کتاب کی طبع ثانی میں پہلی مرتبہ شائع ہو کر منظر عام پر آ رہے ہیں۔ اور ان سب کے عکس ضمیمہ نمبر۶ میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔ اس سے پہلے، علامہ کے تحریر کردہ ستائیس مکاتیب میں سے صرف تین "مخطوطوں" کے عکس طبع اول کی زینت بنے تھے اور باقیوں کے صرف Typescripts (جو ان خطوط کے ماخذ جناب محمد امان ہوبوہم کی صاحب زادی محترمہ شیرین ہوبوہم نے تیار کیے تھے)، وہاں چھاپے گئے تھے۔ لیکن بہت سے اقبال شناسوں کا تقاضا تھا، بلکہ اصرار تھا، کہ ان خطوط کی Authenticity (استناد) اسی وقت بلاریب اور ماورائے اعتراض ہو گی جب ان سب کے مخطوطے، یعنی Handwritten originals بھی کتاب میں شائع ہوں گے۔ پس تحریر: مثلاً" جناب ڈاکٹر تحسین فراقی نے حال ہی میں (میری کتاب "نوادر اقبال یورپ میں" کے تبصرے مطبوعہ "فاران" مجلہ گورنمنٹ اسلامیہ کالج، لاہور، ۱۹۹۵ء ص ۱۹۹۔ ۲۰۳) میں فرمایا ہے کہ "..... جب تک ایسا نہیں ہو جاتا، ورانی صاحب کے شائع کردہ یہ ستائیس مکاتیب پورے طور پر درجہ استناد پر فائز نہیں ہو سکیں گے)۔ تو صاحبان! یہ Originals، یعنی ان کے

عکوس، اب میں نے طبع ثانی میں شامل کر دیے ہیں۔

ویں سعادت بہ زور بازو نیست　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ جب یہ تمام اصل خطوط ۱۹۶۰ء کے اوائل میں جناب ممتاز حسن مرحوم اور جناب محمد امان ہربرٹ ہوبوہم کو (کہ یہ دو حضرات "پاک جرمن فورم" کے بالترتیب صدر اور معتمد تھے) ان خطوں کی مکتوب الیہا مس ایما ویگے ناسٹ سے دستیاب ہوئے، تو اس کے کچھ عرصہ بعد وہ پردۂ خفا میں چلے گئے۔ روایت یہ ہے کہ یہ اصل خطوط ماسوائے دو کے، جو ہوبوہم صاحب کے پاس محفوظ ہیں، جناب ممتاز حسن کی وفات (اکتوبر ۱۹۷۴ء) کے بعد ان کے ورثاء کی تحویل میں جا کر لاپتہ ہو گئے ہیں۔ اور باوجود تلاش بسیار، تاحال برآمد نہیں ہو سکے۔ (مزید تفصیل دیباچہ طبع اول میں دیکھیے)۔ پھر کئی سال تک خود ہوبوہم صاحب، جو ان دست نوشت خطوط کو کتابی صورت میں شائع کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، اپنی ملازمت کے سلسلے میں سفارت خانہ المانیہ، سعودی عرب، وغیرہ میں متعین رہے، اور اس اثنا میں ان کے ساتھ میرا رابطہ منقطع رہا۔ (انہوں نے مذکورہ Typescripts مجھے نومبر ۱۹۸۲ء میں بہم پہنچائے تھے)۔

یہ میری خوش نصیبی تھی کہ سال گذشتہ (یعنی اگست ۱۹۹۵ء میں) میں اپنے کزن، لفٹیننٹ جنرل (ر) اسد درانی، کے یہاں، جو آج کل جرمنی میں سفیر پاکستان کی حیثیت سے بون (Bonn) میں متعین ہیں، چند روز کے لیے چھٹی منانے کو ٹھہرا ہوا تھا۔ (واضح رہے کہ ہوبوہم صاحب سے میرا اولین تعارف ۱۹۸۲ء میں انہوں نے ہی کرایا تھا)۔ وہاں میں نے ان سے دریافت کیا کہ ہوبوہم صاحب اب کہاں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ حال ہی میں اپنے سفارتی عہدے سے ریٹائر ہو کر اب یہاں بون ہی میں مقیم ہیں۔ میں نے کہا تو پھر ان سے ملاقات کروائیے۔

چنانچہ اس سے اگلی شام (جمعہ ۱۸ اگست کو) اسد اور ان کی بیگم (یعنی میری بہن رخشندہ درانی) نے اپنے یہاں ایک چھوٹے سے عشائیے کا اہتمام کیا، جس میں چند ایک سفارتی مہمانوں کے علاوہ (جن میں پاکستان میں جرمنی کے سابق سفیر ویسٹرنگ

صاحب اور ان کی بیگم شامل تھے) جناب محمد امان ہوبوہم اور ان کی بڑی خلیق و نستعلیق (نو مسلم) جاپانی بیگم صاحبہ بھی موجود تھیں۔ میری بیوی تو بیگم ویسٹرنگ اور بیگم ہوبوہم کے ساتھ بات چیت کرتی رہیں، لیکن میں نے (کم و بیش) اپنی پوری توجہ ہوبوہم صاحب پر مرکوز رکھی، جو میرے ساتھ کی نشست پر تشریف فرما تھے۔ میں نے پہلے تو انہیں یہ بتایا کہ علامہ کے مس ویگے ناسٹ کے نام خطوط کا (جو مجھے ان کی عطا تھی) میری کتاب کی وجہ سے دنیا بھر میں کس قدر چرچا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ اب علامہ اقبال کی زندگی کے اس پہلو پر شاید یونیورسٹیوں میں تحقیقی مقالے تحریر ہونے لگیں! اس کے علاوہ میں نے ہوبوہم صاحب سے میونک میں علامہ کی پی ایچ ڈی کے مراحل پر بھی بات کی، جن کا میری نئی کتاب ("نوادر اقبال یورپ میں") میں پوری طرح احاطہ کیا گیا ہے۔ انہوں نے یہ تمام گفتگو بڑی دلچسپی کے ساتھ سنی۔ (بلکہ کھانے کے بعد میں نے ان سے ایک باقاعدہ انٹرویو بھی ٹیپ پر ریکارڈ کر لیا، تاکہ اس میں ویگے ناسٹ کے نام خطوط کے حصول، اور ہوبوہم صاحب کی زندگی کے بارے میں کچھ کارآمد معلومات محفوظ ہو جائیں۔)

آخر میں، میں نے ان سے کہا کہ علامہ کے ان تمام خطوط کے Originals (ماسوائے تین کے) ابھی تک شائع نہیں ہوئے اور مداحین اقبال کا شوق، بے تابی کی حدوں کو چھو رہا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ممتاز حسن صاحب کے پاس پہنچنے والے اصل ذخیرے کی طرح، ہوبوہم صاحب کے پاس محفوظ ان خطوط کی فوٹو کاپیاں بھی، مرور زمانہ کے ہاتھوں نیست و نابود ہو جائیں۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ یہ بہت ضروری ہے کہ آپ اللہ کا نام لے کر اب اپنا وہ پرانا ارادہ پورا کر ڈالیں، اور ان خطوط کے اصول (Originals) کو کتابی شکل میں شائع کر دیں۔

ہوبوہم صاحب نے فرمایا کہ سچی بات تو یہ ہے کہ نہ تو اب مجھ میں اتنی ہمت ہے، نہ وقت ہے، اور نہ جذبہ ہی ہے کہ میں ان خطوط کو معرض اشاعت میں لاؤں۔ ان کے اصل الفاظ تھے:

To tell you the truth, I have neither the energy, nor the time, nor

even the motivation to publish these letters. اس پر میں نے کہا کہ اگر یہ بات واقعی ایسی ہے' تو کیوں نہ وہ یہ تمام مواد میرے حوالے کر دیں' چونکہ میری کتاب "اقبال یورپ میں" کا دوسرا ایڈیشن فیروز سنز کے یہاں سے عن قریب شائع ہونے والا ہے۔ بلکہ' پچھلے دو ہفتے سے (فرائی برگ میں قیام کے دوران) میں اسی غرض سے پوری توجہ کے ساتھ اس کتاب پر نظر ثانی کرنے میں مصروف رہا ہوں۔ اگر اس دوسرے ایڈیشن میں علامہ کے دست نوشت خطوط کے عکس شامل ہو جائیں تو اس کتاب کی قدر و قیمت میں بیش بہا اضافہ ہو جائے گا۔ ہوبوہم صاحب نے فرمایا' تو بسم اللہ' آپ ایسا ضرور کریں' لیکن میں آپ کو خبردار (Warn) کرنا چاہتا ہوں کہ یہ خطوط' جو بیشتر ستر' اسی' بلکہ قریب نوے سال پرانے ہیں' اور ان کی فوٹو کاپیاں بھی جو تیس پینتیس سال سے میرے پاس رکھی ہیں' اب وہ اس قدر بوسیدہ اور داغ دار ہو چکی ہیں کہ آپ کے لیے ان کی نقلیں تیار کرنا آسان کام نہ ہوگا۔ پھر کہنے لگے کہ بہرحال' آج کل بازار میں کچھ ایسی عکس ساز مشینیں آ چکی ہیں جو بوسیدہ اور دھندلے مخطوطوں کے بڑے صاف عکس اتار سکتی ہیں۔ میں کوشش کروں گا کہ ان کی اچھی سی نقلیں نکلوا کر آپ کو ایک ہفتے کے اندر اندر روانہ کردوں۔ میں نے اس عنایت و کرم فرمائی کے لیے ان کا دلی شکریہ ادا کیا۔

لیکن پھر جب ایک ماہ تک یہ نقلیں مجھے برمنگھم میں موصول نہ ہوئیں' تو دریافت کرنے پر پتا چلا کہ ہوبوہم صاحب اپنا مکان بدلنے' اور سعودی حکومت کے لیے بون میں ایک رابطے کا دفتر کھولنے کے کاموں میں سخت مصروف ہیں۔ چنانچہ میں نے اسد درانی سے درخواست کی کہ Professional کاپیاں نکلوانے میں اگر اس قدر دیر ہو رہی ہے تو وہ ہوبوہم صاحب سے ان کے مسودے حاصل کر کے اپنی زیر نگرانی کسی عام مشین ہی سے ان کی کاپیاں نکلوالیں' کیونکہ میں فیروز سنز کی خاطر دوسرے ایڈیشن کے مواد کی تیاری ختم کرنے کے لیے بے تاب تھا' بالآخر دسمبر ۱۹۶۵ء کے اوائل میں اسد صاحب سے ان تمام مخطوطات کے عکس مجھے موصول ہو گئے' اور میں نے اطمینان کا سانس لیا' (اگرچہ اس سے اگلے چند ہفتوں کے دوران' میں اپنی

اقبال اکیڈمی (یوکے) کے زیر اہتمام (۱۴، ۱۵ اکتوبر کو) برمنگھم یونیورسٹی میں ہونے والی عالمی کانفرنس اور جشن، معنونہ "اقبال اور فنون لطیفہ: اسلام کا تخلیقی ورثہ" اور اس کے دنبالے (Aftermath) کے بکھیڑوں میں الجھا رہا۔)

ان مصروفیات سے فراغت پاتے ہی میں نے علامہ کے مخطوطوں کی عکسی نقلوں کو صاف کرنے کا عمل شروع کیا۔ لیکن یہ بڑی عرق پاشی و دیدہ ریزی کا کام نکلا، کہ بقول ذوق، یہ اول سے آخر تک "جگر گدازی ہے، سینہ کاوی ہے، جاں کنی ہے" کا مصداق ثابت ہوا۔ اور اس رمز سے صرف وہی لوگ واقف ہوں گے جو کبھی ان مرحلوں سے گزر چکے ہیں۔ سب سے پہلے تو میں نے اپنی یونیورسٹی کی Xerox مشین استعمال کرتے ہوئے مسودے کے ہر صفحے کی چار چار پانچ پانچ کاپیاں مختلف درجے تک دھیمے یا گہرے رنگوں میں نکالیں۔ پھر ان میں سے سب سے زیادہ تسلی بخش کاپی یا کاپیوں پر کام کیا۔ بعض اوقات ایک ہی صفحے کی مختلف کاپیوں کے مختلف حصے کاٹ کر ایک ساتھ جوڑنے پڑے، کیونکہ عموماً تمام صفحے کی سیاہی (Darkness) یکساں نہ ہوتی تھی۔ الغرض، دن بھر کے کام کاج کے بعد اکثر راتوں کو روغن نیم شب جلا کر (Burning midnight oil) مسودوں کی ایک ایک سطر، ایک ایک حرف، ایک ایک بین السطور پٹی، ایک ایک حاشیے پر میں نے سپیدی (Whitener) اور مقراض، اور Razor blade کی مدد سے ایک نگینہ ساز کی سی خرد بینی اور ژرف نگاہی کے ساتھ کام کیا کہ ان اوراق پر سال ہا سال کے جو داغ دھبے لگے تھے، اور جہاں جہاں رنگ مدھم یا تاریک ہو گیا تھا یا پھر عکس ساز آلے یا مشین نے (ممتاز حسن صاحب کے زمانے میں یا اسد درانی کے دفتریوں کی کار پردازی کے دوران) جہاں کہیں سیاہ پٹیاں سی لگا دی تھیں، وہ ایسے صاف ہوں کہ نہ تو علامہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا کوئی حرف یا اس کا کوئی حصہ ضائع ہو، اور نہ وہ ناخواندنی (Illegible) رہے۔ تو صاحبان، ان خطوں کے اجالنے اور نکھارنے پر میرے کئی ہفتے صرف ہو گئے۔ ان میں سے آدھے کے قریب خطوط تو میں نے صاف کر کے (اور ان کے حتی الوسع اجلے عکس نکال کر)، طبع ثانی کے تیار شدہ مسودے کے ساتھ، ۶ دسمبر ۱۹۹۵ء کو دہلی روانہ ہونے سے پیشتر

(جہاں سے میں "زلزلوں کی پیش گوئی" نامی کانفرنس میں شرکت کی خاطر امرتسر اور ہما چل پردیش جانے والا تھا)، فیروز سنز کے ڈاکٹر عبدالرؤف صاحب کو لاہور میں بھیج دیے۔ لیکن باقی نصف حصے کو یونان کے حسین جزیرے Crete میں ہماری تعطیلات تک انتظار کرنا پڑا۔ کیونکہ ہندوستان اور پاکستان کے چھ ہفتے کے دورے کے بعد میں دو ماہ کے لئے (مارچ، اپریل، ۱۹۹۶ء) مملکت اردن کی یرموک یونیورسٹی میں European Commission کے ایک سائنسی مشن پر متعین تھا اور اس کے بعد Radon) پر، جو ایک مضر صحت Radioactive Gas ہے) ایک تحقیقاتی کتاب کی تالیف و ادارت (Editing) میں مصروف رہا۔ چنانچہ آخر الامر، صرف اگست ۱۹۹۶ء کے نصف اول میں، اپنی تعطیلات کے دوران، میں اس باقی ماندہ عمل تہذیب و تنظیف و صفا کو دوبارہ جاری کر سکا اور انجام تک پہنچا سکا اور اس کے بعد میں نے علامہ کی جرمن اور انگریزی زبانوں کی دست نوشت تحریروں کا شیریں ہوبوہم صاحبہ کے Transcripts سے احتیاط کے ساتھ مقابلہ بھی کر ڈالا، اور چند تسامحات کی نشان دہی کی۔

• اس سلسلے میں یہاں میں ایک خاصی اہم بات کا اضافہ کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ کریٹ میں ان مخطوطوں کی صفائی، اور Transcripts سے ان کے تقابل کے دوران ایک دلچسپ انکشاف یہ ہوا کہ ۱۹۸۲ء میں ان مسودوں کو Transcribe کرتے ہوئے، محترمہ شیریں ہوبوہم صاحبہ علامہ کے خط نمبر ۲۰ (مورخہ لاہور، ۱۰۔ اکتوبر ۱۹۱۹ء) کا ایک مکمل صفحہ (یعنی دست نوشت صفحہ ۲) غلطی سے حذف کر گئی تھیں! اس خط میں، جو علامہ نے مس ویگے ناسٹ کو جنگ عظیم اول کے ختم ہوتے ہی، پانچ سال کی خاموشی کے بعد لکھا تھا، حضرت اقبال نے کچھ تعجب خیز خیالات کا اظہار کیا ہے، جو ان کی شخصیت کے ساتھ لگا نہیں کھاتے۔۔۔۔ یعنی وہ جرمنی جا کر ان "تازہ تجارتی امکانات کا جائزہ" لینے کی بات کرتے ہیں جو "جرمنی اور ہندوستان کے درمیان غالباً" اب وا ہونے والے ہیں"! اس صفحے کا عکس، اور اس کا اردو ترجمہ، اب میں نے متعلقہ خط کے حاشیے میں درج کر دیا ہے۔ اور یوں طبع ثانی

میں شائع ہو کر علامہ کی یہ تحریر پہلی مرتبہ منظرِ عام پر آ رہی ہے۔

ہاں، یہاں اس بات کا ذکر بھی شاید بے محل نہ ہو گا کہ مس ایما ویگے ناسٹ نے علامہ کے مکاتیب کے ساتھ ہی ساتھ (اور واضح ہو کہ ان میں سے ۲۴ خط تھے اور ۳ پوسٹ کارڈ تھے) ان کے تمام (۲۴) لفافے بھی محفوظ رکھے تھے، اور علامہ اور ان کے دوستوں کی کچھ تصویریں وغیرہ بھی۔ ان تمام اشیا کے مہذب و منظف عکس بھی ضمیمہ ۶ میں درج کتاب کر دیے گئے ہیں۔

کتاب کی طبع دوم میں ایک اور قیمتی اضافہ جس کا مجھے ذکر کرنا چاہیے، وہ علامہ اقبال کے اس دست نوشت خط کا عکس ہے جو انہوں نے پروفیسر طامس آرنلڈ کی چودہ سالہ صاحب زادی نینسی کے نام ۱۱ جنوری ۱۹۱۱ء کو لاہور سے لکھا تھا۔ اس کا انگریزی Transcript اور اردو ترجمہ تو میں نے طبع اول میں شائع کر دیا تھا، لیکن اصل خط، جو آج سے قریب تیس سال پہلے سر طامس کے نواسے اور میرے دوست لارنس بارفیلڈ نے کیمرج یونیورسٹی میں اپنے ہم عصر جناب وحید احمد کو (جو بعد کو قائداعظم یونیورسٹی میں پروفیسر رہے) عاریتاً" دیا تھا موخر الذکر ان دنوں لندن میں مقیم تھے اور علامہ اقبال اور شاید کچھ دیگر تاریخی شخصیتوں کے بارے میں معلومات جمع کر رہے تھے اس سلسلے میں انہوں نے لندن میں بار فیلڈ صاحب کے والد ماجد سے ۶۵-۱۹۶۴ء کے اطراف رابطہ قائم کیا، جس کے نتیجے میں ڈاکٹر لارنس بارفیلڈ نے انہیں سر طامس کے بہت سے کاغذات مستعار دے دیے اس کے بعد اگرچہ ڈاکٹر وحید احمد نے ان میں سے بیشتر کاغذات ڈاکٹر بارفیلڈ کو واپس کر دیے تاہم علامہ اقبال کا مذکورہ خط (بنام نینسی آرنلڈ) تاحال ڈاکٹر وحید احمد کی تحویل میں ہے [٭٭]۔ میں پچھلے ایک ڈیڑھ سال سے ڈاکٹر وحید احمد سے تقاضا کر رہا تھا کہ اگر وہ اس مخطوطے کا عکس مجھے مہیا کر دیں تو میں اسے اپنی کتاب کی طبع ثانی میں شائع کر سکوں گا اور یوں یہ تحریر محفوظ بھی ہو جائے گی۔ مجھے بڑی خوشی یہ ہے کہ اواخر جون ۱۹۹۶ء میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے یہ عکس مجھے عطا کر دیا ہے اور میں اسے ڈاکٹر بارفیلڈ کی اجازت سے ضمیمہ نمبر ۵ میں شامل کر رہا ہوں۔

٭٭ یہ خط اور باقی کاغذات وحید احمد صاحب نے ۱۹۹۸ء میں ڈاکٹر بارفیلڈ کو لوٹا دیے ہیں۔ (وز انی، ۱۵؍جنوری ۱۹۹۹ء)

طبع دوم کا دیباچہ ختم کرنے سے پہلے یہ لازم ہے کہ میں فیروز سنز لاہور کے سر رشتہ کاروں اور کارپردازوں کا صدق دل سے شکریہ ادا کروں۔ ہوا یوں کہ جب مارچ ۱۹۹۵ء میں عیدالفطر کے موقعے پر میرا لاہور جانا ہوا (جب میں اقوام متحدہ کے ایک سائنسی امداد کے مشن پر چند ماہ کے لئے پاکستان اٹامک انرجی کمیشن کے ساتھ منسلک تھا)، تو وہاں میں نے ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صاحب اور چند دیگر دوستوں کے ساتھ بات کی کہ (جیسا کہ دیباچے کے آغاز میں تحریر ہوا) اب "اقبال یورپ میں" کے دوسرے اڈیشن کی جانب اقبال اکادمی پاکستان کے قدم اٹھانے کے انتظار کے لئے مجھ میں یارائے صبوری نہیں کہ وہاں اس سلسلے میں "آہستہ خرام، بلکہ مخرام" کا عمل جاری (بلکہ بستہ قدم) نظر آتا ہے۔ دوستوں نے صلاح دی کہ اس صورت میں معاملہ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کسی تجارتی ادارے سے رجوع کیا جائے اور اس میدان میں سارے پاکستان کے اندر فیروز سنز سے بڑھ کر کوئی قابل اعتماد اور بلند شہرت ادارہ نہیں ہے، جس کی تاریخ اور روایات لگ بھگ ایک صدی کی مدت پر حاوی ہیں۔

مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ فیروز سنز کے ڈائریکٹر جناب ظہیر سلام صاحب سے میں جب ملا تو انہوں نے (اپنے شعبہ اردو کے سربراہ جناب الطاف احمد کے یہ اطلاع دینے پر کہ جب بھی میری کتاب کے پہلے اڈیشن کے چند نسخے ان کے شو روم میں آتے تھے، تو ہاتھوں ہاتھ بک جاتے تھے) دو روز کے اندر اندر میری تجویز پر صاد کیا، اور فی الفور آرڈر جاری کر دیے کہ باقاعدہ معاہدہ تیار کر کے اس پر فریقین کے دستخط کروالیے جائیں۔ یہ تمام معاملہ انہوں نے فیروز سنز کے شعبہ انگریزی کے ایڈیٹر، جناب ڈاکٹر عبدالروٴف کے سپرد کر دیا، جو خود بھی کئی ایک کتابوں کے مصنف ہیں اور اس سے پیشتر پروفیسر رہ چکے ہیں۔ جناب ڈاکٹر صاحب موصوف نے چند ہی روز بعد یہ معاہدہ تیار کر کے مجھے اسلام آباد میں بھیج دیا اور طے یہ پایا کہ نظر ثانی اور اعادوں اور تمام ترمیمات وغیرہ کے بعد یہ سارا مسودہ چھ سات مہینے کے اندر فیروز سنز میں داخل کر دیا جائے، اور ایک سال کے اندر اندر (یعنی مارچ ۱۹۹۶ء تک) یہ طبع ہو کر شائع بھی ہو جائے۔ ایک بڑی اچھی بات جو فیروز سنز نے قبول کی وہ یہ تھی کہ دوسرا ایڈیشن

نستعلیق رسم الخط میں چھپے گا' جو طبع اول کے نسخ سے کہیں زیادہ دیدہ زیب اور خواندنی (Read able) ہے۔ اور اب کہ کمپیوٹر کے اردو Soft ware ہر جگہ رائج ہیں' یہ سارا عمل آسانی سے سرانجام پا سکتا ہے۔ مزید برآں' جناب ظہیر سلام نے یہ وعدہ بھی کیا کہ میرے دوست ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی (جنھوں نے کتاب کی طبع اول کی نگرانی کی تھی) اب کے بھی اس کتاب کی پیش رفت پر نگاہ رکھیں گے' بلکہ وہ اس کا اشاریہ بھی از سرنو تیار کریں گے۔

اس کے بعد طبع ثانی کی اشاعت میں جو تعویق و تاخیر ہوئی ہے' اس کے لیے کافی ذمہ داری میرے اوپر عائد ہوتی ہے۔ کیونکہ میں نے نہ صرف تین مرتبہ Proof-reading پر اصرار کیا (اور ان پارسلوں کی دو طرفہ ہوائی ترسیل میں ظاہر ہے کہ وقت تو لگتا ہی ہے)' بلکہ ہر مرتبہ (کہ یہ میری بڑی کمزوری یا علت ہے) کچھ نئے حاشیوں کا اضافہ بھی کر دیا۔ اس اعتذار یا حجت کے ساتھ کہ اب کمپیوٹر کی تحریریں ردو بدل کرنا تو بازی اطفال ہے۔ مگر اس سلسلے میں فیروز سنز کے Long suffering کمپیوٹر آپریٹر شاہد احمد' اور کمپیوٹر سپروائزر عامر انور' کا میں بڑا احسان مند ہوں کہ انھوں نے یہ ساری تبدیلیاں اور اضافے بڑی خندہ پیشانی اور جاں فشانی کے ساتھ جھیلے۔ (کتنے اغلاط اس کے باوصف باقی رہ گئے' اس کا پتا تو کتاب کے چھپنے کے بعد ہی چلے گا!)

لیکن فیروز سنز کے یہاں سے اس کتاب کی طباعت و اشاعت میں جس شخص کا میں سب سے زیادہ شکر گزار ہوں' وہ ڈاکٹر عبدالرؤف صاحب ہیں کہ ہر دفعہ پروفوں کے مسودے اور دیگر مواد (مخطوطات کے عکس' تصاویر وغیرہ) میں انہی کو برمنگھم سے روانہ کرتا تھا اور وہ نہ صرف ان کی رسید کی مجھے فی الفور اطلاع دیتے' بلکہ ذاتی توجہ سے تصحیحات کی پیش رفت کی نگرانی بھی کرتے۔ اسی طرح' فیروز سنز کے بڑے وسیع النظر اور دور بین' اور اس کے ساتھ ہی ساتھ بڑے خلیق و شفیق' ڈائریکٹر جناب ظہیر سلام کا میں بے حد ممنون ہوں کہ جب بھی میں اس دارالاشاعت کے پریس میں گیا (جہاں ان کا دفتر واقع ہے)' انھوں نے ہمیشہ میری کتاب کی طباعت و اشاعت میں

ذاتی دلچسپی لی۔ اور یہ اس وقت شروع ہوئی جب میں دورہ ہند و پاک کے دوران ۲۲ دسمبر ۱۹۹۵ء کو ان سے ملا' اور انہیں بتایا کہ میں اسلام آباد میں دو ہفتے کے قریب گذار کر (جہاں میری نئی کتاب "نوادر اقبال یورپ میں" کی رسم اجرا منعقد ہونے والی تھی' اور کچھ اور کام بھی تھے) ۹ جنوری ۱۹۹۶ء کو واپس لاہور پہنچوں گا۔ اس پر انہوں نے کمپیوٹر کے عملے کو حکم دیا کہ تمام کام چھوڑ کر وہ میری کتاب کے مسودے کو کمپیوٹر پر چڑھائیں اور ایسا ہی ہوا۔ ان اٹھارہ روز کے اندر یہ کام مکمل ہو چکا تھا! (یہی وجہ ہے کہ تجارتی ادارے حکومتی اداروں سے اس تیز رفتاری کے ساتھ گوئے سبقت لے جاتے ہیں کہ موخر الذکر ان کی گرد کو بھی نہیں پا سکتے)۔

اور ہاں' جناب ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کا بھی میں تہہ دل سے ممنون ہوں کہ اپنی تمام تر مصروفیات اور علالتوں کے باوجود (کہ وہ زہد و فاقہ کشی کے باعث جناب صہبا لکھنوی کا سا دھان پان تن بدن تراش رہے ہیں)' انہوں نے اس کتاب کی طباعت ثانی میں میری ہر طرح سے تشویق و کمک رسانی کی ہے۔ اور امید ہے کہ جب یہ نیا اڈیشن دن کا اجالا دیکھے گا تو اس میں ایک عدد اشاریہ بھی ہاشمی صاحب کا رہین منت' اور کتاب کے لئے باعث اعتبار افزائی ہوگا۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی قارئین کرام سے رخصت چاہتا ہوں' یہ کہتے ہوئے کہ:

سپردم بتو مایہ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

کیا یہ کھیل اس لائق تھا کہ اسکے لئے رات رات بھر موم شمعیں جلائی جائیں؟ اس کا فیصلہ میں پڑھنے والوں پر چھوڑتا ہوں۔

تمت بخیر (دو بجے شب)

بندۂ فانی
سعید اختر درانی

برمنگھم یونیورسٹی
۲۸ ستمبر ۱۹۹۶ء

پس تحریر: چند الفاظ املا اور اعراب کے بارے میں۔ باریک بین قارئین دیکھیں گے کہ اس کتاب میں از فرق تابقدم (Throughout) املا اور اعراب میں یکسانی نہیں ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے پروف کے پہلے چند صفحات دیکھنے کے بعد مجھے لکھا کہ "میرا نقطہ نظر یہ ہے کہ تحقیقی کتابوں میں عمومی مروج املا کی نسبت بہتر/ صحیح املا ہونا چاہیے' جس پر اردو کے اہم علمی اور تحقیقی اداروں اور ماہرین املا نے اتفاق کیا ہے۔

مثلاً: دیئے۔ کئے۔ لئے۔ چاہئے بالا تفاق غلط ہے۔

دیے۔ کیے۔ لیے۔ چاہیے صحیح ہے"۔

لیکن کتاب کے پروف پڑھنے کے دوران' اور بار بار اغلاط کو نشان زد کرنے کے عمل سے گزرنے کے بعد' میں نے محسوس کیا کہ اگر میں نے املاء کے میدان میں کمپیوٹر کی سب من مانیاں اور بے راہ رویاں (Vagaries) دور کرنے کی کوشش کی تو یہ ایک کار لاحاصل اور محنت انجام ناپذیر (Sisyphean labour) ثابت ہوگی۔ اسی طرح کمپیوٹر کی تحریر میں اعراب لگانا بھی ایک کارگراں بار و بے پایاں ہے..... اور کچھ یہی حال جرمن الفاظ میں Vowels یعنی حروف علّت کے اوپر Umlaut لگانے کا ہے۔ مثال کے طور پر سے O کے اوپر دو نقطے لگانا (یعنی Ö)' جس سے اس حرف کا تلفظ (ایک خاص "کج لبی" کے ذریعے) "او" اور "ایے" کے درمیان جا پڑتا ہے۔ لیکن کسی وجہ سے حروف کے اوپر ایسے نقطے لگانا کمپیوٹر کے بس کا کام نہیں ہے..... چنانچہ میں نے املا اور اعراب کے اندراج میں یہ ناہمواریاں اور نایکسانیاں (Non uniformities) ۔ انگریزی مقولے What cannot be cured, must be endured (قہر درویش' برجان درویش)' پر عمل کرتے ہوئے قبول کر لی ہیں۔ امید ہے کہ دقیقہ رس علماوان کوتاہیوں سے صرف نظر فرمائیں گے۔ (درانی' برمنگھم' ۳۰ ستمبر ۱۹۹۶ء)

دیباچہ طبع اول

(بانظر ثانی --- مع ترمیمات)

جناب H.W. Fowler اپنی مشہور کتاب Modern English Usage کے پیش لفظ میں تحریر کرتے ہیں:

I think of it as it should have been, with its prolixities docked, its dullnesses enlivened, its fads eliminated, its truths multiplied.

(میں اس کتاب کا ایسے تصور کرتا ہوں جیسی یہ ہونی چاہیے تھی۔ اس کی دراز گفتاریاں بریدہ پر' اس کی تنک تابیاں رخشندہ تر' اس کی خام خیالیاں محذوف' اس کی صداقتیں کثیر۔)

میری اس کتاب کا بھی یہی حال ہے' اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ موجودہ کتاب ایک وحدت کے طور پر اور ایک ہی نشست میں نہیں لکھی گئی' بلکہ یہ مجموعہ ہے وقتاً" فوقتاً" لکھے گئے مضامین کا' جن میں سے بیشتر مختلف اخباروں اور رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ اور اس طرح

ع کرتا ہوں جمع پھر جگر لخت لخت کو

نتیجتہ" اس کتاب میں لامحالہ جا بجا تکرار مطالب در آئی ہے۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ قارئین اس کمزوری سے صرف نظر فرمائیں گے اور اس لاطینی مقولے کو نگاہ میں رکھیں گے کہ "Quod abundat nec noces" (بہتات بذات خود بری نہیں ہوتی)۔ میں قارئین کتاب کی دلچسپی کی خاطر ان مضامین کی طبع اول کے پس منظر کا کچھ حال نیچے درج کرتا ہوں۔

اس کتاب کے پہلے چار مضمون علامہ اقبال کے "صد سالہ جشن میلاد" کی گہما

برسوں کے دوران لکھے گئے تھے، جب جناب یحییٰ سید "جنگ" لندن کے ادبی ضمیمے کے نگران تھے اور مجھ سے وقتاً" فوقتاً" اصرار کر کے مضمون لکھوایا کرتے تھے۔ ان دنوں علامہ اقبال کی تاریخ پیدائش کا مسئلہ بھی لوگوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ جیسا کہ میں نے کتاب میں ذکر کیا ہے، اس مسئلے میں میری دلچسپی کا نقطہ آغاز موسم گرما ۱۹۷۶ء کا ایک واقعہ تھا۔ ہوا یوں کہ میں ان دنوں اپنی پرانی یونیورسٹی کیمبرج میں اپنے (کیز Caius نامی) کالج میں ایک سائنسی کتاب لکھنے کے لئے ٹھہرا ہوا تھا۔ وہاں اپنے پرانے کرم فرما جناب آئین اسٹیفنز (Ian Stephens) صاحب سے، جو اخبار اسٹیٹسمین (Statesman) کلکتہ و دہلی کے سابق مدیر تھے، اور جن سے مجھے زمانہ طالب علمی سے نیاز حاصل تھا، اکثر ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ میں نے ان سے کہا کہ اگلا سال (۱۹۷۷ء) اقبال صدی کے طور پر منایا جانے والا ہے، اس لئے کیوں نہ وہ اور میں حکومت پاکستان کو تجویز کریں کہ اس مناسبت سے کیمبرج یونیورسٹی میں ایک مسند اقبال (Iqbal Professorial Chair) قائم کی جائے۔ کہنے لگے، بہت خوب۔ تم خط کا خاکہ تیار کرو۔ ہم مل کر یہ خط "ڈان" کراچی میں چھپوائیں گے، اور وزیر اعظم پاکستان کو بھی ذاتی خط لکھیں گے۔ میں نے دوسرے روز خط کا خاکہ (Draft) تیار کر کے انہیں دے دیا اور اس سے اگلی صبح انہوں نے میرے کالج کے کمرے میں ساڑھے گیارہ بجے آنے کا وعدہ کیا، کہ اس خط کے مضمون کو آخری شکل دی جا سکے۔ صبح موعودہ کو کیا دیکھتا ہوں کہ کوئی سوا گیارہ بجے اسٹیفنز صاحب میرے کمرے کے سامنے صحن میں آگے پیچھے گھوم رہے ہیں (میرا کمرہ دوسری منزل پر تھا۔) میں نیچے اتر کر آیا اور پوچھا آئین صاحب آپ اتنے مضطرب کیوں ہیں؟ آئیے، اندر تشریف لائیے۔ کہنے لگے ابھی ساڑھے گیارہ نہیں ہوئے تھے، اس لئے میں ٹھیک وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ بہرحال جب مزید دریافت کیا تو کہنے لگے بھئی بات یہ ہے کہ تم نے اس خط کے پہلے فقرے میں لکھا ہے کہ "۱۹۷۷ء علامہ اقبال کی پیدائش کی صد سالہ تقریبات (Birth Centenary) کا سال ہے"۔ لیکن میں نے آج صبح Dictionary of National Biography میں پڑتال کی، تو وہاں ان کی تاریخ پیدائش فروری ۱۸۷۶ء

درج ہے' اور ایک اور کتاب میں فروری ۱۸۷۳ء لکھا ہے۔ تو ۱۹۷۷ء ان کی صد سالہ برسی کیسے ٹھہرا؟ میں نے کہا' یہ تو ایک بڑا متنازع فیہ مسئلہ ہے' اور اس بات پر حکومت پاکستان نے ایک کمیٹی بٹھا رکھی ہے۔ جس نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ نومبر ۱۸۷۷ء میں پیدا ہوئے تھے۔ کہنے لگے' خیر اگر یہ بات ہے' تو فی الحال ہم اپنے خط میں لکھتے ہیں کہ "ہمیں معلوم ہوا ہے (We understand that...) کہ حکومت پاکستان نے ۱۹۷۷ء کو علامہ اقبال کی صد سالہ تقریبات کا سال قرار دیا ہے۔۔۔" لیکن بہتر یہ ہے کہ تم خود بھی ذرا اس مسئلے کا جائزہ لے ڈالو' کیونکہ مجھے کچھ پورا اطمینان نہیں ہے۔ وہ چونکہ تربیت اور پیشے کے لحاظ سے تاریخ دان تھے' اس لئے اس بارے میں ان کی تشویش قابل فہم تھی' اور میں نے سوچا کہ چلئے ہم بھی اس بارے میں کچھ تحقیق کر ڈالیں۔ تو صاحبان' یہ تھا میری اس کھوج کا نقطہ ابتدا۔ اگرچہ میں نہ تاریخ نگار ہوں نہ ادبی تحقیق کا آدمی۔ لیکن ایک دروازہ کھولنے سے کئی دروازے کھلتے گئے اور کڑیوں سے کڑیاں ملتی گئیں۔ جن کی تفصیل اس کتاب میں آپ کو ملے گی۔ کہ بقول اقبال : ڈھونڈنے والے کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں۔

کتاب کے تیسرے باب ("اقبال کے استاد مشفق' سر طامس آرنلڈ") کے پس منظر کا بیان بھی شاید یہاں بے جا نہ ہو' کیونکہ کتاب کے کئی مقامات پر شاید اس کی مدد سے کچھ روشنی پڑے۔ اس کا واقعہ یوں ہے کہ جب میں ۱۹۶۷ء میں برمنگھم یونیورسٹی میں لیکچرر کے طور پر متعین ہوا۔ تو اس کے کوئی سال' ڈیڑھ سال بعد ایک روز اسٹاف ہاؤس میں شعبہ حیتقیات (Department of Archaeology) کے ایک لیکچرر' جناب ڈاکٹر بارفیلڈ (Dr Lawrence Barfield) صاحب سے ملاقات ہوئی۔ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد کچھ جھجکتے جھجکتے فرمانے لگے۔ میرے ایک بزرگ پچھلی صدی میں ہندوستان میں علی گڑھ کے محمڈن کالج میں پڑھاتے تھے' اور اس کے بعد لاہور میں بھی انہوں نے پڑھایا' جو اب غالباً" پاکستان میں ہے۔ معلوم نہیں تم ان کے نام سے واقف ہو گے یا نہیں۔ میں نے پوچھا تو فرمانے لگے۔ پروفیسر طامس آرنلڈ' وہ میرے نانا تھے۔ میں نے کہا۔ واہ' وہ تو ایک بڑی مشہور و معروف ہستی ہیں

اور علامہ اقبال کے کلام اردو کی پہلی کتاب کے دیباچے میں شیخ عبدالقادر نے ان کے حالات بڑی تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ اس کے چند روز بعد میں نے بانگ درا کے دیباچے میں سے سر عبدالقادر کی متعلقہ تحریر کا انگریزی ترجمہ انہیں دیا اور اسی کتاب میں نالہ فراق (آرنلڈ کی یاد میں)' نامی نظم کا خلاصہ بھی انہیں سنایا۔ بہت خوش ہوئے۔ کہنے لگے' کسی روز میرے یہاں کھانے پہ آیئے۔ تو میں آپ کو سر طامس کے باقیات کے کچھ نمونے بھی دکھاؤں گا۔

اس موقعے پر انہوں نے مجھے وہ البم دکھایا جو ان کی والدہ یعنی نینسی (Nancy) نے اپنے والد محترم کی وفات کے موقعے پر لیڈی آرنلڈ کے نام مشاہیر کے پیغام ہائے تعزیت کے مجموعے کے طور سے تیار کیا تھا' اور جس میں علامہ اقبال کا ایک درد بھرا خط بھی تھا (جس کا ترجمہ اس کتاب کے مذکورہ مضمون میں دیا گیا ہے)۔ میں نے پوچھا' کیا سرطامس کے نام علامہ اقبال کے کچھ اور خطوط بھی آپ کے پاس موجود ہیں؟ کہنے لگے' ہاں۔ چند ایک اور خطوط بھی تھے' جو میں نے دو تین سال ہوئے ایک پاکستانی دانشور کو عاریتہ" دیئے تھے' اور لیڈی آرنلڈ کے نام اقبال کا تعزیتی خط انہوں نے کسی کتاب یا رسالے میں شائع بھی کیا تھا۔ (اس بارے میں کچھ مزید تفصیل نیچے دیکھئے)۔ میں نے پوچھا اقبال کے کوئی اور خط بھی آپ کے پاس ہیں؟ کہنے لگے تلاش کر کے بتاؤں گا۔ پھر کچھ عرصے بعد وہ دو پوسٹ کارڈ لے کر میرے پاس آئے۔ یہ دونو لندن میں سر طامس کو موصول ہوئے تھے اور دونو کے نامہ نگار کا نام "اقبال" تھا۔ ان میں سے ایک کارڈ تو لاہور سے اپریل ۱۹۰۹ء کا تحریر کردہ نینسی کے نام وہ پوسٹ کارڈ ہے جو اس کتاب کے چھٹے مضمون ("انگلستان میں علامہ اقبال کی چند دستی تحریریں") میں درج کیا گیا ہے' اور بدیہی طور سے حضرت علامہ اقبال کا لکھا ہوا ہے۔ لیکن دوسرے کارڈ پر لاہور (چونی منڈی) کی چھ دسمبر ۱۹۰۶ء کی مہر لگی ہوئی تھی۔ اور اگرچہ اس پر بھی کاتب کا نام S.M.Iqbal درج تھا' تاہم ظاہر ہے کہ اس زمانے میں علامہ اقبال کیمبرج میں مقیم تھے' اور یہ پروفیسر آرنلڈ کے کسی اور دیرینہ واقف یا مداح کا خط تھا۔ (مزید برآں' ایس ایم اقبال کے نیچے حروف خفی میں "علی" کا لفظ بھی

دکھائی دے سکتا ہے)۔

ڈاکٹر بارفیلڈ نے مجھے یہ بھی بتایا کہ ان کا خیال تھا' کہ علامہ اقبال کا ایک اور خط بھی ان کے کاغذات میں تھا' لیکن باوجود تلاش کے وہ اس زمانے میں انہیں نہ مل سکا۔ بڑے لطف کی بات ہے' کہ یہ دیباچہ لکھنے سے تین چار ہفتے پیشتر ا، انہوں نے مجھے اطلاع دی کہ اسلام آباد سے ایک صاحب کا (یعنی جناب رحیم بخش شاہین کا' جو معروف محقق اقبال ہیں) خط انہیں موصول ہوا ہے۔ کہ ان کے دوست ڈاکٹر وحید احمد (پروفیسر' قائداعظم یونیورسٹی' اسلام آباد) نے علامہ اقبال کا ایک خط انہیں دیا ہے' جس کی اشاعت کی شاہین صاحب اجازت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ بارفیلڈ صاحب فرمانے لگے کہ یہی وہ خط ہے' جس کی انہیں ایک عرصے سے تلاش تھی اور انہیں علم نہیں تھا' یا وہ بھول چکے تھے' کہ یہ تاحال ڈاکٹر وحید احمد صاحب کی تحویل میں تھا' جنہیں انہوں نے یہ مکتوب چند سال پہلے عاریتا" دیا تھا۔ بہرحال' انہیں بڑی خوشی ہوئی کہ یہ خط محفوظ ہے' اور تلف نہیں ہو گیا۔ ۲۔

یہ ایک بڑا دلچسپ خط ہے' اور اس کا اسلوب علامہ اقبال کے عام خطوں سے کافی مختلف ہے۔ کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں اس خط کا ترجمہ میں نے چھٹے مضمون ("انگلستان میں علامہ اقبال کی چند دستی تحریریں") میں شامل کر لیا ہے۔ اور ڈاکٹر بارفیلڈ کی اجازت سے اس خط کا عکس (اگر میسر آ گیا)' اور انگریزی متن کا Transcript ضمیمہ نمبر ۵ میں درج کرتا ہوں' تاکہ ان کے توسط سے حاصل کردہ مواد یکجا بھی ہو جائے اور محفوظ بھی رہے۔ (درانی۔ فرائی برگ' جرمنی ۹۔ اگست ۱۹۹۵ء)

بہرحال' بات سرطامس آرنلڈ کے نواسے جناب ڈاکٹر بارفیلڈ صاحب سے میری رسم و راہ کی ہو رہی تھی۔ انہی دنوں برمنگھم میں انجمن ترقی اردو نے بھی بڑی سرگرمی سے کام کرنا شروع کیا اور یہاں وقتا" فوقتا" یوم اقبال منایا جانے لگا۔ اس کے واسطے سے میں نے علامہ اقبال پر دو تین مرتبہ تقریر کی اور ڈاکٹر بارفیلڈ صاحب سے بھی انجمن کے جلسوں میں تقریریں کروائیں' جن میں انہوں نے اپنے جد امجد کے اقبال سے تعلقات پر روشنی ڈالی' اور علی گڑھ اور لاہور کے زمانے کی پرانی تصاویر اور

دیگر نوادرات دکھائے۔ اس سے مجھے علامہ اقبال کے قیام یورپ کے واقعات و واردات سے متعلق مزید تحقیق و تدقیق کی تشویق ہوئی۔

اس کے کچھ عرصہ بعد اقبال صدی کا غلغلہ بلند ہونا شروع ہوا۔ ۱۹۷۷ء میں میں انجمن ترقی اردو برمنگھم کا صدر منتخب ہوا اور اس سال کے دوران میں نے علامہ اقبال پر اپنا کام جاری رکھا۔ پھر میرے سال صدارت ہی کے دوران ہم نے انجمن کے زیر اہتمام برطانیہ میں شاید سب سے زیادہ عظیم الشان جشن صد سالہ ولادت اقبال منعقد کیا۔ یہ برمنگھم یونیورسٹی میں ہفتہ دس دسمبر ۱۹۷۷ء کے روز منایا گیا۔ جلسے کی صدارت معروف اقبال شناس محترمہ پروفیسر انے ماری شمل Professor Annemarie Schimmel نے کی' جو خاص طور سے ہماری مہمان خصوصی کی حیثیت سے جرمنی سے تشریف لائی تھیں۔ اس جشن کے دوران علامہ اقبال کی تصنیف کردہ اور ان سے متعلق کتابوں اور تصویروں کی ایک بڑی نمائش کا اہتمام بھی کیا گیا تھا۔ پھر شام کو نامور شاعر و ادیب جناب قیوم نظر صاحب ؒ کے زیر صدارت ایک کل برطانیہ مشاعرہ ہوا۔

بعد از آں' اس جشن کی تقریب سے انجمن ترقی اردو برمنگھم کے "مجلہ اردو" کا پہلا شمارہ اقبال نمبر کے طور سے میری ادارت کے تحت شائع ہوا۔ جس کے بہرۂ انگریزی کے مضمون نگاروں میں محترمہ انیماری شمل' جناب فیض احمد فیض' پروفیسر وکٹر کیرنن' جناب اقبال سنگھ' پروفیسر رش بروک ولیمز' جناب نذیر احمد' ڈاکٹر صبری تبریزی اور جناب ائین اسٹیفنز صاحب شامل تھے۔ اس کتاب کے ساتھ جناب ائین اسٹیفنز کے لگاؤ کی نسبت سے (دیکھئے اس کتاب کا صفحہ انتساب) میں نے مذکورہ رسالے میں شائع شدہ ان کے مضمون کو کتاب کے موجودہ یعنی دوسرے ایڈیشن میں ضمیمہ نمبر ۲ کے طور سے شامل کر دیا ہے۔ (درانی' فرائی برگ' جرمنی ۹۔ اگست ۱۹۹۵ء)۔

یہ زمانہ تمام برطانیہ میں علامہ اقبال کی صد سالہ تقریبات کی گہما گہمی سے مالا مال تھا۔ برمنگھم کے علاوہ لندن' کیمبرج اور انگلستان کے کئی ایک اور شہروں میں

بھی جشن اقبال کے جلسے ہوئے۔ اور ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر بھی کئی تقریبات نشر ہوئیں، جن میں میں نے حسب مقدور حصہ لیا۔ اسی قسم کی ایک تقریب کا مختصر حال موجودہ کتاب کے مضمونچے "کیمبرج میں علامہ اقبال کی یادگار" (ص ۲۰۱ تا ۲۰۳) میں بھی دیا گیا ہے۔ جو دراصل مدیر "افکار" کے نام ایک خط کے طور سے "افکار" کراچی میں چھپا تھا۔ اسی طرح "جنگ" اخبار میں ضمیمے اور خاص ادبی ایڈیشن بھی شائع ہوئے (دیکھئے اس کتاب کے ضمیمے نمبر ۳ و ۴ از جناب ائین اسٹیفنز و یحیٰی سید)۔ سفارت خانہ پاکستان کے تعلیمی و ثقافتی اتاشی پروفیسر نذیر احمد صاحب نے ان تمام سرگرمیوں کی مفصل رپورٹ حکومت پاکستان کو روانہ کی، جس کے نتیجے کے طور سے برطانیہ میں مقیم بہت سے طلبائے اقبال کو اقبال صدی کے تمغے بھی عطا ہوئے۔ جن میں پروفیسر وکٹر کیرنن، ڈاکٹر ڈیوڈ میتھیوز، جناب ائین اسٹیفنز، ڈاکٹر بارفیلڈ، جناب محمد شریف بقا، جناب سعید حسن بٹ اور یہ خاکسار بھی شامل تھے۔ (اس فہرست میں دو قابل افسوس فروگذاشتیں جناب یحیٰی سید اور جناب اقبال سنگھ کے ناموں کی تھیں)۔

ہاں، یاد آیا کہ اسی "سالِ اقبال" یعنی ۱۹۷۷ء کے دوران جب ایک سائنس کانفرنس کے سلسلے میں میرا پاکستان جانا ہوا، تو وہاں احمد ندیم قاسمی صاحب، اور جناب سید نذیر نیازی صاحب سے بھی ملاقاتیں ہوئیں۔ بعدازآں، احمد ندیم قاسمی صاحب سے خط و کتابت کے نتیجے میں میں نے سر طامس آرنلڈ پر اپنا مضمون (جو اولاً" ہماری انجمن کے مذکورہ "مجلّہ اردو" میں چھپا تھا اور اب موجودہ کتاب میں شامل ہے) "فنون" میں چھپنے کے لئے بھیج دیا۔ اسے انہوں نے فنون کے اقبال نمبر (دسمبر ۱۹۷۷ء) میں شائع کیا، اور میری ہمت بڑھائی کہ "یہ طلبائے اقبال کی معلومات میں قابل قدر اضافہ ہے"۔

پھر ہوا یوں کہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صاحب سے میری خط و کتابت ۱۹۷۸ء کے لگ بھگ شروع ہوئی۔ وہ ان دنوں اپنی ڈاکٹریٹ کا مقالہ تحریر کر رہے تھے۔ اس سلسلے میں انہوں نے مجھ سے علامہ اقبال کی کتاب "فلسفہ عجم" کے بارے میں کئی ایک استفسارات کئے اور انگلستان کے اخبارات میں میرے شائع شدہ مواد کی نقلیں حاصل

کرنے کی درخواست کی۔ انہیں پڑھ کر انہوں نے لکھا کہ آپ کے یہ سب مضمون صرف انگلستان میں شائع ہوئے ہیں۔ اس تحقیقات کے بارے میں پاکستان میں کسی کو کچھ خبر نہیں ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہوا کہ جنگل میں مور ناچا' کس نے دیکھا؟ آپ کو چاہئے کہ یہ مضامین پاکستان میں بھی چھپوائیں۔

پھر حسن اتفاق سے فروری ۱۹۷۹ء میں ایک اور سائنس کانفرنس پر میرا پاکستان جانا ہوا۔ ان دنوں اقبال اکادمی پاکستان کے ڈائریکٹر جناب ڈاکٹر محمد معزالدین تھے۔ میں ان سے ملا تو انہوں نے ازراہ کرم فوراً" میرے مضامین کو کتاب کی صورت میں شائع کرنے کا وعدہ کر لیا۔ چنانچہ میں نے اس وقت تک کے شائع شدہ مضامین ان کے حوالے کر دیئے۔ اس سے تھوڑے عرصے بعد مدیر "نقوش" جناب محمد طفیل صاحب کا خط آیا کہ وہ علامہ کی غیر مطبوعہ تحریروں پر مشتمل ایک خاص نمبر (غالباً" نقوش کا اقبال نمبر سوم) نومبر ۱۹۷۹ء میں چھاپنے والے ہیں' چنانچہ ان کی فرمائش پر اس شمارے کے لئے میں نے ایک خاص مضمون "انگلستان میں علامہ اقبال کی چند دستی تحریریں" لکھ کر اکتوبر ۱۹۷۹ء میں انہیں بھیج دیا۔ لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہے "نقوش" کا یہ خاص نمبر اب تک شرمندۂ اشاعت نہیں ہو سکا' چنانچہ میں نے اس مضمون کو بھی موجودہ کتاب میں شامل کر لیا ہے۔

یہ دیباچہ میرے ابتدائی اندازے کی نسبت بہت لمبا ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس لئے کتاب کے آخری چار مضمونوں کا پس منظر بیان کرنے سے میں صرف نظر کرتا ہوں' کیونکہ ان مضمونوں کے اندر ان کے معرض وجود میں آنے کی کافی تفصیلات موجود ہیں' اور ان کا دہرانا تحصیل حاصل ہے۔ لیکن اس موقعے پر چند مزید باتیں کہنا ضروری ہیں۔

پہلی بات مس ویگے ناسٹ کے نام علامہ اقبال کے خطوط سے متعلق ہے (دیکھئے مضامین نمبر ۸ و ۹' صفحات ۱۶۶ تا ۱۸۲ اور ۱۸۳ تا ۲۳۰)۔ واضح رہے کہ زیر نظر پیراگراف اور اگلے چند صفحات میں آخر مارچ ۱۹۸۵ء میں تحریر کر رہا ہوں۔ اس دیباچے کی ہیئت اول (محررہ جون' جولائی ۱۹۸۳ء) میں میں نے لکھا تھا کہ ان خطوط کے

اصل جرمن اور انگریزی متون میں اس کتاب میں شامل نہیں کر رہا' کیونکہ ان کی اشاعت کا جناب محمد امان ہربرٹ ہوبوہم صاحب کو حق پہنچتا ہے' جنہوں نے براہ کرم مجھے ان کے متون نومبر ۱۹۸۳ء میں بہم پہنچائے تھے۔ ان کا ارادہ انہیں ("SOAS") London School Of Oriental & African Studies کے توسط سے شائع کرنے کا تھا (اگرچہ یہ بوجوہ اب تک شرمندۂ اشاعت نہیں ہو سکے)۔ ۴۔

لیکن ستمبر ۱۹۸۴ء میں دو اہم اور ڈرامائی واقعات ظہور پذیر ہوئے۔ وہ یوں کہ ۱۵ ستمبر سے ۳۰ ستمبر ۱۹۸۴ء تک دو مختلف سائنس کانفرنسوں کی خاطر میرا جرمنی جانا ہوا۔ پہلی کانفرنس (Neutron Dosimetry) پر میونک میں تھی اور دوسری ہائیڈل برگ کے قریب' مارٹن لوتھر والے شہر Worms میں (Thermoluminescence Dating) پر۔ میں نے فیصلہ کیا کہ علامہ اقبال سے متعلق ان دو شہروں کا دورہ ایک ایسا "قران السعدین" ہے کہ اس موقعے سے پورا فائدہ اٹھانا چاہئے۔ چنانچہ میں نے وہاں کی مہم جوئی کی پہلے سے تیاری کر لی۔ اور ہر ایک کانفرنس کے خاتمے پر میونک اور ہائیڈل برگ میں دو دو روز کے لئے علامہ اقبال پر ریسرچ کا پروگرام بنا لیا' اور دوستوں کو خط وغیرہ لکھ دیئے۔ وہاں جو واقعات ظہور پذیر ہوئے وہ اس قدر دلچسپ اور نتیجہ خیز نکلے کہ ان کی تمام تفصیل میں نے ایک علیحدہ مضمون کے لئے اٹھا رکھی ہے۔ ۵۔ یہاں صرف موجودہ کتاب کے نفس مضمون سے متعلق چند تفصیلات درج کرتا ہوں۔

میونک میں میں دوبارہ ڈاکٹر بوزاش سے ملا' جو اب وہاں کی یونیورسٹی کے کتب خانے کی ڈائریکٹر شپ سے ریٹائر ہو چکے ہیں (دیکھئے اس کتاب کا پہلا مضمون)۔ انہوں نے علامہ اقبال کے مقالے "فلسفہ عجم" کے بارے میں کچھ مزید تفصیلات مہیا کیں۔ پھر میں اقبال کی ۱۹۰۷ء والی قیام گاہ واقع 41 Schellingstrasse دیکھنے چلا گیا۔ جو دوسری جنگ عظیم میں تباہ ہو گئی تھی' اور اب وہاں ایک اشاعتی ادارہ Axel-Springer Varlag قائم ہے۔

ہائیڈل برگ میں ہفتہ ۲۹ ستمبر ۱۹۸۴ء کو میں مس ایما مس ویگے ناسٹ کی ایک

قرابت دار خاتون' پروفیسر کرش ہوف Professor Dr Hella Kirchhoff سے ملا' جو خود بھی شادی سے پہلے ویگے ناسٹ تھیں۔ (ان کے والد جناب Otto Wegenast مس ایما کے عم زاد بھائی تھے)۔ ان خاتون کی عمر اب قریب ۶۸ سال ہے' اور وہ ہائیڈل برگ یونیورسٹی میں اطالوی زبان کی پروفیسرشپ سے چند سال ہوئے ریٹائر ہوئی تھیں۔ ایما ویگے ناسٹ کے متعلق انہوں نے بہت سی معلومات بہم پہنچائیں' جن کی تفصیل بیان کرنے کا یہ موقع نہیں ہے۔ (ہماری تمام گفتگو انگریزی زبان میں ہوئی' جو پروفیسر صاحبہ بڑی صفائی اور روانی سے بولتی ہیں)۔

ان معلومات میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ انہوں نے بتایا کہ "آج سے بیس پچیس سال پہلے ایک دو اصحاب میری پھوپی ایما سے ملنے آئے' جو ان دنوں کافی ضعیف ہو چکی تھیں۔ اور چونکہ وہ انگریزی نہیں جانتی تھیں اس لئے میں مترجم کا فریضہ ادا کر رہی تھی۔ ان اصحاب نے ایما کے ساتھ اقبال کے تعلقات کے بارے میں بات چیت کی' اور ایما کو پاکستان آنے کی دعوت دی۔ جو وہ اپنی صحت کے پیش نظر قبول نہ کر سکیں۔ (اگرچہ ان کی جگہ میں وہاں جانے پر تیار ہو سکتی تھی)۔ انہوں نے یہ تاثر دیا گویا وہ حکومت پاکستان کی نمائندگی کر رہے تھے

("They pretended to represent the Government of Pakistan")

"پھر انہوں نے پوچھا کہ کیا ایما کے پاس علامہ کے کوئی خطوط محفوظ ہیں؟ اس پر میری پھوپی نے اپنے پاس محفوظ اقبال کے لکھے ہوئے خطوط کا پلندہ ان کے حوالے کر دیا۔ اور جو تصویریں ہمیں دستیاب ہو سکیں' وہ بھی ہم نے انہیں دے دیں۔ وہ دن اور یہ دن' اس کے بعد نہ ان خطوط کا کچھ پتا چل سکا نہ ان تصویروں کا' اور نہ پھر پاکستان آنے کی دعوت کا کوئی اعادہ ہوا"۔ ان باتوں سے پروفیسر کرش ہوف صاحبہ کافی رنجیدہ معلوم ہوتی تھیں۔ میں نے انہیں یقین دلایا کہ نہ صرف یہ کہ ان اصحاب نے کسی فریب دہی سے کام نہیں لیا تھا (اور یہ کہ وہ غالباً" حکومت پاکستان یا کسی سرکاری ادارے کی نمائندگی کر رہے ہوں گے)' بلکہ انہیں یہ جان کر خوشی ہو گی کہ یہ خطوط یا ان میں سے بیشتر محفوظ ہیں اور اب منظر عام پر آ چکے ہیں۔ یہ کہہ کر میں نے ہوبہو

صاحب کے مہیا کردہ تمام جرمن اور انگریزی خطوط کے عکس ان کے سامنے پیش کر دیئے' جو انہوں نے بڑی دلچسپی کے ساتھ دیکھے۔ انہوں نے کہا کہ اس سے پہلے یہ ان کی نظر سے نہیں گزرے تھے۔ (ہاں' انہوں نے اقبال کے طرز تحریر کی تحسین کی اور کہا کہ انہیں تعجب ہے کہ کیسے ایک شخص صرف چند ماہ تک جرمن زبان سیکھنے کے بعد اس میں ایسی اچھی طرح اظہار مطلب کر سکتا ہے)۔ اس کے بعد میں نے مختصراً" ان سے ان خطوط کی بازیافت کا پس منظر بیان کیا' اور بتایا کہ میں ان خطوط کا اردو ترجمہ ایک ادبی رسالے۶ ء میں پچھلے سال شائع کر چکا ہوں اور اب ہوبوہم صاحب ان کے اصل متون کے شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اگرچہ ابھی تک ان کی اشاعت کا مسئلہ کھٹائی میں پڑا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر پچھلے بیس یا پچیس سال سے ان کی اشاعت معرض التوا میں پڑی ہوئی ہے تو مزید تعویق کے بجائے بہتر ہو گا کہ میں ہی ان کے اصل متن بھی شائع کر دوں' خصوصاً" اب جبکہ ان کا ترجمہ چھپ کر سامنے آچکا ہے۔

چنانچہ پروفیسر کرش ہوف کی اس اجازت کے پیش نظر (جو ایک طرح سے Ex Cathedra فرمان ہے۔ یعنی ان خطوط کی مالکہ اول کی قرابت دار خاتون کی اجازت ہے جو اس مجموعے کی Release (عطاء) کے وقت موجود تھیں' میں نے مزید غور کے بعد فیصلہ کیا کہ اب خطوط کے اصل متون کی اشاعت میرے لئے جائز ہو گی' اور ہوبوہم صاحب اب بھی ان کے اصل مخطوطوں یعنی Handwritten Manuscripts کے عکوس شائع کرنے کے مجاز و مختار ہیں' کہ ان کی الگ اور عظیم تر قدر و قیمت ہے۔ اور سب مداحین اقبال کی آرزو' اور ان سے پر زور درخواست' ہے کہ وہ جلد از جلد ایسا کریں۔ چنانچہ یہ ہے اس کتاب میں ان قیمتی اصل متون کی اشاعت کا پس منظر' اور اس کی وجہ جواز۔

۲۹ ستمبر ۱۹۸۴ء کے روز پروفیسر کرش ہوف صاحبہ سے ملاقات کے دوران میں نے ان سے پوچھا کہ آیا ان کے پاس مس ایما ویگے ناسٹ کی کوئی تصاویر موجود ہیں۔ وہ کہنے لگیں کہ افسوس تو یہ ہے کہ مس ایما ویگے ناسٹ (اور شاید اقبال کی بھی) وہ

تمام تصویریں جو ہمارے پاس تھیں، وہ ہم نے انہی اصحاب کے حوالے کر دی تھیں جنہیں وہ مجموعہ خطوط دیا گیا تھا۔ چنانچہ اب جہاں تک مجھے علم ہے ہمارے سارے خاندان میں ایما کی کوئی تصویر موجود نہیں ہے۔ پھر انہوں نے کہا، ٹھہرو، میں اپنی ایک اور کزن سے، جو ڈسل ڈورف میں رہتی ہیں، پوچھتی ہوں کہ شاید ان کے پاس کوئی تصویر بچ گئی ہو۔ چنانچہ انہوں نے فوراً انہیں فون کیا۔ ان خاتون نے (جن کا نام Frau Edith Schmidt-Wegenast ہے) جواب دیا کہ جہاں تک انہیں یاد ہے، ان کے پاس بھی اپنی پھوپی کی کوئی تصویر باقی نہیں۔ لیکن وہ مزید تلاش کریں گی۔ پھر برمنگھم واپس آ کر میں نے محترمہ Schmidt-Wegenast کو خط لکھ کر دوبارہ درخواست کی کہ وہ ذرا مکمل جستجو کریں، شاید کوئی تصویر نکل آئے۔ انہوں نے چند روز بعد جواب دیا کہ انہیں بڑی خوشی ہوئی ہے کہ خلاف توقع ان کے کاغذات میں سے مس ایما ویگے ناسٹ کی ایک ایسی نادر تصویر نکل آئی ہے جو وہ بالکل بھول چکی تھیں۔ یہ ان کے عالم شباب کی تصویر ہے۔ اور اس کے علاوہ انہیں ایک اور تصویر بھی مل گئی ہے، جو ایما کے بڑھاپے کے زمانے کی ہے۔ چنانچہ اس کتاب کے صفحہ (۱۸۵) پر قارئین کو مس ایما ویگے ناسٹ کی جو حسین تصویر نظر آتی ہے، یہ انہی مسز شمٹ ویگے ناسٹ کا عطیہ ہے۔ ان کی عطا کی ہوئی دوسری تصویر میں اپنے موعودہ مضمون میں شائع کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ ۷۔

ملاقات کے خاتمے کے بعد پروفیسر کرش ہوف صاحب بہ کمال تلطف مجھے اپنی کار کے ذریعے ان دو مکانات کی زیارت کو بھی لے گئیں جہاں مس ایما ویگے ناسٹ ہائیڈل برگ میں اپنی بہن صوفی کے ساتھ کئی برس تک مقیم رہی تھیں، یعنی 14 Steubenstrasse اور 5 Mozartstrasse (اسی آخری پتے کا ذکر علامہ اقبال کے خط نمبر ۲۵ بنام مس ویگے ناسٹ، مورخہ ۱۲ دسمبر ۱۹۳۲ء میں آتا ہے۔ ۸۔ (دیکھئے ص ۲۱۴)۔ اگرچہ وہاں ہجوں میں ذرا سا تسامح ہے)۔

دیباچے میں ان اضافوں کے خاتمے سے پہلے میں ایک دو مزید باتیں کہنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ اولاً یہ کہ ستمبر ۱۹۸۴ء میں جرمنی جانے سے پہلے میں نے ہائیڈل

برگ میں مقیم ایک ہندوستانی سائنس دان دوست' اشوک کمار سنگھوی صاحب' سے درخواست کر رکھی تھی کہ وہ ہائیل برون (Heilbronn) میں Wegenast خانوادے کے کسی رکن کا کھوج لگائیں' کیونکہ جیسا کہ علامہ اقبال نے اپنے کئی خطوط میں ذکر کیا ہے (دیکھئے مضمون نمبر ۹)' ایما ویگے ناسٹ ہائیل برون کی رہنے والی تھیں۔ سنگھوی صاحب نے ایک خاتون Frau Elsa Wegenast کا پتا نکال رکھا تھا' جو اب 26 Blücherstrasse میں رہتی ہیں۔ میں نے ہائیڈل برگ پہنچتے ہی (اتوار ۲۳ ستمبر ۱۹۸۴ء کو) محترمہ ایلسا ویگے ناسٹ کو ٹیلی فون کیا اور معلوم ہوا کہ وہ واقعی مس ایما ویگے ناسٹ کی عزیزہ ہیں (شادی کے واسطے سے)' اور ان سے اتوار ۳۰ ستمبر کو ملنے کا میں نے انتظام کیا۔ چنانچہ ۲۹ ستمبر کو پروفیسر کرش ہوف سے ملاقات کے بعد میں ۳۰ ستمبر کی صبح کو ہائیل برون روانہ ہوا۔

اس سفر میں میرے ساتھ میری ایک کزن شہناز درانی (جو بون یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کر رہی ہیں) اور ان کے نو مسلم جرمن شوہر Mr Karlheinz Bernhardt شامل تھے۔ موخر الذکر صاحب ان تمام کارروائیوں میں بڑے ممد و معاون ثابت ہوئے۔ ہم ان کی کار کے ذریعے ہائیل برون پہنچے' جو ہائیڈل برگ کے جنوب مغرب میں قریب تیس میل پر واقع ہے۔ مسز ایلسا ویگے ناسٹ' جن کی عمر قریب انہتر برس ہے' اور ان کا سارا خاندان بڑی تواضع اور خوش خلقی سے ہمارے ساتھ پیش آیا۔ اور مس ایما ویگے ناسٹ اور صوفی ویگے ناسٹ کے خاندانی حالات اور ان کے شجرۂ نسب کے بارے میں ۹۔ بڑی دلچسپ معلومات ہمیں حاصل ہوئیں' جن کی تفصیلات میں کسی اور موقعے پر بیان کروں گا۔ ۱۰۔ یہاں یہ کہنا کافی ہوگا کہ میں نے مسز ویگے ناسٹ سے ایما ویگے ناسٹ کی قبر کی زیارت کرنے کی بالخصوص درخواست کر رکھی تھی' اور اس سفر کا بڑا مقصد یہی تھا۔ وہ بہ غائت کرم فرمائی ہمیں فوراً" اپنے ساتھ ہائیل برون کے قبرستان میں لے گئیں' جہاں ویگے ناسٹ خاندان کے بہت سے افراد کی قبریں دو الگ مخصوص گوشوں میں قائم ہیں۔ اور میں وہاں تا دیر ایما ویگے ناسٹ کی قبر پر دعائے مغفرت کرتا اور ان پرانے دنوں کی یادیں دل میں تازہ کرتا

رہا جب وہ اور اقبال ایک ساتھ تھے۔ "آہ' وہ سہانے دن جو ہم نے ایک ساتھ گزارے تھے" (ص۱۹۹)' "ہمارے درمیان ہمیشہ ایک غیر مرئی رشتہ قائم رہے گا" (ص۲۰۱) "وہ پر مسرت دن جو افسوس کہ اب ہمیشہ کے لئے گزر چکے ہیں" (ص ۲۱۲)۔ یہ تھیں "وہ خوبصورت سوچیں جو خاموشی سے ایک کے بعد ایک" (ص ۲۰۰) اقبال اور ایما ویگے ناسٹ کی طرف میرے ذہن میں دوڑ رہی تھیں--- وہ ایما' جن سے اقبال کو اس قدر تعلق خاطر رہا تھا۔ مجھے اس گھڑی واقعی یوں محسوس ہوا گویا اقبال خود اس وقت میرے اور ایما ویگے ناسٹ کے ساتھ اسی گوشہ خاک پر موجود ہیں اور خوش ہیں کہ سالہا سال کے بعد ان کا ایک قاصد ان کا پیام شوق لے کر وہاں آیا ہے۔

"صبا بہ گلشن ویمر سلام ما برساں!
کہ چشم نکتہ وراں خاک آں دیار افروخت"

(اقبال)

فاتحہ خوانی' اور مسز ویگے ناسٹ کے ساتھ ان کے خاندان کے بارے میں بہت سی باتیں کرنے اور تصویریں کھینچنے کے بعد ہم لوگ واپس روانہ ہوئے۔اس رستے میں میں نے درخواست کی کہ اگر ہو سکے تو ایما ویگے ناسٹ کی دیرینہ قیام گاہ کی زیارت بھی کر لی جائے' مسز ویگے ناسٹ نخوشی تیار ہو گئیں اور رستے میں ہم 16 Luisenstrasse کو دیکھنے کے لئے رکے۔

اس دیباچے میں آخری اضافہ اس بات کا ذکر ہے کہ ۳۰ ستمبر ۱۹۸۴ء کی صبح کو ہائیڈل برگ سے ہائیل برون کو روانہ ہونے سے قبل میری کزن شہناز درانی' ان کے المانوی شوہر اور میں پہلے علامہ کی دیرینہ قیام گاہ 58 Neuenheimer Landstrasse میں موجودہ مالک مکان جناب Hans-Hellmuth Zwissler سے ملنے گئے۔ جناب سوسلر نے بہ کمال تلطف ہمیں اپنے عالی شان مکان کے (جو تین منزلوں پر مشتمل ہے) کئی ایک کمرے بھی دکھائے' اور اس کے پہلو میں واقع وہ مستزاد مکان (Annex) بھی جو اقبال کے زمانے میں طلبہ کے

ہوسٹل کے طور سے استعمال ہوتا تھا' اور جس کے ایک شہتیر پر' بقول ان کے' اقبال کا نام بھی ان کے ہاتھ سے کندہ تھا (جس پر اب پلستر چڑھا دیا گیا ہے)۔ ان تمام معلومات کی تفصیل بھی میں اپنے موعودہ مضمون میں بیان کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ ۱۳۔ اس وقت صرف دو مختصر باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

اول یہ کہ یہ مکان اس صدی کے اوائل میں Professor Scherrer کی ملکیت تھا۔ جو ہائیڈل برگ یونیورسٹی میں (پروفیسر محترمہ کرش ہوف کی مہیا کردہ اطلاع کے مطابق) ان دنوں فلسفہ مدنیات کے استاد تھے اور پاس ہی کے ایک مکان میں رہتے تھے۔ ان پروفیسر صاحب کے نام کے صحیح ہجے دراصل Scherrer ہیں (یعنی بہ تشدید "ر") نہ کہ Scherer' جیسا کہ اقبال نے اپنے دو خطوں میں تحریر کئے (دیکھئے خط نمبر ۳' ص ۳۰۶ ' اور خط نمبر ۲۱' ص ۳۰۳)۔

دوسری' اور زیادہ اہم یہ بات ہے کہ جناب سوسلر نے اپنی فائل میں سے ہائیڈل برگ کے اخبار Heidelberger Tageblatt کا وہ پرچہ ہمیں دکھایا (یعنی بابت بدھ' ۲۹ جون ۱۹۶۶ء) جس میں ۲۶ جون ۱۹۶۶ء کے روز اس مکان پر حکومت المانیہ کی طرف سے علامہ اقبال کے نام انتسابی تختی کی تنصیب کا مفصل حال درج تھا۔ (اس اخبار کا ایک نسخہ انہوں نے از راہ کرم مجھے عطا کیا' جو اس وقت میرے سامنے موجود ہے)۔ اس میں مجھے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ وہاں لکھا ہے کہ "اقبال نے ایما ویگے ناسٹ کو ۲۷ خطوط لکھے۔ جو اب پاکستانی Archives (حفاظتی کتب خانے) میں محفوظ ہیں' اور جن سے حکیم الامت کے خیالات پر بڑی قیمتی روشنی پڑتی ہے۔ یعنی جناب محمد امان ہوبوہم کا یہ خدشہ غالباً" درست نہیں ہے کہ شروع میں اس مجموعے میں کل ملا کر شاید چالیس خطوط تھے ——— (میرا اندازہ ہے کہ مذکورہ اخبار کے اس مضمون کا مواد اور بہت ہی معلومات غالباً" جناب پروفیسر انیماری شمل کی مہیا کردہ تھیں' جن کا اخبار کے اسی صفحے پر ذکر ہے)۔ مزید برآں اسی اخبار میں اسی روز (۳۰ ستمبر ۱۹۸۴ء) میں نے پہلی مرتبہ ایما ویگے ناسٹ کی وہ تصویر بھی دیکھی تھی جس کا اصل میرے خط مورخہ ۷ اکتوبر ۱۹۸۴ء کے جواب میں محترمہ Frau Edith

Schmidt-Wegenast نے بعد از آں' یعنی ۱۱ اکتوبر ۱۹۸۴ء کے روز' ڈسل ڈورف سے مجھے عطا کیا' اور جو کتاب کے صفحہ ۱۸۵ پر درج ہے۔ ہاں' ہائیڈل برگ اخبار کے اس مذکورہ بالا مضمون میں علامہ اقبال کی نظم "ایک شام (دریائے نیکر (ہائیڈل برگ) کے کنارے پر)" کا جرمن ترجمہ بھی درج ہے' جو پہلی مرتبہ اسی اخبار کے ۱۴ مارچ ۱۹۱۹ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔ اور اس کے علاوہ ایما وگیے ناسٹ کی بڑی بہن صوفی کا ایک بیان بھی اس مضمون میں درج ہے' (جو اس وقت زندہ تھیں ۱۳۔) ' جس میں انہوں نے اس مکان (شیرر منزل) کی نشان دہی کرنے اور ایما اور اقبال کی خط و کتابت اور تعلق خاطر کے بھی کچھ حالات بیان کئے ہیں۔

ان سطور کے ساتھ اس دیباچے کے اضافے مورخہ ۳۰' ۳۱ مارچ ۱۹۸۵ء ختم ہوتے ہیں' اور میں دیباچے کے ابتدائی Version (محررہ جون' جولائی ۱۹۸۴ء) کی طرف لوٹتا ہوں۔

میں (چند صفحے پہلے) کتاب کے آخری چار مضمونوں کے بارے میں کچھ معروضات پیش کر رہا تھا۔ اب میں یہاں "فلسفہ عجم" والے مضمون (نمبر ۱۰) سے متعلق کچھ وضاحت پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

جب میں نے یہ مضمون نومبر ۱۹۸۳ء میں لاہور میں منعقد ہونے والی دوسری عالمی اقبال کانگریس میں پیش کیا' اور انہی دنوں یہ رسالہ "افکار" کراچی میں بھی چھپا' تو پاکستان اور ہندوستان کے بعض مداحین اقبال نے دو نکتے نکالے اور ان کے بارے میں مجھ سے استفسار کیا۔ ایک تو یہ کہ اس مضمون میں یا اس دریافت کی وجہ سے میں نے علامہ اقبال کی پی ایچ ڈی کی ڈگری کو غیر موقر (Devalue) کر دیا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ کیا اقبال نے میونک یونیورسٹی کے سررشتہ داروں (Authorities) کو یہ اطلاع دی تھی کہ وہ کم و بیش اسی مقالے پر کیمبرج یونیورسٹی سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کر چکے تھے؟

اس کا میں نے یہ جواب دیا کہ ان حضرات کو اس معاملے کے منفی نہیں' بلکہ مثبت پہلو پر غور کرنا چاہئے۔ یعنی یہ کہ اس دریافت سے اقبال کی پی ایچ ڈی کی ڈگری

کا وقار کم نہیں ہوا۔ بلکہ یہ سوچنا چاہئے کہ اقبال نے بی۔ اے کی ڈگری کے لئے ایسا بلند پایہ مقالہ تحریر کیا تھا کہ اس کے بل بوتے پر انہیں میونک یونیورسٹی نے پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا کر دی۔ دوسرے یہ کہ میونک یونیورسٹی کے سربراہ اتنے جاہل نہ ہوں گے کہ وہ یہ سمجھ لیں کہ کوئی تازہ طالب علم وہاں داخلہ لینے کے تین ماہ بعد پی ایچ ڈی کا مقالہ تحریر کر کے داخل کر سکتا ہو۔ ظاہر ہے کہ اقبال وہاں کیمبرج یونیورسٹی کی سفارش پر ہی گئے ہوں گے' اور ان کے نگران تحقیق ڈاکٹر میک ٹیگرٹ' یا ان کے مشیر تحقیق پروفیسر طامس آرنلڈ نے (جو ہو سکتا ہے کہ ان کے بی اے کے مقالے کے ممتحن رہے ہوں) ضرور میونک یونیورسٹی کو اطلاع دی ہو گی' کہ یہ ایک بڑا ذہین و فطین طالب علم ہے اور چونکہ کیمبرج سے پی ایچ ڈی کی ڈگری جاری نہیں ہوتی (واضح رہے کہ کیمبرج میں پی ایچ ڈی کے ضوابط پہلے پہل ۱۹۲۰ء میں منظور ہوئے)' اس لئے اس کو میونک سے پی ایچ ڈی کی سند دی جائے۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ اس میں پروفیسر آرنلڈ کا بڑا ہاتھ تھا' کیونکہ وہ عربی زبان کے پروفیسر تھے' اور میونک یونیورسٹی میں اقبال کے نگران تحقیق یا "Doctor Father" جناب ہومل (Fritz Hommel) صاحب' بقول محترمہ انماری شمل' (دیکھئے ان کی کتاب Gabriel's Wing) عبرانیات (یعنی Semitic Languages' جن میں عربی بھی شامل ہے) کے ماہر تھے' اور میں سمجھتا ہوں کہ غالباً" وہ عجمی فلسفے کے میدان سے کافی نا آگاہ رہے ہوں گے۔ وہ شاید پروفیسر آرنلڈ کو ذاتی طور سے جانتے ہوں گے اور انہوں نے پروفیسر آرنلڈ کی سفارش کو قبول کر لیا ہو گا۔ ۱۴؎ اسی طرح اقبال کو اپنا یہ مقالہ انگریزی زبان میں خاص اجازت (Special Dispensation) کے ساتھ میونک یونیورسٹی میں داخل کرنے کی اجازت ملی تھی (صرف زبانی امتحان جرمن زبان میں لیا گیا تھا ۱۵؎)۔ اس لئے پروفیسر ہومل اور Thesis Defence کی باقی کمیٹی کو یہ بخوبی معلوم ہو گا کہ یہ مقالہ انگریزی زبان میں لکھا ہوا پہلے سے موجود ہے۔ اس لئے کسی اخفا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اقبال نے یہ مقالہ علی الاعلان وہاں داخل کیا ہو گا۔ ان خیالات کی تصدیق کے لئے میونک یونیورسٹی کے کاغذات (Records) میں تلاش کی ضرورت ہے۔ ۱۶؎

اسی طرح لاہور ہی کی عالمی کانگریس (نومبر ۱۹۸۳ء) کے دوران' ہندوستان کے ایک ممتاز عالم اقبال نے (مس ویگے ناسٹ کے خطوط کے حوالے سے) مجھ سے فرمایا کہ "درانی صاحب۔ علامہ اقبال کے ذاتی معاملات میں اس تاک جھانک سے کیا فائدہ؟" ان سے بھی میں نے عرض کیا کہ ایک شہرۂ آفاق ہستی کی زندگی کے حالات اور اس کی ذہنی نشوونما کے مدارج کی اطلاع اس کے طالب علموں کے لئے بے انتہا ضروری اور مفید ہوتی ہے' اور اس سے اس کے کلام اور اس کے انداز فکر پر بڑی اہم روشنی پڑتی ہے۔ اگر عطیہ فیضی نے اپنے نام اقبال کے خطوط شائع نہ کئے ہوتے تو ہم ان کے ان ہیجانی جذبات اور اضطراب و پریشانی کے محسوسات سے واقف نہ ہو سکتے جو یورپ سے واپسی کے چند سال بعد تک ان کے دل و دماغ میں موجزن رہے۔ جب وہ ہندوستان کی زندگی اور اس کی سماجی پابندیوں سے سخت سرگرداں اور گرفتہ خاطر تھے اور خود کشی کرنے' شراب میں پناہ لینے' یا پھر ہندوستان سے یورپ کو ہجرت کر جانے کی باتیں کر رہے تھے۔

پھر یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ اگر اس لڑکی مس ویگے ناسٹ نے اقبال کی جرمن زبان کی تعلیم صرف صرف و نحو پڑھانے اور اشیاء کے نام بتانے تک محدود رکھی ہوتی' کہ یہ میز ہے' وہ کرسی ہے' وغیرہ۔ اور انہیں گوئٹے اور ہائنے اور دوسرے جرمن شاعروں اور ادیبوں کا کلام اور تصنیفات نہ پڑھائی ہوتیں' تو اس کا اثر اقبال پر کیا ہوتا؟ کیا مس ویگے ناسٹ کی اسی تعلیم و تربیت' اور ان کو گوئٹے کے فاؤسٹ کی گہرائیوں اور حسن سے واقفیت دلانے کا ایک بالواسطہ نتیجہ یہی نہیں کہ کچھ سالوں کے بعد علامہ اقبال نے حکیم المانوی گوئٹے کے جواب میں اپنی بلند پایہ اور دلکشا کتاب "پیام مشرق" تحریر کی؟ کیا مس ویگے ناسٹ کا یہی ایک کارنامہ کافی نہیں ہے؟

اگرچہ اقبال نے جرمنی میں کل ملا کر صرف تین' ساڑھے تین مہینے بسر کئے' لیکن اس کے باوجود وہ بار بار مس ویگے ناسٹ کے نام اپنے خطوں میں لکھتے ہیں کہ میں نے جرمنی میں بہت سوچا اور اس سے بہت کچھ سیکھا ہے' اور میں اس دیار عزیز کو کبھی بھول نہ سکوں گا۔ جرمنی نے میرے آدرشوں (Ideals) پر بہت اثر ڈالا ہے۔

حضرت علامہ کے ان مقولوں سے میرے ذہن میں ایک بات یہ آتی ہے کہ اگرچہ یورپی فلسفہ تو اقبال ہندوستان کے علاوہ انگلستان سے بھی حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ چونکہ انگلستان وہ ملک تھا جو ہندوستان پر حکمران تھا' اور جس کی سلطنت اور پنجہ استعمار ان کے ملک و قوم کو جکڑے ہوئے تھا' اس لئے اقبال کو یوروپی فلسفہ اس ملک یعنی انگلستان سے حاصل کرتے ہوئے عار آتی ہو۔ جبکہ جرمنی سے' جس کا ہندوستان پر کوئی تسلط نہ تھا' انہیں یہی فلسفہ اور علم حاصل کرنے میں جھجک نہ محسوس ہوئی ہو اور انہیں کانٹ' اور شوپنہاور اور ہیگل (اور نطشے؟) سے براہ راست جرمنی میں استفادہ کرنے میں باک نہ ہوا ہو۔ انہوں نے جرمنی میں پہلی مرتبہ ایک آزاد شہری کی حیثیت سے سانس لیا ہوگا' جس کے وہ زیر نگیں نہیں تھے اور جہاں کے لوگوں نے انہیں ایک برابر کے انسان کی حیثیت سے دیکھا ہوگا' اور جہاں نسلی منافرت کے اثرات ان پر کارفرما نہ ہوئے ہوں گے۔ غرض ایسی بہت سی باتوں کا شاخسانہ ان خطوط سے مل سکتا ہے۔ اور اس میدان میں ابھی بہت غور و خوض کی ضرورت اور امکان ہے۔ حقائق سے انسان کو آنکھیں بند نہیں کرنی چاہئیں۔ حقائق کو جاننے کے بعد ہی ان کے مضمرات اور اثرات پر غور کرنے کا موقع حاصل ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں مانچسٹر گارڈین کے ایک دیرینہ اور نامور ایڈیٹر C.P. Scott کا یہ مقولہ یاد رکھئے کہ "حقائق مقدس ہیں' تشریحات پر آپ کا اختیار ہے" (Facts are sacred ; interpretation is free)-

اس ضمن میں ایک دوسری بات یہ ہے کہ مس ویگے ناسٹ کے نام اقبال کے سارے خطوط ادب اور صاف دل دوستی سے مملو ہیں۔ ہاں' ان کے دل میں مس ویگے ناسٹ کی گرویدگی اور ان کے الفاظ میں ان کے ساتھ قلبی لگاؤ کی جھلک ضرور موجود ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جب اقبال ویگے ناسٹ سے ملے ہیں تو ان کی عمر تقریباً" تیس سال کی تھی' اور ایما کی انھائیس سال کی۔ وہ ایک خوش طبع اور گرم دل نوجوان تھے۔ اور ایک شاعر بے عدیل بھی۔ کیا ہم یہ سمجھنا چاہتے ہیں کہ وہ پتھر کا ایک سرد مجسمہ تھے کہ حسن اور نوجوانی ان کے دل و دماغ پر کوئی اثر نہ کر سکتے تھے؟

کیا ایسا سرد دل انسان پوری دنیا کو تڑپا دینے والی شاعری کر سکتا تھا؟ وہ جو ایک ولولہ' ایک جوش' ایک سوز و ساز ان کی فطرت میں تھا' کیا ہمارا موقف یہ ہے کہ اس کے باوجود وہ اپنے خطوں میں اگر محض سپاٹ اور بے جان تحریروں ہی کو جگہ دیتے تو اسی صورت میں ہم انہیں بخش سکتے؟ الغرض' میرے ذاتی خیال میں ہمیں ایک انسان کو جیتا جاگتا انسان ہی سمجھنا چاہئے' جس کے سینے میں ایک دھڑکتا ہوا دل ہے' نہ کہ اسے ایک فرشتہ' یا پتھر کا بے جان مجسمہ تصور کرنا چاہئے۔ خود اقبال نے کہا ہے کہ :

ٹھہر سکا نہ کسی خانقاہ میں اقبال
کہ ہے ظریف و خوش اندیشہ و شگفتہ دماغ

چنانچہ مجھے ایسا کہنے میں کوئی باک نہیں کہ ان خطوط سے اقبال کے وقار میں ہرگز کوئی کمی نہیں آتی۔ بلکہ ان کے قیام یورپ کے' اور اس کے بعد کے' طرز فکر کے کئی پہلوؤں پر نئی اور بڑی فائدہ مند روشنی پڑتی ہے۔

میں نے اوپر جو باتیں لکھی ہیں' انہیں اس معاملے کا محض ایک سرسری اور ابتدائی سا جائزہ ہی سمجھنا چاہئے۔ ابھی غور کرنے والے اولوالابصار دانشوروں کے لئے یہاں سوچنے اور سمجھنے کے لئے بہت سرمایہ باقی ہے۔

اس موضوع کے اختتام سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ اس ضمن میں مدیر افکار' جناب صہبا لکھنوی کا شکریہ بھی ادا کروں کہ انہوں نے علامہ اقبال سے متعلق تحقیقات میں میری بڑی ہمت افزائی کی۔ نہ صرف یہ کہ میں نے وقتاً فوقتاً انہیں جو کچھ بھیجا وہ انہوں نے فی الفور اپنے رسالے میں چھاپا (اور "افکار" کراچی کی پابندی وقت کے ساتھ اور فوری اشاعت اس سلسلے میں میری بڑی مد ثابت ہوئی)' بلکہ بالخصوص مس ویگے ناسٹ کے نام اقبال کے غیر مطبوعہ خطوط کو اپنے موقر جریدے میں شائع کر کے انہوں نے خاصی جرات کا ثبوت دیا۔ کیونکہ یہ مواد کسی قدر مناقشہ انگیز سمجھا جا سکتا تھا۔ ان خطوط کے اس رسالے میں شائع ہونے کی وجہ سے یہ پورے پاکستان اور ہندوستان میں پڑھے گئے' اور کئی ایک ممتاز اقبال شناسوں نے ان کی اشاعت کے بارے میں تعریفی کلمات تحریر کئے ہیں۔

ایک آخری اعتذار : اور یہ ہے کتاب کے آخری مضمون ("ہسپانیہ میں علامہ اقبال کے نقش قدم پر") کے بارے میں۔ میں اس کی موجودہ صورت سے کافی غیر مطمئن ہوں۔ اس کی طوالت کے علاوہ اس میں دو مزید کمزوریاں یا کوتاہیاں ہیں۔ اول تو وہ جس کی نشان دہی رفیع الدین ہاشمی صاحب نے کی تھی (جو میری کتاب کے مسودے کی' طباعت کے لئے تیاری کی نگرانی کر رہے تھے)۔ یعنی یہ کہ اس مضمون میں --- باقی مضامین کے برعکس --- غیر موجود کی' نہ کہ موجود کی' اطلاع ہے (چونکہ علامہ کی وہ تقریر جس کی مجھے میڈرڈ میں تلاش تھی دستیاب نہ ہو سکی تھی۔ ۷۱ء) اور دوسری کمزوری میرے خیال میں یہ ہے کہ اس میں وحدت نفس مضمون نہیں ہے۔ یعنی یہ علامہ کی تقریر کی تلاش کے ذکر سے شروع ہوا لیکن مسجد قرطبہ کی روایات کی تفصیل میں پھیل کر ختم ہوتا ہے۔

لیکن مجھے امید ہے کہ اس مضمون کے ایک دو مثبت پہلو بھی ہیں۔ اول تو یہ کہ علامہ کی ۱۹۳۳ء والی تقریر کے آئندہ تلاش کرنے والوں کے لئے اس میں کچھ کار آمد اشارے بھی ہیں' جو اس کتاب میں محفوظ ہو کر شاید دوسروں کے لئے تشویق و تحریک کا باعث ہوں۔ اور دوسرے یہ کہ اس کے آخر میں پروفیسر آربری کے ایک نایاب مخطوطے کا بھی ذکر ہے' اور یوں یہ روایت اس کتاب کے توسط سے محفوظ ہو جائے گی۔ ان دو باتوں کے علاوہ مضمون میں مسجد قرطبہ سے متعلق کچھ کار آمد معلومات' اور علامہ کی زیارت مسجد کی روایتوں کا معائنہ یا جائزہ بھی شامل ہے' جو باعث دلچسپی ہو سکتا ہے۔

دیباچے کے اختتام میں' میں کتاب کے ضمیموں کے بارے میں کچھ باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اگرچہ کتاب کے آخر میں متعدد ضمیمے منسلک ہیں' تاہم بہت سا مزید مواد جو میں نے وقتاً" فوقتاً" اقبال اکادمی اور ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صاحب کو روانہ کیا تھا (جنہیں میں نے کتاب کی ادارتی ذمہ داری سونپ رکھی تھی) وہ انہوں نے زائد از ضرورت' یا تکرار مطالب کا حامل سمجھ کر چھپنے سے روک دیا ہے۔ یہاں شاید ان محذوفات کا مختصر ذکر کافی ہوگا۔ یہ ممکنہ ضمیمے کچھ یوں تھے۔

۱- لارڈ بٹلر کی اس تقریر کا ترجمہ جو انہوں نے ۲۲ جون ۱۹۷۸ء کے روز ٹرنٹی کالج کیمبرج میں، علامہ اقبال کی قیام گاہ (۱۷- پرتگال پلیس) پر منسوب انتسابی تختی کی رونمائی کے بعد منعقد ہونے والی تقریب میں فرمائی تھی- اس تقریر (معنونہ "اقبال کے تعلقات ٹرنٹی کالج کیمبرج اور لارڈ بٹلر کے خاندان کے ساتھ") کا متن میں نے ہاشمی صاحب کو بہم پہنچایا تھا- لیکن اس تقریر کے بعض مطالب موجودہ کتاب کے مضمون "علامہ اقبال اور کیمبرج یونیورسٹی" میں موجود ہیں-

۲- مذکورہ بالا تقریب کے کچھ دنوں بعد لارڈ بٹلر کے ساتھ میری خط و کتابت- میں نے ۲۶ جون ۱۹۷۸ء کو انہیں ایک خط لکھا تھا- جس میں میں نے اس تقریب کے انعقاد کے لئے اپنی اور تمام مداحین اقبال کی طرف سے ان کا شکریہ ادا کرنے کے بعد ان سے تین سوال پوچھے تھے- یعنی

(الف) کیا آپ کبھی بذات خود علامہ اقبال سے ملے تھے- یا ۱۹۳۸ء میں ان کی وفات سے پہلے آپ کو ان سے ذاتی واقفیت تھی؟

(ب) آپ برعظیم سے دائمی طور پر کب رخصت ہوئے- اور چونکہ آپ کے والد محترم ہندوستان میں ۱۹۳۰ء کے عشرے تک موجود تھے، تو کیا آپ نے اپنی نوجوانی کا کچھ حصہ وہاں گزارا تھا (واضح رہے کہ لارڈ بٹلر پنجاب میں بمقام اٹک ۱۹۰۲ء میں پیدا ہوئے تھے)- کیا آپ کبھی دوبارہ ہندوستان گئے تھے؟

(ج) دوران تقریر (اور اس کے بعد میرے ساتھ بات چیت میں) آپ نے علامہ اقبال کے ایک استاد پروفیسر W.R. Sorley (۱۸۵۵ء تا ۱۹۳۵ء- جن کا تذکرہ شیخ سر عبدالقادر نے بانگ درا کے دیباچے میں کیا ہے) کی طرف اپنے "Uncle" کے طور سے اشارہ کیا تھا- کیا ان سے آپ کا رشتہ والد کی جانب سے تھا، یا والدہ کی جانب سے؟

لارڈ بٹلر نے براہ کرم اس خط کا جواب، اپنی تمام تر دیگر مصروفیات کے باوجود، ۳۰ جون ۱۹۷۸ء کو دیا، جو ٹرنٹی کالج کے استاذ اعظم (Master) کی حیثیت سے ان کا آخری روز تھا- چونکہ یہ خط مختصر بھی ہے اور شاید عام دلچسپی کا حامل بھی ہو، اس لئے

اسے یہاں درج کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

The Master's Lodge

Trinity College

Cambridge, CB2 ITQ

۳۰ جون ۱۹۷۸ء

ڈیئر ڈاکٹر درانی

خط کے لئے شکریہ۔

آپ کے سوالات کے جواب یوں ہیں۔

(الف) میں اقبال سے ذاتی طور سے واقف نہ تھا۔

(ب) میں ہندوستان سے ۱۹۱۰ء میں رخصت ہو گیا۔

(ج) میں نے واقعی پروفیسر ڈبلیو۔ آر۔ سورلی کی طرف اشارہ کیا تھا۔ جو کنگز کالج کیمبرج میں Knightbridge Professor of Moral Philosophy تھے۔ وہ میری والدہ کی ہمشیرہ کے شوہر تھے (یعنی خالو)۔

مجھے امید ہے کہ یہ جوابات آپ کے لئے مفید مطلب (helpful) ہوں گے۔

اگلے ہفتے ہم یہاں سے نقل مکانی کر جائیں گے اور ہمارا پتا یوں ہو گا۔

Spencer's, Great Yeldham, Essex CO9. 4JG

آپ کا مخلص

بٹلر

بنام ڈاکٹر ایس۔ اے درانی۔

(اس کے بعد میں انھیں خط نہ لکھ سکا۔ موصوف کا انتقال مارچ ۱۹۸۲ء میں تقریباً اسی سال کی عمر میں ہو گیا)۔

۳- ڈان کراچی میں جناب ائین اسٹیفنز صاحب اور میری طرف سے لکھا ہوا خط' جس میں ہم نے کیمبرج یونیورسٹی میں "اسلامی تعلیمات کی مسند اقبال" (Iqbal Chair Of Islamic Studies) کے قیام کی تجویز حکومت پاکستان کو پیش کی تھی۔ (یہ خط ڈان بابت ۳- اکتوبر ۱۹۷۶ء میں شائع ہوا تھا)۔

۴- ڈان کراچی میں میرا خط (مطبوعہ ۳۱- اکتوبر ۱۹۷۶ء) جس میں میں نے میونک یونیورسٹی میں علامہ اقبال کے تھیسس کے مسودے کی تلاش کی تفصیل بیان کی تھی اور یہ اطلاع دی تھی کہ بقول چیف لائبریرین' میونک یونیورسٹی' یہ مسودہ چند سال قبل حکومت ہندوستان کو تحفتہ" دے دیا گیا تھا۔ (میں نے اس خط میں تجویز کی تھی کہ حکومت پاکستان کو چاہئے کہ بمطابق "از شاہان بہ شاہان رسد" وہ یہ قیمتی مسودہ حکومت ہند سے حاصل کرنے کی درخواست کرے۔ اس پر ڈان نے صفحہ اول پر یہ خبر بھی شائع کی)۔

۵- نوائے وقت لاہور (مورخہ ۲ نومبر ۱۹۷۶ء) کا اداریہ معنونہ "بھارت کے لئے اظہار خیر سگالی کا موقع"۔ جس میں میونک یونیورسٹی میں علامہ کے تھیسس کی تلاش اور میری مذکورہ بالا اطلاع کی تفصیل بیان کرنے کے بعد نوائے وقت نے تحریر کیا تھا کہ "بھارت کی ضرورت تو اس تاریخی مسودے کی عکسی نقل سے بھی پوری ہو سکتی ہے۔ لیکن اہل پاکستان کی علامہ اقبال" سے عقیدت کا حق اس طرح ادا ہو سکتا ہے کہ یہ تاریخی مسودہ (جو اپنی قدر و قیمت میں کوہ نور ہیرے سے بھی زیادہ بے بہا ہے) مفکر پاکستان کی آرزوؤں کی سرزمین پاکستان ہی کی کسی قومی لائبریری کی زینت بنے"۔ بعد ازاں جناب منیر احمد شیخ کی تحقیقات اور محترمہ انیماری شمل کے قیاس کی روشنی میں معلوم ہوا ہے کہ یہ نسخہ غالبا" مطبوعہ کتاب کی شکل میں تھا۔ اگرچہ حکومت ہند نے اس بارے میں مکمل خاموشی اختیار کر رکھی ہے۔ اور جب میں نے جناب جگن ناتھ آزاد صاحب اور جناب آل احمد سرور صاحب سے اس بارے میں استفسار کیا' تو دونوں اصحاب نے فرمایا کہ وہ اس معاملے کی تفصیلات سے بے خبر ہیں۔ اور انہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ اگر یہ مسودہ ہندوستان میں ہے تو کہاں ہے؟ یاد رہے کہ نوائے

وقت لاہور نے اسی موضوع پر ایک مزید اداریہ اپریل ۱۹۸۰ء میں بھی تحریر کیا تھا۔

۶۔ وزیر اعظم پاکستان' جناب ذوالفقار علی بھٹو' کے نام جناب ایَین اسٹیفنز صاحب کا اور میرا مشترکہ خط مورخہ ۲۹۔ اکتوبر ۱۹۷۶ء جس میں ہم نے ان سے کیمبرج یونیورسٹی میں مسند اقبال کے قیام میں ذاتی دلچسپی لینے کی استدعا کی تھی۔

۷۔ ٹرنٹی کالج کیمبرج کے لائبریرین جناب فلپ گیسکل کے نام میرا خط مورخہ ۱۴ فروری ۱۹۷۷ء۔ جس میں میں نے ان سے درخواست کی تھی کہ وہ ٹرنٹی کالج کے رجسٹر داخلہ سے اقبال کے اندراج کا عکس مجھے بھیجیں اور یہ بھی کہا تھا کہ اگر ٹرنٹی کالج میں اقبال کے زمانہ تعلیم کی کوئی اور اطلاعات یا معلومات کالج کے کاغذات میں موجود ہوں' تو وہ بھی مجھے ارسال فرمائیں۔ مثلاً ان کی تعلیم کے مختلف مدارج اور اس میں ان کی کامیابیاں۔ ان کے ٹیوٹر اور نگران تعلیم (Director of Studies) کا نام۔ کالج کی تاریخ (College Biographical History) میں اقبال کی طرف کوئی اشارے' وغیرہ۔ اور اس کے علاوہ میں نے گیسکل صاحب سے اس خط میں یہ بھی پوچھا تھا کہ آیا اقبال نے کیمبرج سے ایم۔ اے کی ڈگری بھی لی تھی یا نہیں' اور بی اے کے امتحان میں انہیں کون سا درجہ ملا تھا۔ آخر میں بالخصوص یہ استفسار کیا تھا کہ آیا یہ صحیح ہے کہ پہلی جنگ عظیم سے قبل کیمبرج یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری جاری نہ ہوا کرتی تھی۔۱۸۔ اور کیا یہی وجہ تھی کہ اقبال کو میونک جا کر (۱۹۰۷ء میں) پی ایچ ڈی کی ڈگری لینی پڑی' بجائے کیمبرج سے یہ ڈگری لینے کے؟

گیسکل صاحب نے ان سوالات کے جو معلومات افزا جوابات دئے وہ اس خط (مورخہ ۱۷ فروری ۱۹۷۷ء) میں ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں' جس کا عکس کتاب کے صفحہ ۴۷ کے بالمقابل درج ہے۔

۸۔ لنکنز ان (The Honourable Society of Lincoln's Inn) کے لائبریرین کے نام میرا خط مورخہ ۱۵ فروری ۱۹۷۷ء جس میں میں نے لکھا تھا کہ میونک یونیورسٹی اور کیمبرج یونیورسٹی سے عظیم شاعر و فلسفی' ڈاکٹر شیخ سر محمد اقبال کی دو مختلف تاریخ ہائے ولادت (بالترتیب ۹ نومبر ۱۸۷۷ء۔ اور محرم (= جنوری / فروری) ۱۸۷۶ء)

حاصل کرنے کے بعد میں اب ان سے رجوع ہو رہا ہوں کہ اگر لنکنز ان کے کاغذات میں شیخ محمد اقبال کی تاریخ ولادت کا اندراج موجود ہو (جن کا موسم گرما ۱۹۰۸ء کے لگ بھگ بار میں تقرر ہوا تھا (Called to the Bar)' تو وہ براہ کرم مجھے اس کی اطلاع دیں' تاکہ ازالہ شکوک ہو سکے۔ میں نے یہ بھی لکھا کہ حال ہی میں قائداعظم محمد علی جناح' بابائے پاکستان' کے صد سالہ جشن ولادت کے سلسلے میں (کہ انہوں نے بھی اسی ان Inn سے تعلیم پائی تھی)' لنکنزان نے جو رول ادا کیا تھا' وہ قابل فخر تھا۔ اور اب میں ان کے مشہور ادارے کے' پاکستان سے اس دوسرے تعلق کے بارے میں استفسار کرنا چاہتا ہوں۔ اس خط کا جواب لنکنز ان کے لائبریرین جناب R.Walker نے ۲۲ فروری ۱۹۷۷ء کو دیا' جس میں انہوں نے معمار پاکستان کی صد سالہ تقریبات میں اس ان Inn کی Contribution پر میرے اظہار مسرت پر امتنان ظاہر کرنے کے بعد لکھا کہ "میں اس خط کے ساتھ شیخ محمد اقبال کی بابت ان اندراجات کی عکسی نقل ملفوف کرتا ہوں' جو یہاں Admissions Register اور Bar Book میں موجود ہیں اور امید کرتا ہوں کہ یہ اطلاع شبہات میں مزید اضافے کا باعث ثابت نہ ہو گی"۔ میں نے واکر صاحب کو ۶ مارچ ۱۹۷۷ء کو شکریئے اور توضیح کا خط لکھا۔ یہ دستاویزیں موجودہ کتاب میں شامل ہیں۔

۹۔ روزنامہ جنگ (کراچی و لندن) میں شائع ہونے والے کالم "لاہور لاہور ہے" میں جناب احمد ندیم قاسمی کے مفصل تبصرے اور اطلاعات۔ بالخصوص ۲۸ اگست ۱۹۷۷ء' ۲۲ ستمبر ۱۹۷۷ء' اور ۲ نومبر ۱۹۷۷ء کی اشاعتوں میں ندیم صاحب نے اپنا پورا کالم علامہ اقبال کے میونک یونیورسٹی والے مقالے کے حکومت ہندوستان کو تحفتہ" دیئے جانے والے تنازعے' اور اس سے متعلقہ مسائل کے لئے وقف کر دیا تھا۔ سب سے پہلے ۲۸ اگست ۱۹۷۷ء کے کالم میں انہوں نے میری "ڈان" اور "جنگ" میں چھپی ہوئی اطلاعات سے اپنے قارئین کو بالتفصیل آگاہ کیا' اور جناب حسین شاہد کا وہ خط بھی شائع کیا جس میں انہوں نے تجویز کی تھی کہ قوم کو علامہ اقبال کی ہائیڈل برگ والی قیام گاہ خرید لینی چاہیے۔ پھر ۲۲ ستمبر ۱۹۷۷ء کا پورا کالم انہوں نے سفارت خانہ

پاکستان در المانیہ کے پریس اتاشی اور معروف ادیب اردو' جناب منیر احمد شیخ نے اس کی مزید تفتیشات کی نذر کیا۔ شیخ صاحب نے بتایا کہ جو نسخہ حکومت ہند کو دیا گیا' وہ دراصل طبع شدہ کتاب کا پہلا نسخہ ("فرسٹ پرنٹ") تھا' اور یہ کہ اس دوران میں جرمنی کی Münster یونیورسٹی میں اس کی ایک اور کاپی دریافت ہو گئی ہے۔ انہوں نے حسین شاہد کی اس تجویز سے بھی اتفاق نہ کیا کہ ہائیڈل برگ والا وہ مکان خریدا جائے' جس میں علامہ اقبال ایک بڑے مختصر عرصے کے لئے قیام پذیر رہے تھے۔ اس کے بجائے انہوں نے میری اس تجویز سے اتفاق کیا کہ اقبال پروفیسر شپ یا فیلو شپ کا قیام زیادہ ضروری ہے۔ "لاہور لاہور ہے" کا آخری کالم جس میں اس مسئلے پر باز پسیں اظہار خیال ہوا' وہ جنگ لندن میں ۲ نومبر ۱۹۷۷ء کو شائع ہوا (اور پاکستان میں شاید اس سے چند روز قبل؟)۔ سہ چھ کالموں پر پھیلے ہوئے اس خط پر مشتمل تھا' جو میں نے قاسمی صاحب کو لکھا تھا۔ اس میں میں نے منیر احمد شیخ صاحب کا شکریہ ادا کیا تھا' کہ انہوں نے فرض شناسی کا ثبوت دیتے ہوئے اس بارے میں جرمنی میں مزید تحقیقات کی تھیں' اور یہ بھی کہا کہ میرے "ڈان" میں خط شائع کرنے کا مقصد ہی یہی تھا کہ اس مسئلے کا حکومتی سطح پر جائزہ لیا جائے۔ میں نے لکھا کہ اس دوران میں خود مجھے بھی برمنگھم یونیورسٹی میں اس مقالے کا ایک طبع شدہ نسخہ دستیاب ہو گیا تھا۔ آخر میں میں نے اس خط میں کیمبرج میں اقبال چیئر کے قیام کی اہمیت پر بھی زور دیا' اور اس ضمن میں کہا کہ جشن ولادت اقبال کے سال کے دوران اس مسند کو قائم ہو جانا چاہئے۔ یہ نہ ہو کہ "سال اقبال گزر جائے اور ہم محو خواب ہو جائیں' اور ۶۱ سال بعد اس وقت آنکھ کھلے جب حکیم الامت کی وفات کی صد سالہ برسی آ پہنچی ہو"۔ (مجھے خوشی ہے کہ اس تحریک کے نتیجے میں ۱۹۷۹ء میں ہائیڈل برگ یونیورسٹی میں' اور ۱۹۸۱ء میں کیمبرج یونیورسٹی میں Iqbal Fellowships قائم ہو گئیں۔ اور ستمبر ۱۹۷۹ء میں ہائیڈل برگ کے نخستیں فیلو کی حیثیت سے ڈاکٹر محمد اجمل صاحب' اور ستمبر ۱۹۸۲ء میں کیمبرج یونیورسٹی کے نخستیں اقبال فیلو کی حیثیت سے ڈاکٹر محمد معز الدین صاحب' متعین ہو کر پہنچ چکے تھے۔ اگرچہ یہ بات باعث تاسف ہے کہ یہ دائمی مسندیں

(Perpetual Professorships) نہیں ہیں، اور نہ یہ بلا پابندی قوم و مذہب ہر ملک کے اقبالی دانشوروں کے لئے کھلی ہیں، جیسا کہ میں نے اور ائین اسٹیفنز صاحب نے تجویز کیا تھا۔

۱۰۔ حکومت پاکستان کے وفاقی سیکرٹری تعلیم، جناب ڈاکٹر محمد اجمل صاحب، کے نام میرا مفصل خط (مورخہ ۳۱۔ اگست ۱۹۷۷ء)۔ جس میں میں نے لکھا تھا کہ گزشتہ ماہ اسلام آباد میں ان کے دفتر میں ان کے ساتھ اس سلسلے میں ملاقات کے نتیجے میں میں کیمبرج یونیورسٹی کے رجسٹرار جناب R. E. Macpherson صاحب سے چند روز قبل ملا تھا (جب میں کیمبرج میں ایک شمابیاتی کانفرنس میں شمول کے لئے گیا تھا)۔ میں نے لکھا کہ میکفرسن صاحب نے بتایا کہ کیمبرج یونیورسٹی ایک مسند اقبال قائم کرنے کے لئے پوری طرح تیار ہے۔ اور اگر حکومت پاکستان اس بارے میں تحریک کرے اور ضروری رقم مہیا کرے تو یہ مسند قائم ہو سکتی ہے۔ اس کا کل خرچ تین لاکھ پاؤنڈ ہو گا (قریب ساٹھ لاکھ روپے۔ جو ایک ملک کی حکومت کے لئے کوئی بڑی رقم نہیں۔ تین وزیروں کی کوٹھیوں پر یہ رقم صرف ہو جاتی ہے!) اگر حکومت پاکستان یہ سرمایہ ایک مرتبہ لگا دے تو تا دوام (Perpetually) یہ مسند Chair قائم ہو سکتی ہے اور پھر کئی صدیوں تک اس پروفیسر شپ، اور اس سے متعلقہ شعبے، کے اخراجات اس سے پورے ہوتے رہیں گے۔ کیمبرج یونیورسٹی کے رجسٹرار صاحب نے اس بارے میں سفارت خانہ پاکستان در لندن کو بھی ایک سرکاری خط لکھ دیا ہے۔ اب سارا معاملہ حکومت پاکستان کے اختیار میں ہے۔

۱۱۔ اس سلسلے کی آخری کڑی، ڈان، کراچی (بابت ۶۔ اکتوبر ۱۹۷۷ء) میں شائع ہونے والا میرا وہ خط تھا، جس میں میں نے کیمبرج یونیورسٹی میں اقبال چیئر کے قیام پر دوبارہ زور دیا تھا اور اس کے مالی مضمرات (Implications) کی وضاحت کی تھی۔ میں نے لکھا کہ مجھے یقین ہے کہ قوم، نظریہ پاکستان کے خالق حکیم الامت علامہ اقبال کی خاطر یہ معمولی خرچ (ساٹھ لاکھ روپے) برداشت کرنے میں ہرگز تامل نہ کرے گی، اور اگر حکومت خود ایسا نہیں کر سکتی تو سب پاکستانی اور دیگر مداحین اقبال، اس مقصد کے

لئے عطیات دینے کو بصد ذوق و شوق تیار ہوں گے۔ اب اگرچہ کیمبرج یونیورسٹی میں Iqbal Visiting Fellowship قائم ہو چکی ہے، تاہم میں اس کتاب کے دیباچے کے ذریعے پھر سب شائقین اقبال اور حکومت پاکستان، بلکہ اُن اور تمام حکومتوں سے جو حکیم مشرق کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتی ہیں، اپیل کرتا ہوں کہ اس کار خیر میں بڑھ چڑھ کر اور فی الفور حصہ لیں۔۲۰۔

۱۲۔ اس کتاب کا آخری ضمیمہ اس خط و کتابت پر مشتمل ہوتا جو میں نے وسط ۱۹۸۲ء سے بہار ۱۹۸۳ء تک کیمبرج یونیورسٹی لائبریری سے علامہ اقبال کے مقالے "فلسفہ عجم" ("ایران میں علم مابعد الطبیعیات کا ارتقاء") کے مسودے کے حاصل کرنے کے لئے کی۔ اس کی کچھ تفصیلات اس کتاب کے متعلقہ مضمون میں موجود ہیں (ص ۲۳۱ تا ۲۷۲)۔ مزید بہت سی تفصیلات کو غیر اہم سمجھ کر کتاب کے دوسرے ایڈیشن کے دیباچے میں حذف کیا جا رہا ہے۔ (درانی ۹۔ اگست ۱۹۹۵ء)

بطور تتمہ صرف اتنا ذکر کرتا چلوں کہ ۲۴ جنوری ۱۹۸۳ء کو جناب ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب نے مجھے ایک مفصل خط تحریر کیا۔ اس میں انہوں نے مجھے اس دریافت پر مبارک باد دیتے ہوئے کہا کہ اگرچہ ان کے خیال میں ان کی اجازت کی ضرورت نہیں تھی، تاہم اگر کیمبرج یونیورسٹی والے اصرار کرتے ہیں تو وہ بڑی خوشی کے ساتھ اور فی الفور مجھے اجازت دیتے ہیں کہ اس کے دو نسخے حاصل کر لوں۔ ایک اپنے لئے اور ایک اقبال میوزیم کے لئے (جو میں خواہ براہ راست یا خواہ ان کے توسط سے وہاں داخل کر سکتا ہوں)۔ اسی خط میں انہوں نے مجھ سے یہ بھی دریافت کیا کہ "آپ اپنے خط میں کہتے ہیں کہ علامہ اقبال کو اس مقالے پر کیمبرج سے بی۔ اے کی ڈگری ملی تھی، لیکن کیا آپ کو ایسا کوئی مثبت ثبوت ملا ہے کہ کیمبرج یونیورسٹی نے جون ۱۹۰۷ء میں علامہ اقبال کو واقعی بی۔ اے کی ڈگری عطا کی تھی؟"

اس مقالے پر کیمبرج یونیورسٹی کی طرف سے اقبال کو بی اے کی ڈگری کے اجراء کی منظوری (مورخہ ۷ مارچ ۱۹۰۷ء) کے ٹھیک ۷۶ برس بعد، یعنی ۷ مارچ ۱۹۸۳ء کو، میں نے جناب ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب کو شکریے کا خط لکھا، اور بتایا کہ میں اس

دوران مسودے کی نقل کے انتظار میں تھا۔ میں نے انہیں ڈاکٹر گیسکل صاحب کے اس خط کی نقل بھی ارسال کی، جس کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ (عکس روبرو: ص ۴۷) اور جس سے یہ بدیہی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ علامہ کو اسی مقالے کی بنا پر ۱۳ جون ۱۹۰۷ء کے روز بی۔ اے کی ڈگری عطا ہو گئی تھی۔

(پس تحریر: لیکن اس خط میں تھیس کی منظوری کی بات صحیح نہیں ہے۔ ۷ مارچ ۱۹۰۷ء کے روز صرف تھیس کے ممتحن مقرر ہوئے تھے۔ دیکھئے میری نئی کتاب "نوادر اقبال یورپ میں"۔ درانی۔ برمنگھم، ۷ فروری ۱۹۹۶ء)

اسی سے اگلے روز (۸ مارچ ۱۹۸۳ء کو) مجھے اس مسودے کی مکمل نقل کیمبرج یونیورسٹی لائبریری سے موصول ہو گئی۔

پھر، حسب وعدہ، لاہور میں منعقد ہونے والی دوسری عالمی اقبال کانگریس (۹ تا ۱۱ نومبر ۱۹۸۳ء) کے موقعے پر میں نے اس مسودے کی ایک پوری عکسی نقل جناب جاوید اقبال کو اس استدعا کے ساتھ پیش کر دی کہ وہ (اس پر ایک خوش نما جلد چڑھا کر) اسے اقبال میوزیم لاہور میں رکھوا دیں۔ امید واثق ہے کہ یہ اب تک وہاں رکھوا دی گئی ہو گی۔۲۱۔ لیکن اس کے باوجود اس نسخے تک عوام کی رسائی ناممکن، اور (بالخصوص دور افتادہ) دانشوران اقبال کی رسائی مشکل، ثابت ہو گی۔ چنانچہ (جیسا کہ اس کتاب کے متن میں کہا گیا) میں اقبال اکادمی پاکستان سے پر زور درخواست کرتا ہوں کہ وہ، کیمبرج یونیورسٹی اور جناب ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب کی اجازت کے ساتھ، اس اہم مسودے کو کتابی صورت میں شائع کرے اور چونکہ یہ حضرت علامہ کا ٹائپ شدہ، اور دستی تصحیحات کا حامل، ایک نادر نسخہ ہے (اور ایسی تحریریں اب نسبتہً کم باقی ہیں)، اس لئے احسن یہی ہو گا کہ اس مسودے کو فوٹو آفسٹ کے ذریعے ایک Facsimile کے طور سے شائع کیا جائے، جس سے اس کتاب کی قدر و قیمت دہ چند ہو جائے گی۔ ہاں قارئین کا اشتیاق مطمئن (یا افزوں؟) کرنے کی خاطر میں نے اس "مسودۂ کیمبرج" کے چند منتخب صفحات کا عکس (یعنی ص ۲۱ تا ۲۶ اور ۴۱ تا ۵۴، جو یا تو طبع شدہ کتاب میں بالکل حذف کر دیئے گئے، یا جن کی بڑے پیمانے پر تشکیل نو اور

کانٹ چھانٹ کی گئی تھی)، ایک تعارفی نوٹ کے ساتھ زیر نظر کتاب میں ضمیمہ نمبر ۷ کے طور سے شامل کر دیا ہے۔

بطور حرف آخر میں صرف یہ کہنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ اس کتاب کے مضامین کی تحریر کی واحد وجہ وہ عقیدت اور محبت ہے جو مجھے علامہ اقبال کی شخصیت اور ان کے کلام و پیام کے ساتھ ہے۔ یہ تعلق خاطر بچپن کے زمانے ہی میں پیدا ہو گیا تھا۔ پھر گورنمنٹ کالج لاہور کے زمانہ طالب علمی میں میں کالج کی مجلس اقبال کا سیکرٹری بھی رہا۔ جب کیمبرج پہنچا تو وہاں بھی کبھی کبھی یونیورسٹی لائبریری میں علامہ کی کتابیں دیکھا کرتا تھا، جہاں کہیں کہیں ان کے دست خاص سے لکھے ہوئے الفاظ بھی نظر سے گزرتے تھے۔ اور جو تین چار سال میں وہاں رہا تو پاکستانی طلبہ کی ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے یوم ہائے اقبال میں بھی حصہ لیتا رہا، بلکہ ایک دو کا اہتمام بھی میں نے خود ہی کیا (جن میں پروفیسر آربری ہمیشہ شرکت فرمایا کرتے تھے)۔ لیکن اس تمام عرصے میں علامہ پر کوئی مستقل کام میں نے نہیں کیا اور اس کتاب میں مجتمع مضامین سے پہلے صرف ایک مضمون میں نے اس میدان میں لکھا تھا: اور وہ بہت دنوں پہلے مولانا حامد علی خان ۲۲ے کے زیر ادارت شائع ہونے والے ماہنامے "الحمرا" کے اقبال نمبر (مطبوعہ ۱۹۵۰ء یا ۱۹۵۱ء) میں میرا ایک مضمون تھا، معنونہ "علامہ اقبال کی اپنے کلام پر اصلاحات"۔

تا دیر منقار زیر پر رہنے کے بعد "گلستان اقبال" میں دوبارہ نوا سنجی کا آغاز اس وقت ہوا جب میں نے یہاں برمنگھم کی انجمن ترقی اردو کی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کیا اور جیسا کہ اس دیباچے کے شروع میں تحریر ہوا، علامہ کے استاد محترم سر طامس آرنلڈ کے نواسے ڈاکٹر بارفیلڈ صاحب سے میرا تعارف ہوا اور اس کے بعد ۱۹۷۶ء میں صد سالہ تقریبات اقبال کی گہما گہمیوں کا سورج طلوع ہوا۔

ان گہما گہمیوں کی تحریک سے جو مضامین تحریر ہوئے، وہ یہاں مجتمع ہیں۔ یہ حقیر نذرانے جو میں آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں، انہیں ایسا ہی خیال کرنا چاہئے، جیسا نیوٹن نے کہا تھا کہ: "میں یوں محسوس کرتا ہوں، گویا میں ایک ننھا سا بچہ

ہوں' جو سمندر کے کنارے کھیل رہا ہے۔ اور جب کوئی غیر معمولی طور سے خوبصورت گھونگا یا ہموار سنگریزہ مجھے نظر آتا ہے تو اس سے دل بہلانے لگتا ہوں۔ جب کہ میرے سامنے ازلی صداقتوں کا ایک بحرِ زخار ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔ جو ابھی تک غیر منکشف ہے"۔

تو صاحبان! یہ چند سنگریزے پیش خدمت ہیں۔ یا بقول اقبال یوں کہئے کہ "میری تمام سر گذشت' کھوئے ہوؤں کی جستجو"۔ یہ ہیں صدف اقبال کے چند کھوئے ہوئے موتی' جو اتفاق سے اس بحر کی تہ سے اچھل کر باہر آ گئے ہیں۔

یہ سخت نا انصافی ہو گی اگر میں اتنا طویل دیباچہ لکھوں اور ان اصحاب کا شکریہ ادا نہ کروں' جنہوں نے اس کتاب کی تیاری میں کسی نہ کسی طرح میری مدد کی۔

(الف) سب سے پہلے میں اپنے دو سرگرم رفقائے کار اور دوستوں کے نام سرفہرست تشکر درج کرنا چاہتا ہوں جو افسوس ہے کہ ان سطروں کی تحریر سے چند ماہ قبل (مارچ ۱۹۸۴ء کے آخری ہفتے میں) یکے بعد دیگرے ہمیں داغ مفارقت دے گئے۔ یعنی جناب یحییٰ سید صاحب (رحلت' ۲۲ مارچ ۱۹۸۴ء) اور جناب ائمین اسٹیفنز صاحب (رحلت' ۲۸ مارچ ۱۹۸۴ء)۔ یہ دونو نامور صحافی رہ چکے ہیں' اور آخر الذکر ایک مستند تاریخ نگار' اور پاکستان (و ہندوستان) سے متعلق کئی کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ ان دونو نے اقبال صدی کی ہماہمیوں میں (بالخصوص ۱۹۷۶ء سے ۱۹۷۸ء تک) حصہ لینے اور کام کرنے میں میری بے حد مدد کی' جس کا اندازہ اس کتاب کے کئی ابواب سے قارئین کرام کو ہو سکے گا۔ ان دونو اصحاب کو میری کتاب کی تیاریوں کا علم تھا اور وہ اس کو طبع شدہ حالت میں دیکھنے کے مشتاق تھے' لیکن افسوس کہ قدرت کو یہ منظور نہ تھا۔

ع آہ یہ دنیا' یہ ماتم خانہ برنا و پیر!

اب اس کتاب سے ان کے تعلق کو زندہ رکھنے کے لئے میں اپنے ان شفیق دوستوں کے ایک دو مضمون بطور ضمیمہ شامل کتاب کرتا ہوں۔ (ان کی تصاویر بھی

متعلقہ ضمیموں، یعنی نمبر ۳ و ۴ کے مقابل ملاحظہ فرمائیے)۔

(ب) کتاب کے بعض اہم حصے معرض وجود میں نہ آ سکتے اگر میرے دوست جناب ڈاکٹر لارنس بار فیلڈ صاحب اور جناب محمد امان ہوبوہم صاحب، حکیم الامت سے متعلق بہت سا مطبوعہ اور غیر مطبوعہ قیمتی مواد، جو ان کے تصرف میں تھا، مجھے عطا نہ فرماتے۔ کتاب کے متعلقہ حصوں میں ان دونو کرم فرماؤں کے فیوض کا مفصل ذکر ہے، لیکن میں یہاں پھر بالخصوص ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

(ج) جناب سید نذیر نیازی مرحوم، جناب احمد ندیم قاسمی اور جناب صہبا لکھنوی*۔ ان تینوں اصحاب نے مختلف طریقوں سے اس کتاب کی تحریر و تدوین میں میری مدد کی۔ جناب نذیر نیازی مرحوم سے میری پہلی ملاقات ۱۹۷۷ء میں قاسمی صاحب کے دفتر میں ہوئی۔ اس کے بعد میں جب بھی ان سے ملا، انہوں نے تحقیقات اقبال میں ہمیشہ میری ہمت بڑھائی اور انگلستان میں علامہ کے قیام سے متعلق جو چند معلومات میں نے جمع کی تھیں، وہ انہوں نے اپنی اہم (مگر افسوس کہ نا مکمل) سوانح حیات اقبال (معنونہ "دانائے راز") میں شامل کر کے میری قدر افزائی کی۔ جناب احمد ندیم قاسمی صاحب اور جناب صہبا لکھنوی، مدیر "افکار" کراچی، کی کرم فرمائیوں کا اوپر ذکر آ چکا ہے اور میں یہاں دوبارہ ان دونو اصحاب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

(د) موجودہ کتاب میں مس ایما ویگے ناسٹ کی جو تصویر شامل ہے، اس کی دستیابی کی تفصیل اس دیباچے میں اوپر آ چکی ہے۔ اس کے لئے میں محترمہ Professor Hella Kirchhoff اور محترمہ Frau Edith Schmidt- Wegenast کا ممنون احسان ہوں۔ اس سلسلے میں میں محترمہ کرش ہوف کا بالخصوص شکر گزار ہوں کہ انہوں نے نہ صرف اپنی پھوپی، مس ایما ویگے ناسٹ، کے بارے میں بڑی قیمتی معلومات بہم پہنچائیں، بلکہ ان کے نام اقبال کے غیر مطبوعہ خطوط کے اصل جرمن اور انگریزی متون کے شائع کرنے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔

(پس تحریر: اور اب کہ جناب محمد امان ہوبوہم نے علامہ کے دستی خطوط کی فوٹو کاپیاں

---

* افسوس کہ آخر مارچ ۲۰۰۲ء میں موصوف کا انتقال ہو گیا۔

مجھے عطا کر دی ہیں' ان کے عکوس بھی ان کی اجازت سے ضمیمہ نمبر ۶ میں شامل کئے جا رہے ہیں۔ چنانچہ میں یہاں دوبارہ ہوبوہم صاحب کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں۔ (ورانی' برمنگھم۔ ۳۰ نومبر ۱۹۹۵ء))

(ھ) اقبال اکادمی پاکستان کے متراوف ناظمین (Successive Directors) یعنی جناب ڈاکٹر محمد معز الدین' جناب ڈاکٹر وحید قریشی' اور پروفیسر محمد منور صاحب۔ ان میں سے اول الذکر' یعنی ڈاکٹر معز الدین صاحب' نے اقبال اکادمی پاکستان کی طرف سے اس کتاب کے شائع کرنے کا فیصلہ کیا' اور اس کی طباعت کے سب انتظامی امور کا اہتمام کیا۔ اس کے بعد جب وہ کیمبرج یونیورسٹی میں نخستیں اقبال فیلو کی حیثیت سے موسم گرما ۱۹۸۲ء میں تشریف لے آئے تو پھر ڈاکٹر وحید قریشی صاحب نے اس کتاب کی جلد از جلد اشاعت پر زور دیا۔ مگر پھر جب وہ بھی "مقتدرہ قومی زبان" کے صدر نشیں بن کر تشریف لے گئے تو اصل اشاعت کی ذمہ داری پروفیسر محمد منور صاحب کے شانوں پر آ پڑی۔ ان سے دراصل مجھ کو "آہستہ خرام' بلکہ مخرام" کی التجا کرنی پڑی۔ کیونکہ پروفیسر وحید قریشی صاحب اشاعت کی تعویق کے پیش نظر چاہتے تھے کہ جو بھی مواد اکادمی کو میری طرف سے موصول ہو چکا تھا۔ اسی کے اشتمال سے کتاب فوراً چھپ جانی چاہئے۔ جبکہ ابھی میرے "فلسفہ عجم" اور مس ویگے ناسٹ کے نام اقبال کے خطوط والے مضامین پایہ تکمیل تک نہ پہنچے تھے' اور نہ وہ ہسپانیہ والا مضمون تحریر ہوا تھا۔ بہت سے ضمیموں کا مواد بھی ابھی پراگندہ پڑا تھا۔

اپریل ۱۹۸۳ء میں اکادمی کے جواں سال (اور چنانچہ جواں ہمت و ناصبور!) نائب ناظم' جناب محمد سہیل عمر کا تقرر ہوا تو پھر ان کی طرف سے میرے سمند شوق کو (جو میری ایک سائنسی تحقیق کی کتاب کی اشاعت کے بکھیڑوں میں رکا کھڑا تھا) پے در پے کئی تازیانے رسید ہوئے۔ چنانچہ کتاب کا باقی ماندہ مواد (بالخصوص ضمیمے اور بہرۂ تصاویر و عکوس) مجتمع ہوا' اور یہ دیباچہ معرض تحریر میں آیا۔

کتاب کی تدوین کے تمام عرصے میں میں اکادمی کے نگران طباعت جناب فرخ

دانیال کی کرم فرمائی کا بھی بالخصوص ممنون ہوں کہ انہوں نے طباعت کے مختلف مرحلوں پر ہمیشہ میرے تقاضوں اور فرمائشوں کا بڑی گرم دلی سے خیال رکھا' اور جہاں تک ہو سکا میری تصحیحات اور اضافوں کو جاگزیں کیا۔

(و) آخر میں' اور شاید سب سے بڑھ کر' میں جناب ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کا سپاس گذار ہوں کہ نہ صرف اس کتاب کی تدوین و ترتیب کا اولین مشورہ انہی نے دیا تھا۔ بلکہ ۱۹۸۱ء کے بعد تقریباً" ہر خط' اور میرے پاکستان کے دوروں کے دوران ہر ملاقات' میں انہوں نے مجھ پر زور دیا کہ میں کتاب کے باقی ماندہ حصوں کو جلد از جلد مکمل کر دوں۔ میں نے انہیں اپنے مسودوں کی کانٹ چھانٹ اور ترتیب و تہذیب کی مختلف ادارتی ذمہ داریاں تفویض کر رکھی تھیں' اور یہ انہوں نے مہارت اور جانفشانی کے ساتھ سرانجام دی ہیں۔ اس کے لئے میں ان کا شکر گزار ہوں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف تحقیقات اقبال کے نامور مرد میدان ہیں' اور اس نوجوان عمر میں علامہ اقبال پر سات آٹھ کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان الفاظ کے ساتھ میں یہ کتاب بہ کمال امتنان و انبساط ان کے نام منسوب کرتا ہوں۔ ۲۳

ان الفاظ کے بعد' میں اس کتاب کے وہ چند برگ ہائے سبز' جو فقط ایک تحفہ درویش ہیں' آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں ---- اس اعتذار کے ساتھ کہ اقبال کے جس جادوئی باغ میں میں پچھلے چند سال سے محو گلگشت تھا:

"دریغ آمدم زاں ہمہ بوستاں	تہی دست رفتن سوئے دوستاں"

یا یوں سمجھئے کہ یہ کتاب ایک کاسہ ہے صہبائے خام کا' جو انگورستان اقبال سے کشید کی گئی ہے' لیکن

گمان مبر کہ بہ پایاں رسید کار مغاں
ہزار بادۂ ناخوردہ در رگ تاک است!

بندہ فانی
سعید اختر درانی

برمنگھم یونیورسٹی
۸ جولائی ۱۹۸۴ء
(بہ نظر ثانی
۴- اپریل ۱۹۸۵ء)
نظر ثالث: فرائی برگ'
جرمنی- ۱۰- اگست ۱۹۹۵ء)

پس تحریر:

میں جسٹس جناب ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب کا از حد ممنون ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کے بارے میں چند تعارفی سطور لکھنے کی ہامی بھری ہے- ۲۴ء جب شروع میں اقبال اکادمی پاکستان کے ڈائریکٹر جناب ڈاکٹر محمد معزالدین صاحب کی خدمت میں میں نے یہ مجموعہ مضامین پیش کیا تھا تو جناب ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب ہی نے ان کی کتابی شکل میں اشاعت کی اجازت مرحمت کی تھی' جو ان دنوں شاید اکادمی کے نائب صدر تھے- اس کے بعد' میری درخواست پر' انہوں نے ۱۹۸۰ء میں بہ کمال تلطف پروفیسر رائین ہارڈ برانٹ کو "فلسفہ عجم" کے نسخہ مار برگ کی ایک سو کاپیاں نکلوانے کی اجازت عطا کی- اور پھر بالآخر جب ۱۹۸۲ء میں میں نے کیمبرج یونیورسٹی لائبریری میں "فلسفہ عجم" والے تحقیقی مقالے کا اولیں مسودہ دریافت کیا' تو جیسا کہ اوپر ذکر آیا' اس کی نقل انہی کی اجازت خاص سے مجھے حاصل ہو سکی- چنانچہ اب اس کتاب کی "تقریظ" لکھ کر انہوں نے مجھ پر ایک مزید لطف خاص فرمایا ہے' جس کے لئے میں ان کا بے حد ممنون احسان ہوں- یوں یہ تقریظ اس کتاب' اور کتاب کے موضوع یعنی ان کے والد ماجد حضرت علامہ اقبالؒ کے درمیان گویا ایک زندہ کڑی ہے اور بہت وقیع اور موزوں ہے- ونیز میری اس ناچیز کتاب کے لئے باعث افتخار

افزائی ہے۔

ہاں، اس کتاب کا دیباچہ دوبارہ پڑھنے پر مجھے اس امر کا احساس ہوا ہے کہ ایک بات کا اس میں میں نے کہیں ذکر نہیں کیا، جو کہ کرنا چاہئے تھا۔ اور وہ یہ کہ یہ کتاب کیا چیز نہیں ہے۔ اس کتاب کا نام ہے "اقبال یورپ میں"۔ چنانچہ ہو سکتا ہے کہ بعض قارئین بادی النظر میں یہ خیال کریں کہ اس کتاب میں علامہ اقبال کے، یورپی فکر و نظر کے ساتھ تعلقات کا احاطہ کیا گیا ہوگا۔ یا اس میں اس بات کا جائزہ لیا جائے گا کہ فکر اقبال کے ساتھ یورپی دانشوروں کو کہاں تک آگاہی ہے، اور مغرب میں ان کے فکر و شعر کا کیا غلغلہ ہے۔ یا مغرب میں ان کی زندگی اور فلسفے پر کیا کام ہو رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب موضوعات بہت اہم ہیں، اور ان پر کئی جلدیں مرتب ہو سکتی ہیں یا ہونی چاہئیں۔ لیکن اس کتاب میں اس کام کا بیڑا نہیں اٹھایا گیا۔ اور نہ اس کتاب کا نام "اقبال اور یورپ" ہے (جو مذکورہ بالا موضوعات کے لئے زیادہ موزوں ہوتا)۔ زیر نظر کتاب کا موضوع ان افکار و اذکار کی نسبت بہت محدود تر ہے، اور یہ ہے اقبال کی شخصی زندگی کے وہ چند تعلقات جو یورپ کے ساتھ انہیں اپنے زمانہ تعلیم اور ۱۹۳۱ء تا ۱۹۳۳ء کے دوروں کے دوران اور درمیان لاحق رہے، اور بالخصوص وہ روابط جو میرے ذاتی حیطہ علم میں آ سکے ہیں۔ چنانچہ امید ہے کہ قارئین اس کتاب میں ان تمام پہلوؤں اور جہتوں کے فقدان سے مایوس نہ ہوں گے، جن کی انہیں شاید توقع ہو سکتی تھی۔

آخر میں ایک ذاتی معروض کی اجازت چاہتا ہوں، جس سے مجھے یارائے دریغ نہیں۔ اور وہ یہ کہ مجھے اس بات کی حسرت ہی رہی کہ میں یہ کتاب اپنے والد محترم کی حین حیات میں ان کی خدمت میں پیش کر سکوں۔ اس کتاب کی اشاعت سے چند ماہ قبل، بروز ۱۲ دسمبر ۱۹۸۴ء چھیاسی برس کی عمر میں ان کا انتقال ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اگرچہ میرے والد گرامی جناب عنایت اللہ خان درانی پیشے کے لحاظ سے جج تھے، اور ایم اے انہوں نے گورنمنٹ کالج لاہور سے اقتصادیات میں کیا تھا، تاہم اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ فارسی کے متبحر عالم تھے (اور عربی میں انہوں نے علامہ اقبال ہی

کی طرح گولڈ میڈل بھی حاصل کیا تھا)، اور اس ناچیز کو فارسی زبان کی تعلیم انھی نے دی تھی، اور یوں مجھے جادۂ علم و ادب پر گام زن کیا تھا۔ انھیں علامہ اقبال سے بہت عقیدت تھی، اور چند مرتبہ لاہور میں انھیں حضرت علامہ سے شرف ملاقات بھی رہا تھا۔ بلکہ ایک مرتبہ علامہ اقبال ان کا انٹرویو کرنے والے انٹرویو پینل (Interview Panel) میں بھی شامل تھے (جب گورنمنٹ کالج لاہور سے کیمبرج یونیورسٹی بھیجے جانے والے امیدوار کا انتخاب کیا جا رہا تھا)۔ مجھے یقین ہے کہ ہر باپ کی طرح وہ میری کتاب پڑھ کر بہت خوش ہوتے۔ لیکن قسمت کو یہ منظور نہ تھا۔

ع   اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

راقم آثم   برمنگھم یونیورسٹی

سعید اختر درانی   ۱۹ مئی ۱۹۸۵ء

حواشی

۱ ۔ یعنی جون ۱۹۸۳ء میں۔

۲ ۔ اس دوران میں یہ خط "اقبال ریویو" بابت جولائی ۱۹۸۴ء (جلد ۲۵۔ شمارہ ۲۔ ص ۱۱۱-۱۱۶) میں شائع ہو چکا ہے۔ (درانی، ۲۹ مارچ ۱۹۸۵ء)

پس تحریر: حالیہ دورۂ پاکستان کے دوران اسلام آباد میں پروفیسر صاحب موصوف کے ساتھ (جو اب یونیورسٹی کے عہدے سے سبک دوش ہو چکے ہیں اور وزارت ثقافت کے "قائداعظم پروجیکٹ" میں مدیر اعلیٰ ہیں)، جب میری بات ہوئی تو انھوں نے اس امر کی تصدیق کی کہ یہ خط، اور ڈاکٹر بارفیلڈ کے چند اور عاریتہً دیے ہوئے کاغذات، تا حال، پچھلے تقریباً تیس سال سے، انھی کی تحویل میں ہیں۔ مگر ان کا ارادہ ہے کہ وہ بالآخر یہ سب چیزیں ڈاکٹر بارفیلڈ کو لوٹا دیں گے۔ (درانی، لاہور۔ ۱۱ جنوری ۱۹۹۶ء)۔

پس تحریر مکرر: جب چند روز ہوئے اقبال اکادمی پاکستان کی لائبریری (واقع "ایوانِ اقبال" لاہور) سے میں نے اقبال ریویو کا مذکورہ بالا شمارہ نکلوا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ڈاکٹر شاہین صاحب نے دراصل علامہ کے خط کا صرف Transcript شائع کیا ہے۔ اور سید مظفر حسین برنی صاحب نے آج مجھے دہلی میں بتایا ہے کہ ان کی

"کلیات مکاتیب اقبال" (مطبوعہ 'اردو اکادمی' دہلی' جلد اول- ۱۹۸۹ء) میں بھی صرف میرا (یعنی راقم الحروف کا کیا ہوا) ترجمہ شائع ہوا ہے' اصل خط کا عکس شامل نہیں ہے- چنانچہ اب میں اس خط کی اصل کا عکس پروفیسر وحید احمد سے حاصل کرنے کی کوشش کروں گا- (درانی- دوران پرواز' از دہلی تا لندن- ۱۹ جنوری ۱۹۹۶ء)

پس تحریر سہ کرر : بالآخر' بڑی کوشش کے بعد علامہ کے دست نوشت خط کا عکس پروفیسر وحید احمد صاحب سے آج ہی موصول ہو گیا ہے اور اسے ان کے شکریے کے ساتھ ضمیمہ نمبر۵ میں درج کرتا ہوں- (درانی' برمنگھم ۲۷ جون ۱۹۹۶ء)

۳ - پس تحریر : حضرت قیوم نظر' جو گورنمنٹ کالج لاہور میں میرے استاد رہ چکے تھے' چند سال ہوئے رحلت فرما گئے- انا للہ وانا الیہ راجعون- (درانی' اگست ۱۹۹۵ء)

۴ - پس تحریر : جیسا کہ اس کتاب کے دیباچہ طبع ثانی میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے' اب کہ علامہ اقبال کے اصل خطوط کے متون مجھے جناب ہوبوہم نے عطاء کر دیے ہیں' ان سب کے عکس ان کی اجازت سے ضمیمہ نمبر ۶ میں شامل کیے جا رہے ہیں- (درانی- برمنگھم' ۲۹ نومبر ۱۹۹۵ء)-

۵ - یہ مضمون بعد ازآں رسالہ "افکار" کراچی میں بالاقساط چھپا (دیکھیے شمارہ ہائے بابت اپریل' مئی' و جون ۱۹۸۸ء)- اور اب میری دوسری کتاب "نوادر اقبال یورپ میں" (اقبال اکادمی پاکستان' ۱۹۹۵ء) میں شامل ہے- (درانی' فرائی برگ' جرمنی- ۹ اگست ۱۹۹۵ء)

۶ - یعنی "افکار" کراچی' بابت مئی ۱۹۸۳ء-

۷ - ابھی اس بات کی مزید تحقیق ضروری ہے کہ وہ باقی تصویریں جن کا پروفیسر کرش ہوف صاحب نے ذکر کیا تھا اور جس کی دھندلی سی یاد جناب ہوبوہم صاحب کے ذہن میں بھی تھی (دیکھیے مضمون نمبر۸' ص ۱۶۶) آخر کہاں گئیں؟ اگر یہ جناب ممتاز حسن کے ورثاء کے پاس' مرحوم کے باقیات میں کہیں دبی پڑی ہیں' تو میرے خیال میں لازم ہے کہ ان کی پوری طرح سے تلاش کی جائے' اور اگر مل جائیں تو انھیں شائع کیا جائے' پیشتر اس کے کہ وہ دستبرد ایام کی بھینٹ چڑھ کر کالما" ضائع ہو جائیں-

پس تحریر : پچھلے مہینے ڈاکٹر معزالدین صاحب نے میری نئی کتاب "نوادر اقبال یورپ میں" کی اسلام آباد میں رسم افتتاح کے موقعے پر (۸ جنوری ۱۹۹۶ء کو) بتایا کہ کراچی میں جناب ممتاز حسن' ڈائریکٹر اقبال اکادمی پاکستان' کی وفات سے اگلے روز جب وہ ان کے مکان پر تعزیت کے لئے گئے تو وہاں انہوں نے ایک بہت بڑی اقبال فائیل دیکھی' اور خواہش ظاہر کی کہ وہ اس کے اہم کاغذات کی نقل بنوانا چاہتے ہیں- لیکن مرحوم کے صاحب

زادے امتیاز حسن نے کہا کہ چند روز کے بعد آیئے۔ مگر جب ڈاکٹر صاحب موصوف دوبارہ وہاں گئے' تو امتیاز صاحب نے ایک مقفل الماری کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس معاملے میں کچھ خاندانی تنازعے حائل ہو گئے ہیں۔ چنانچہ جب تک یہ صاف نہیں ہوتے' کسی شخص کو ان کاغذات تک رسائی حاصل نہیں ہو سکتی۔ ڈاکٹر معز الدین کو اب معلوم نہیں کہ ان سب کاغذات کا کیا ہوا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (درانی' برمنگھم' ۷ فروری ۱۹۹۶ء)

پس تحریر مکرر : ۹ اپریل ۱۹۹۶ء کی صبح کو میں جناب ممتاز حسن مرحوم کے برادر خرد' ڈاکٹر مشتاق حسن صاحب' سے چند منٹ کے لئے کراچی میں ان کے دولت کدے پر ملا (جبکہ ہوائی اڈے پر میرا طیارہ عمان کے لئے پرتول رہا تھا)۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ ممتاز حسن صاحب کے کاغذات ان کے صاحب زادے امتیاز حسن کی تحویل میں تھے' جو یہ کہتے ہیں کہ یہ سب کاغذات اور دیگر چیزیں چوری ہو گئی ہیں۔ بہرحال' پاکستان میں مقیم اقبال شناسوں کو چاہئے کہ یہ تلاش جاری رکھیں۔ (درانی' برمنگھم' ۳۱ مئی ۱۹۹۶ء)

۸ ۔ پس تحریر : اب جناب محمد امان ہوبوہم کے عطا کردہ اصل (Original) مخطوطوں کی فوٹو کاپیوں سے معلوم ہوا ہے (جن کے ساتھ مس ویگے ناسٹ نے تمام لفافے بھی محفوظ رکھے ہوئے تھے) کہ دراصل نمبر ۱۲۔ شتانس ستراسے ہے' نہ کہ نمبر ۱۳۔ دو لفافوں پر ڈاکخانے نے' یا ڈاک کے محکمے نے' جون ۱۹۱۳ء اور اکتوبر ۱۹۱۹ء میں یہ پتا Mittelstr.12 تحریر کیا ہے۔ ہاں' جولائی ۱۹۸۸ء میں ایما کی بھتیجی بیگم ایڈیتھ شٹ ویگے ناسٹ نے مجھے بتایا کہ ہٹلر کے دور سے پہلے اس سڑک کا یہی موخرالذکر نام ہوتا تھا۔ (درانی' برمنگھم' ۳۰ نومبر ۱۹۹۵ء)۔

۹ ۔ اس شجرۂ نسب میں ایما کا پورا نام Emilie Emma Wegenast درج ہے۔ تاریخ ولادت 26. 8. 1879 ہے۔ مقام ہائیل برون۔

۱۰ ۔ دیکھئے میری کتاب "نوادر اقبال یورپ میں" (مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان' ۱۹۹۵ء)۔

۱۱ ۔ اس موقعے پر کھینچی ہوئی تصویروں میں سے دو کتاب کے صفحہ ۲۱۹ کے مقابل' متعلقہ مضمون کے تتمے کے طور سے درج کی جاتی ہیں اور ایک لحاظ سے ان خطوں میں محفوظ یادوں کا آخری کتبہ Epitaph بھی سمجھی جا سکتی ہیں۔

۱۲ ۔ دیکھئے "نوادر اقبال یورپ میں" (درانی ۹۔ اگست ۱۹۹۵ء)۔

۱۳ ۔ صوفی ویگے ناسٹ نے ۱۹۷۸ء میں بہ عمر ۱۰۲ سال وفات پائی۔

۱۴ ۔ ضمناً" یہاں شاید اس بات کا ذکر بے محل نہ ہو کہ میرے ان قیاسوں کی (یعنی یہ کہ سرطامس آرنلڈ

کیمبرج میں اقبال کے بی اے کے مقالے کے "بیرونی ممتحن" (External Examiner) رہے ہوں گے اور انہوں نے میونک یونیورسٹی سے اقبال کی سفارش کی ہو گی) ایک دلیل یہ بھی ہے کہ لوزاگ اینڈ کمپنی لندن کی طرف سے شائع ہونے والے عام ایڈیشن (General Edition) یعنی "نسخہ برنگھم" میں اس کتاب کا انتساب پروفیسر آرنلڈ ہی کے نام ہے۔ دیکھئے ص ۲۳۸)۔

پس تحریر: ان امور پر مزید بحث' اور پروفیسر ہول کے نام اقبال کے مقالے کی تعریف میں آرنلڈ صاحب کے سفارشی خط' کے لئے دیکھئے میری کتاب "نوادر اقبال یورپ میں" (اقبال اکادمی پاکستان۔ ۱۹۹۵ء)۔ لیکن پروفیسر آرنلڈ' علامہ کے کیمبرج والے مقالے کے بیرونی ممتحن نہیں تھے۔ (درانی' فرائی برگ' جرمنی' ۹۔ اگست ۱۹۹۵ء)۔

۱۵ ۔ اس بات کی مزید تصدیق' کہ تحقیقی مقالہ میونک یونیورسٹی کے قواعد کے تحت' خاص اجازت کے ساتھ' انگریزی میں پیش ہو سکتا تھا' میرے حالیہ دورۂ جرمنی (ستمبر ۱۹۸۳ء) کے دوران ڈاکٹر بوزاش صاحب نے دوبارہ کی ہے۔ ویسے مجھے خیال آتا ہے کہ ممکن ہے کہ اس صورت میں اقبال کو مقالے کا خلاصہ (Synopsis) جرمن زبان میں پیش کرنا پڑا ہو۔ اگر ایسا ہے' تو اس خلاصے کی تلاش بھی میونک یونیورسٹی کے کاغذات میں کی جانی چاہئے۔

۱۶ ۔ پس تحریر: اکتوبر ۱۹۸۷ء میں میونک یونیورسٹی میں میری تحقیق کے نتیجے میں یہ سارے سربستہ راز فاش ہو گئے' اور ان کی مفصل روداد "نوادر اقبال یورپ میں" میں دیکھی جا سکتی ہے۔ (درانی۔ اگست ۱۹۹۵ء)

۱۷ ۔ پس تحریر: یہ تقریر مجھے ستمبر ۱۹۸۷ء کے دورۂ ہسپانیہ کے دوران El-Debate اخبار میں مل گئی۔ مگر تاحال اس پر میں مضمون نہیں لکھ سکا ہوں (درانی۔ فرائی برگ' جرمنی۔ ۹۔ اگست ۱۹۹۵ء)۔

۱۸ ۔ یہ روایت سب سے پہلے میرے ایک کرم فرما' برمنگھم یونیورسٹی کے پروفیسر جناب فریملن صاحب (Professor J. H. Fremlin) نے مجھ سے بیان کی تھی' لیکن انہیں صحیح نہ معلوم ہو تھا۔

پس تحریر: افسوس کہ پروفیسر فریملن کا' جو ایک یگانۂ روزگار سائنس دان تھے' مارچ ۱۹۹۵ء میں انتقال ہو گیا۔ (درانی۔ فرائی برگ' جرمنی۔ ۹ اگست ۱۹۹۵ء)

۱۹ ۔ پس تحریر: افسوس کہ چند برس ہوئے' شیخ صاحب کا دل کے عارضے سے انتقال ہو گیا۔ مرحوم نے جولائی ۱۹۸۵ء میں راقم الحروف کی اس کتاب کے پہلے ایڈیشن کی تقریب رونمائی کا پاکستان نیشنل سنٹر اسلام آباد میں بڑا ذی شان اہتمام کیا تھا۔ (درانی۔ فرائی برگ' جرمنی۔ ۹ اگست ۱۹۹۵ء)۔

۲۰ ۔ پس تحریر: میری یہ اپیل تاہنوز تشنہ عمل ہے۔ بلکہ حالت اب پہلے سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ حکومت پاکستان اس فیلو شپ کو عام طور سے بطور ایک Patronage ("دست کرم") کے استعمال کر رہی ہے' بجائے علامہ کا نام بلند کرنے کے لئے۔ حیف' صد حیف! (درانی۔ جرمنی' ۹۔ اگست ۱۹۹۵ء)

۲۱ ۔ لیکن' بقول ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صاحب' یہ جلد ابھی تک متحف اقبال میں نہیں پہنچی' (درانی۔ فرائی برگ' جرمنی' ۱۰ اگست ۱۹۹۵ء)

پس تحریر: اور نہ یہ خود مجھ کو وہاں نظر آئی جب میں نے دو روز ہوئے اس دل پذیر متحف کا معائنہ کیا۔ (درانی۔ لاہور' ۷ا جنوری ۱۹۹۶ء)

۲۲ ۔ پس تحریر: افسوس کہ (طویل علالت کے بعد) چند ہفتے ہوئے ان عالم متبحر کا انتقال ہو گیا۔ مولانائے مرحوم نے میری ادبی زندگی کے آغاز میں مجھ پر بہت کرم فرمائی کی تھی۔ انہوں نے انگریزی زبان سے اردو میں کئے ہوئے میرے ترجمے مخزن اور الحمرا میں چھاپے' اور مجھے بڑی حوصلہ افزائی کے خطوط تحریر فرمائے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (درانی۔ برمنگھم' ۳۰ نومبر ۱۹۹۵ء)۔

۲۳ ۔ پس تحریر: ڈاکٹر صاحب موصوف نے میری نئی کتاب "نوادر اقبال یورپ میں" کی اشاعت کی بھی نگرانی کی ہے' جو چند ہفتے پیشتر (یعنی ۹۔ نومبر ۱۹۹۵ء کے روز) بالآخر اقبال اکادمی پاکستان' لاہور' کے یہاں سے شائع ہو گئی ہے۔ (درانی۔ برمنگھم' ۳۰ نومبر ۱۹۹۵ء)

۲۴ ۔ پس تحریر: یہ سطور میں نے اس وقت تحریر کی تھیں جب مجھے اقبال اکادمی نے اطلاع دی تھی کہ جناب ڈاکٹر جاوید اقبال میری کتاب کی تقریظ لکھیں گے' لیکن ان کی تحریر ابھی میری نظر سے نہیں گزری تھی۔ اب کہ میں ان کی از حد پر شفقت و حوصلہ افزا تقریظ کا مطالعہ کر چکا ہوں' میں ان کا غایت درجہ احسان مند ہوں۔ اس کے آخر میں ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے جن توقعات کا اظہار کیا ہے ان میں سے ایک اُدھ پر تو میں اسی سال عمل پیرا ہو گیا تھا (یعنی ستمبر ۱۹۸۵ء میں دورۂ روم کے دوران ـــ اگرچہ اس سفر اور اس کے نتائج کا پورا حال میں ابھی تک شائع نہیں کر سکا)۔ باقی مہم ابھی ایک "خواب خوش" کے مصداق ہے۔ (درانی۔ فرائی برگ' جرمنی۔ ۱۰۔ اگست ۱۹۹۵ء)۔

پس تحریر مکرر: پچھلے ہفتے' قاہرہ میں ایک سائنس کانفرنس کے خاتمے پر' میں نے مصر کے شہرہ آفاق اخبار "الاہرام" کے محافظت خانے (Archives) میں اس کے ڈائریکٹر جناب ثروت سلیمی کی مدد سے علامہ کے دورہ مصر (دسمبر ۱۹۳۱ء) کے بارے میں کچھ تحقیقات شروع کی ہے۔ دیکھئے کچھ ہاتھ آتا ہے یا نہیں۔ (برمنگھم' ۱۲ ستمبر ۱۹۹۶ء)

-۱-

شاعر مشرق کی تاریخ ولادت کا مسئلہ

ان دنوں اہ پاکستان میں، اور یہاں بھی، ۲؎ حکیم الامت علامہ اقبال کی تاریخ ولادت کے بارے میں کافی بحث جاری ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ حوالے کی مختلف کتابوں میں علامہ اقبال کی پیدائش کی مختلف تاریخیں درج ہیں۔ جب حکومت پاکستان نے علامہ کا صد سالہ جشن ولادت منانے کی تیاریاں شروع کیں، تو ایک اعلیٰ سطحی کمیٹی مقرر کی گئی، جس کے صدر غالباً "ایجوکیشن سیکرٹری ڈاکٹر محمد اجمل ۳؎ تھے۔ اس کمیٹی نے کافی غور و خوض اور تمام مآخذ کی جانچ پڑتال کے بعد ۱۸۷۷ء کو علامہ اقبال کا سنہ ولادت قرار دیا تھا۔

پچھلے موسم گرما میں جب مشہور انگریز مورخ (اور سابق ایڈیٹر اسٹیٹسمین) مسٹر ائین اسٹیفنز (Ian Stephens) اور میں نے حکومت پاکستان کو یہ سفارش کی کہ علامہ اقبال کی سویں سالگرہ کے موقع پر کیمبرج یونیورسٹی میں ایک پروفیسر شپ Iqbal Chair of Islamic Studies کے نام سے قائم کی جائے، تو میں نے سوچا کہ علامہ کی تاریخ پیدائش کے بارے میں بھی کچھ تحقیق کی جائے۔ چنانچہ میں نے کیمبرج اور میونخ میں (کہ ان دو یونیورسٹیوں میں علامہ نے اعلیٰ تعلیم پائی تھی) حوالے کی چند کتابوں کی طرف رجوع کیا، جن کی تفصیل نیچے درج ہے۔ ویسے یہ کام ابھی پورا نہیں ہوا، اور میرا ارادہ ہے کہ کیمبرج یونیورسٹی کے ٹرنٹی کالج میں کچھ اور تحقیق کروں، کہ وہاں ۱۹۰۵ء میں اقبال کے داخلے کے موقع پر کالج کے رجسٹروں میں کیا تاریخ پیدائش درج کی گئی تھی۔ اب تک جو تاریخیں میں حاصل کر سکا ہوں، وہ یہ ہیں:

○ فروری ۱۸۷۶ء، بمقام سیالکوٹ پنجاب

Dictionary of National Biography, 1931__1940 (Published 1949).

○ ۱۸۷۵ء، بمقام سیالکوٹ

Chambers's Biographical Dictionary (New ed., 1961)

○ غالباً" ۱۸۷۶ء میں سیالکوٹ (ہندوستان، موجودہ پاکستان) میں پیدا ہوئے۔

Encyclopaedia Britannica (1974 ed.)

○ ۱۸۷۳ء (بمقام سیالکوٹ)

Meyers Grosses Personenlexicon (1968 ed.)

○ ۲۲ فروری ۱۸۷۳ء۔ سیالکوٹ پنجاب

Iqbal : His Art and Thought (S. A. Vahid, 1948)

○ عموماً" ۲۲ فروری ۱۸۷۳ء، لیکن غالباً" ۹ نومبر ۱۸۷۷ء۔

Cabriel's Wing (Dr Annemarie Schimmel, 1963.)

موخر الذکر کتاب میں ڈاکٹر شمل لکھتی ہیں کہ "شیخ محمد اقبال شمال مغربی پنجاب کے شہر سیالکوٹ میں پیدا ہوئے تھے، لیکن ان کی صحیح تاریخ ولادت کے متعلق کچھ اختلافات ہیں۔ عام طور سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ ۲۲ فروری ۱۸۷۳ء کو پیدا ہوئے تھے، لیکن اپنے مقالے (Thesis) میں علامہ نے اپنی تاریخ ولادت یوں بیان کی ہے: ۲ ذو قعد ۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۶ء"۴۔

وہ مزید لکھتی ہیں کہ چونکہ ہجری ۱۲۹۴، جنوری ۱۸۷۷ء میں شروع ہوتا ہے، اس لئے ۹ نومبر ۱۸۷۷ء اس ہجری تاریخ سے مطابقت رکھتا ہے، اور یہ تاریخ اقبال کی کالج اور یونیورسٹی کی زندگی کے ادوار سے بھی، بہ نسبت ۱۸۷۳ء، زیادہ مطابقت رکھتی ہے۔ اس بیان کے لئے ڈاکٹر شمل نے چیکو سلوواکیہ کے مسٹر یان مارک (Jan Marek) کے ایک مضمون "محمد اقبال کی تاریخ ولادت" کا حوالہ دیا ہے۔۵۔

اگر جناب یان مارک کا خیال صحیح ہے تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ شاعر مشرق کی تاریخ ولادت کے متعلق جو تضاد ہے، اس میں کسی حد تک حضرت علامہ کا بھی ہاتھ ہے۔ یعنی جب انہوں نے میونخ (جرمنی) میں اپنا تھیسس پیش کیا تو شاید ان سے ہجری

اور عیسوی سنین کے تطابق میں کچھ غلطی ہو گئی۔ دوسرے یہ بھی ظاہر ہے کہ اس زمانے میں عام طور سے تاریخ ولادت کا باقاعدہ ریکارڈ نہیں رکھا جاتا تھا۔ اور چونکہ شیخ صاحب کے والدین ایک چھوٹے سے قصبے کے سوداگروں کے ایک خاندان سے تعلق رکھتے تھے، اس لئے ہو سکتا ہے کہ تاریخ ولادت کا تحریری ریکارڈ رکھنے کا ان کے یہاں رواج ہی نہ ہو۔ اس سلسلے میں ایک اور بات قابل ذکر ہے، وہ یہ کہ بانگ درا (طبع اول، ۱۹۲۴ء) کے دیباچے میں جہاں شیخ عبدالقادر نے علامہ اقبال کے حالات زندگی تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ وہاں ان کی تاریخ پیدائش انہوں نے درج نہیں کی۔ اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ شاید حضرت علامہ کو اور جناب عبدالقادر بالقابہ کو بھی پیدائش کی تاریخ کے بارے میں مکمل یقین نہ تھا۔

علامہ اقبال کے تھیسس میں درج شدہ تاریخ کے لئے ڈاکٹر شمل نے مسٹر مارک کا حوالہ دیا ہے۔ اس سلسلے میں میری تحقیق و کاوش کی تفصیل یہ ہے:

اکتوبر ۱۹۷۶ء کے اوائل میں جب جوہری توانائی کی ایک کانفرنس کے سلسلے میں میرا مغربی جرمنی کے دلکشا شہر میونخ میں جانا ہوا، تو میں نے وہاں کی یونیورسٹی کی لائبریری میں علامہ اقبال کا تھیسس اور ان کا تعلیمی ریکارڈ دیکھنے کی کوشش کی۔ میونخ یونیورسٹی کے رجسٹر برائے ۱۹۰۷ء۔ ۱۹۰۸ء میں علامہ کے ڈاکٹریٹ کے تھیسس (Ph. D. Thesis) کے کوائف درج ہیں۔ میں نے وہاں مندرجہ ذیل تحریر بچشم خود دیکھی، جو ظاہر ہے خود علامہ اقبال نے یونیورسٹی کو بہم پہنچائی ہوگی۔

"اقبال، شیخ محمد۔ ایم۔ اے۔ اسسٹنٹ پروفیسر، لاہور یونیورسٹی۔ ہندوستان۔ تھیسس بعنوان:

"The Development of Metaphysics in Persia

(یعنی "ایران میں علم مابعد الطبیعیات کا ارتقاء") مطبوعہ

Luzac and Company London, (1908)

صفحات (۱۹۵ + xii) Octavo Size میونخ یونیورسٹی۔ شعبہ فلسفہ۔ ریفری: ہومل (Prof. F. Hommel) ۴ نومبر ۱۹۰۷ء۔

پیدائش ۹ نومبر ۱۸۷۷ء۔ بمقام سیالکوٹ (صوبہ پنجاب۔ ہندوستان)، ساکن لاہور۔ شہریت برٹش انڈین۔ ابتدائی تعلیم، میٹرک (Reife) ۶۔ سیالکوٹ ہائی اسکول مئی ۱۸۹۳ء۔ مزید تعلیم پنجاب یونیورسٹی۔ اسکاچ مشن کالج سیالکوٹ۔ اعلیٰ تعلیم لاہور گورنمنٹ کالج، بی اے ۱۸۹۷ء، ایم اے ۱۸۹۹ء۔ میونخ، امتحان تھیسس پی ایچ ڈی، ۴ نومبر ۱۹۰۷ء"۔

جب میں نے علامہ کے تھیسس کا اصلی مسودہ دیکھنے کی خواہش ظاہر کی، تو کافی دیکھ بھال اور تلاش کے بعد مجھے یہ بتایا گیا کہ یہ تھیسس عاریتاً" باہر ہے اور لائبریری کی متعلقہ خاتون نے مجھے مشورہ دیا کہ میں Bavarian State Library (جرمنی کی ریاست بوریا کی سرکاری لائبریری) میں اس کی تلاش کروں۔ جب میں مذکورہ لائبریری میں پہنچا تو ایک نوجوان لائبریرین نے بتایا کہ بدقسمتی سے دوسری جنگ عظیم کے دوران اس لائبریری میں ایک بہت بڑی آگ لگ گئی تھی، جس میں لاکھوں کتابیں ضائع ہو گئی تھیں۔ مثلاً دنیا بھر میں انجیل مقدس کا بہترین مجموعہ جو اس لائبریری کی زینت تھا، وہ بھی نذر آتش ہو گیا تھا۔ اور اسی آگ میں علامہ اقبال کے تھیسس کا اصلی نسخہ بھی ضائع ہو گیا، جو اس لائبریری میں موجود تھا۔

یہ اندوہ گیں خبر سن کر میں دوبارہ میونخ یونیورسٹی لائبریری میں پہنچا۔ مجھے لائبریری کے ڈائریکٹر جناب ڈاکٹر بوزاش (Dr L. Buzás) نے بتایا کہ ۱۹۷۲ء یا ۱۹۷۳ء میں، جن دنوں ڈاکٹر اسٹریڈل (Dr H. Striedl) بوریا کی سرکاری لائبریری کے ڈائرکٹر جنرل تھے تو حکومت ہندوستان نے بوریا کی حکومت سے درخواست کی تھی کہ عنقریب بھارت میں مشہور ہندوستانی مفکر و شاعر سر محمد اقبال کی صد سالہ سالگرہ منائی جانے والی ہے، اس لئے اگر میونخ یونیورسٹی میں ان کے ڈاکٹری مقالے کا جو اصل مسودہ محفوظ ہے، وہ تحفتہً" حکومت ہندوستان کو دے دیا جائے، تو بہت اچھی بات ہو گی۔ بھارت کی اس درخواست پر بوریا کی حکومت نے حکومت ہند کو یہ بیش بہا اصل مسودہ تحفے کے طور پر بھیج دیا اور اس طرح علامہ کا تھیسس ہندوستان منتقل ہو گیا۔

ڈاکٹر بوزاش نے یہ بھی بتایا (کچھ وہ انگریزی بول رہے تھے اور کچھ میں جرمن

بول رہا تھا) کہ مسودہ ہندوستان بھیجنے سے پہلے اس کی ایک فوٹو کاپی میونخ یونیورسٹی کی لائبریری میں رکھ لی گئی تھی، لیکن کوئی ایک برس پہلے یہ فوٹو کاپی بھی لائبریری سے غائب ہو گئی ہے اور وہ کئی ماہ سے بذات خود اس کاپی کی تلاش میں سرگرداں ہیں-۷- انہوں نے مزید بتایا کہ یہ نسخہ سارے جرمنی یا کم سے کم سارے بویریا میں ایک ہی باقی رہ گیا تھا، اور اب اس کی کوئی اور کاپی وہاں موجود نہیں۔ انہوں نے مجھے یہ بھی بتایا کہ علامہ کو ڈاکٹریٹ ملنے کے بعد جلد ہی یہ تھیسس کتاب کی شکل میں شائع ہو گیا تھا، جس کی ایک کاپی برٹش میوزیم میں موجود ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ بھارتی حکومت کی زیادتی ہے کہ نظریہ پاکستان کے بانی اور امت اسلامیہ کے اس عظیم مفکر کا تھیسس بھارت نے حاصل کر لیا ہے، جس پر انہوں نے کہا کہ آخر شیخ محمد اقبال ہندوستان ہی میں پیدا ہوئے تھے اور بطور ہندوستانی ہی ان کا انتقال ہوا تھا۔

میونخ سے واپسی پر مزید جستجو کرنے کے بعد میں علامہ اقبال کے مطبوعہ تھیسس:

The Development of Metaphysics in Persia : A Contribution

to the History of Muslim Philosophy. (London, 1908)

کا ایک نادر نسخہ برمنگھم یونیورسٹی کی لائبریری میں دریافت کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نسخے میں خاص بات یہ ہے کہ اس کے صفحہ اول پر خود علامہ اقبال کے پختہ خط میں انگریزی میں یہ لکھا ہوا ہے:

To my friend F. W. Thomas

S. M. Iqbal

3rd July 1908

عکس ضمیمہ نمبر ۵ میں ملاحظہ کیجئے۔ اسی طرح مقالے کے انتسابی صفحے کا عکس بھی موجودہ کتاب کے باب سوم میں دیا جا رہا ہے، جس میں ڈاکٹر اقبال نے اپنی کتاب اپنے دیرینہ استاد محترم پروفیسر طامس آرنلڈ کے نام نامی سے منسوب کی ہے۔ اس سلسلے میں صرف اتنا عرض ہے کہ نہ اس مطبوعہ کتاب کے دیباچے میں، نہ اس کے تعارف میں، اور نہ متن ہی میں، علامہ اقبال کی تاریخ ولادت درج ہے۔ جناب یان

مارک نے تھیسس کے دیباچے میں جس تاریخ پیدائش اور کوائف زندگی کا ذکر کیا ہے، وہ شاید اس مقالے کے اس اصل مسودے میں ہو جو روایت مذکورہ کے مطابق اب بھارت کے پاس ہے۔

(جنگ، لندن۔ ۲۰ جنوری ۱۹۷۷ء)

حواشی

۱۔ یہ مضمون جنوری ۱۹۷۷ء میں تحریر کیا گیا تھا۔

۲۔ یعنی انگلستان میں۔

۳۔ افسوس کہ ان عالم تبحر کا جنوری ۱۹۹۴ء کے آخر میں انتقال ہو گیا۔ (درانی۔ جرمنی، ۹۔ اگست ۱۹۹۵ء)

۴۔ ماربرگ یونیورسٹی (Marburg University) سے دستیاب شدہ نسخے میں تاریخ ۳ ذو قعد ۱۲۹۴ھ (۱۸۷۶ء) درج ہے۔ (درانی۔ ۱۹۸۳ء)

۵۔ Archiv Orientalni جلد ۲۶، پراگ ۱۹۵۸ء، ص ۶۱۷۔ ۶۳۰۔

پس تحریر: اب میں نے جناب یان مارک کے اس مضمون کا ترجمہ موجودہ کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں تکمیل مطالب کی خاطر بطور ضمیمہ نمبر ا درج کر دیا ہے۔ (درانی۔ فرائی برگ (Freiburg)، جرمنی۔ ۹۔ اگست ۱۹۹۵ء)

۶۔ جرمن لفظ (Reife) کے معنی ہیں: درجہ۔

۷۔ پس تحریر: اب اس لائبریری میں اس مقالے کی ایک نئی کاپی رکھ دی گئی ہے جو میں نے بچشم خود اکتوبر ۱۹۸۷ء میں وہاں دیکھی تھی۔ (درانی، ایمسٹرڈیم ایئرپورٹ، ۲۴ ستمبر ۱۹۹۵ء)

-۲-

علامہ اقبال کی تاریخ ولادت،

چند نئے زاویے

چند ماہ ہوئے، روزنامہ "جنگ" لندن میں میرا ایک مضمون شائع ہوا تھا، بعنوان "شاعر مشرق کی صحیح تاریخ پیدائش کا مسئلہ" (جنگ، مورخہ ۲۰ جنوری ۱۹۷۷ء)۔ اس میں میں نے بیان کیا تھا کہ علامہ اقبال کی تاریخ ولادت، حوالے کی مختلف کتابوں میں مختلف درج ہے، چنانچہ یہ تاریخیں ۲۲ فروری ۱۹۷۳ء (بمطابق ('Iqbal : His Art and Thought' : by S. A. Vahid, 1948) سے لے کر ۹ نومبر ۱۸۷۷ء (بمطابق 'Gabriel's Wing' : by Dr Annemarie Schimmel, 1963) تک محیط ہیں۔ یہ آخری تاریخ جس پر حکومت پاکستان کا، ۱۹۷۷ء کو علامہ اقبال کا صدمین سالِ ولادت قرار دینے کا فیصلہ منحصر ہے، دراصل علامہ اقبال کے تحقیقی مقالے کے دیباچے سے لی گئی ہے۔ یہ تحقیقی مقالہ وہی ہے جس پر علامہ کو میونخ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری ملی تھی، یعنی 'The Development of Metaphysics in Persia' (ایران میں علم مابعد الطبیعیات کا ارتقاء)۔ یہ مقالہ علامہ اقبال نے ۴ نومبر ۱۹۰۷ء کو میونخ یونیورسٹی میں پیش کیا تھا، اور بعد ازاں یہ لندن سے کتابی صورت میں شائع ہو گیا تھا (Luzac and Co. London : 1908) لیکن اس مطبوعہ کتاب میں وہ دیباچہ شامل نہیں، جس میں بقول پروفیسر شمل کے، علامہ نے اپنی تاریخ ولادت "۲ ذوقعد ۱۲۹۴ھ بمطابق ۱۸۷۶ء عیسوی" تحریر کی ہے۔

پچھلے سال اس میونخ یونیورسٹی میں میری تحقیقات کے نتیجے میں یہ بات پہلی مرتبہ

بر سر عام آئی کہ علامہ کے تھیسس کا یہ نادر اصل نسخہ' تقریباً" چار سال ہوئے'
حکومت ہند نے جرمنی کی حکومت سے یہ کہہ کر حاصل کر لیا تھا کہ چونکہ علامہ اقبال
کی پیدائش اور وفات بطور ایک ہندوستانی شہری کے ہوئی تھی' اس لئے بھارت میں
ان کا صد سالہ جشن میلاد منانے کے سلسلے میں یہ نسخہ ان کو (بھارتی حکومت کو)
تحفتہ" دے دیا جائے۔ میری اس اطلاع کے نتیجے میں کئی پاکستانی اخبارات نے
اداریے بھی تحریر کیے کہ حکومت پاکستان کو چاہئے کہ وہ تصور پاکستان کے خالق کے
صد سالہ جشن ولادت کی مناسبت سے اب یہ نسخہ بھارت کی حکومت سے واپس حاصل
کر لے۔

میں نے علامہ اقبال ی تاریخ پیدائش کے مسئلے پر تحقیق جاری رکھی اور کچھ
مزید دلچسپ امور منصۂ شہود پر آئے۔

علامہ اقبال یورپ میں ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۷ء تک قیام پذیر ہے۔ اس دوران میں
بطور طالب علم وہ بے حد محنتی اور ذہین ثابت ہوئے۔ اور تین سال کے قلیل عرصے
میں نہ صرف انہوں نے کیمبرج یونیورسٹی سے بی اے کیا' بلکہ میونخ یونیورسٹی سے پی
ایچ ڈی کی ڈگری بھی پائی اور لندن کی لنکنز ان (Lincoln's Inn) سے بیرسٹری کی
سند بھی حاصل کر لی۔ میونخ یونیورسٹی کے ریکارڈ کا تو میں پچھلے سال جائزہ لے ہی چکا
تھا' اب میں نے سوچا کہ کیمبرج یونیورسٹی اور لنکنز ان سے ان کی تاریخ ولادت کے
بارے میں استفسار کیا جائے۔

سب سے پہلے میں نے کیمبرج یونیورسٹی کے کنگز کالج کے سابق فیلو اور پاکستانی
امور پر لکھنے والے مشہور انگریز مصنف جناب ائین اسٹیفنز صاحب کے توسط سے
علامہ اقبال کے دیرینہ کالج یعنی ٹرنٹی کالج کیمبرج سے رابطہ قائم کیا۔ اسٹیفنز صاحب
نے میری طرف سے ٹرنٹی کالج کیمبرج کے لائبریرین جناب ڈاکٹر گیسکل صاحب
(Dr J. P. W. Gaskell) کو لکھا کہ چونکہ علامہ اقبال کی صد میں سالگرہ منانے کے
سلسلے میں ان کی تاریخ ولادت کے بارے میں کافی اختلاف رائے پیدا ہو چکا ہے' اس
لئے اگر وہ ٹرنٹی کالج کے رجسٹر داخلہ سے علامہ اقبال کی تاریخ پیدائش دریافت کر کے

ہمیں اطلاع دیں تو شاید شبہات کا ازالہ ہو سکے۔ اس پر ڈاکٹر گیسکل صاحب نے لکھا کہ "ہمارے رجسٹر داخلہ میں محمد اقبال کی تاریخ پیدائش محرم ۱۸۷۶ء درج ہے' جو بدقسمتی سے آپ کے مسئلے کا صرف آدھا ہی حل ہے"۔

اس دلچسپ اطلاع کے ملنے پر میں نے جناب گیسکل صاحب کو لکھا کہ اگر وہ براہ کرم اپنے رجسٹر میں سے اس داخلے کے اندراج کی فوٹو کاپی مجھے روانہ کر سکیں تو میں بے حد ممنون ہوں گا۔ ڈاکٹر فلپ گیسکل صاحب نے ۱۷ فروری ۱۹۷۷ء کو ٹرنٹی کالج کیمبرج کے رجسٹر داخلہ سے یکم اکتوبر ۱۹۰۵ء کے اندراج کا عکس مجھے بھیجا۔ ۲۔ اس میں علامہ اقبال نے اپنے ہاتھ سے اپنے شخصی اور تعلیمی حالات درج کیے ہیں۔

انہوں نے کیمبرج میں اپنی قیام گاہ کا پتا 17 Portugal Place, Cambridge درج کیا ہے۔ (راقم السطور بھی اپنے زمانہ طالب علمی میں اس جگہ کے بہت ہی قریب قیام پذیر رہا)۔ کیمبرج آنے سے پہلے اپنی درسگاہ انہوں نے "پنجاب یونیورسٹی' گورنمنٹ کالج" بتائی ہے' جس کے پرنسپل مسٹر رابسن تھے۔ اس کے بعد بدست خود انہوں نے اپنی تاریخ پیدائش محرم ۱۸۷۶ء لکھی ہے۔ ان کے ٹیوٹر کا نام (پروفیسر) Sedgwick کسی کلرک کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اور اسی رسم الخط میں انہیں "Advanced Student, Pensioner" ظاہر کیا گیا ہے (بقول ڈاکٹر گیسکل کے' "پنشنر" کیمبرج یونیورسٹی کے ایسے طالب علم کو کہتے تھے جسے کالج سے وظیفہ نہیں ملتا تھا' بلکہ جو اپنے خرچ پر یا بیرونی وظیفے پر وہاں پڑھتا تھا)۔ اس کے بعد علامہ کے بدست خود دستخط (محمد اقبال)۔ اور والد کا نام "نور محمد" (جو میر محمد بھی پڑھا جا سکتا ہے) تحریر ہیں' اور آخر میں انہوں نے اپنی جائے ولادت سیالکوٹ (انڈیا) لکھی ہے۔

میں نے ڈاکٹر گیسکل صاحب سے یہ بھی دریافت کیا تھا کہ آیا علامہ اقبال نے کیمبرج سے بی اے کے بعد ایم اے کی ڈگری بھی لی؟ (جو بی اے (آنرز) سے چند سال بعد عموماً" بغیر کسی مزید امتحان کے اپنے آپ ہی مقررہ فیس ادا کرنے پر مل جاتی ہے)' اور یہ کہ انہوں نے کیمبرج سے پی ایچ ڈی حاصل کرنے کے بجائے میونخ کو کیوں ترجیح دی؟

ان سوالات کے جواب میں ڈاکٹر گیسکل نے مجھے ایک معلومات افزا خط تحریر کیا، جو اس گتھی کے سلجھانے میں مددگار ہے۔ (خط کا عکس صفحہ مقابل پر دیکھئے)۔ وہ لکھتے ہیں: "رجسٹرار سے دریافت کرنے پر اس بات کی تصدیق ہوئی ہے کہ شیخ محمد اقبال کو بطور Advanced Student کے داخلہ ملا تھا اور انہوں نے بی اے کی ڈگری کے لئے ایک مقالہ (Disseration) پیش کیا، (یعنی امتحان کے ذریعے نہیں) جو بظاہر Moral Sciences یعنی اخلاقیات کے کسی موضوع پر تھا۔ یہ مقالہ یونیورسٹی کی خاص اجازت سے ۷ مارچ ۱۹۰۷ء کو بی اے کی ڈگری کے لئے منظور کیا گیا۔ ۳۔ اور انہیں اسی سال ۱۳ جون کو یہ ڈگری ملی۔ انہوں نے ایم اے کی ڈگری حاصل نہیں کی تھی۔ کیمبرج یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کے قواعد (Regulations) مئی ۱۹۲۰ء میں منظور و مرتب ہوئے، اور اس ڈگری کا سب سے پہلا امیدوار ۱۹۲۱ء میں پیش ہوا"۔

گویا یہی مقالہ (Dissertation) جو علامہ نے کیمبرج میں لکھا تھا، اس پر مزید کچھ کام کرنے کے بعد، کوئی پانچ مہینے کے وقفے سے انہوں نے ۴ نومبر ۱۹۰۷ء کو میونخ یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی بھی حاصل کر لی (ورنہ جرمنی سے از سر نو پی ایچ ڈی حاصل کرنے میں عموماً" تین چار سال لگ جاتے ہیں)۔

کیمبرج یونیورسٹی سے استفسارات کے علاوہ میں نے ایک خط لنکنز ان (Lincoln's Inn) کے لائبریرین صاحب کو بھی اس موضوع پر لکھ دیا تھا (یاد رہے کہ قائداعظم نے بھی اسی قانونی ادارے سے بیرسٹری کی ڈگری لی تھی)۔ وہاں کے لائبریرین جناب واکر صاحب (Mr Roderick Walker) نے ۲۲ فروری ۱۹۷۷ء کو اس کے جواب میں اپنی درس گاہ کے رجسٹر داخلہ اور Bar Book (اسناد کے عطاء کی کتاب) سے دو اندراجات کی فوٹو کاپیاں مجھے روانہ کیں۔ ۴۔ واکر صاحب نے میرے نام خط میں لکھا: "مجھے امید ہے کہ یہ اطلاع مزید شکوک کے پیدا کرنے کا باعث نہ ہو گی"۔ لنکنز ان کے رجسٹر داخلہ میں نمبر ۶۹ کے سامنے جو اندراج ہے، اس کے ایک حصے کا ترجمہ یوں ہے: "شیخ محمد اقبال: از ٹرنٹی کالج کیمبرج، جن کی عمر ۲۹ سال ہے اور جو شیخ میر محمد (یہاں "میر محمد" ہی درج ہے، اس لفظ کا انگریزی املا نور محمد سے

DR PHILIP GASKELL
TUTOR AND LIBRARIAN
CAMBRIDGE 58201

TRINITY COLLEGE
CAMBRIDGE
CB2 1TQ

17 February 1977

Dr S. A. Durrani,
Department of Physics,
Chancellor's Court,
The University of Birmingham,
P.O. Box 363,
Birmingham B15 2TT.

Dear Dr Durrani,

Thank you for your letter of 14 February (ref. 115/SAD/JMH) about Shaikh Muhammad Iqbal.

I enclose a xerox copy of Iqbal's entry in the College Admissions Book. His tutor was Adam Sedgwick, Professor of Zoology (1854-1913); the Dictionary of National Biography and Who was Who both give details of Sedgwick's career.

The Registry confirms that Iqbal was admitted as an Advanced Student and that he submitted a dissertation (apparently on a Moral Sciences topic) which was approved for the B.A. degree, by special dispensation, on 7 March 1907. He took that degree on 13 June the same year, but never took the M.A. Regulations for the Ph.D. degree were only approved in May 1920 and the first candidate presented himself in 1921.

I am sorry not to be able to be more helpful, but unfortunately we have no other information about Iqbal's time at Trinity.

Yours sincerely,

Philip Gaskell

مصنف کے نام ٹرنٹی کالج کیمبرج کے لائبریرین جناب ڈاکٹر فلپ گیسکل کے خط مورخہ

۱۷ فروری ۱۹۷۷ء کا عکس

بہت مشابہ ہے) کے دوسرے صاحبزادے ہیں۔ باشندۂ سیالکوٹ (اس کے ہجے Sealkot درج ہیں) پنجاب' انڈیا۔ پیشہ مرد شریف (Gentleman)۔ اس سوسائٹی (یعنی Honourable Society of Lincoln's Inn) میں بتاریخ ۶ نومبر ۱۹۰۵ء داخل ہوئے"۔

لنکنز ان کا دوسرا اندراج ٹرنٹی یعنی موسم گرما کی ٹرم (Trinity Term) برائے ۱۹۰۸ء کا ہے' جس کے مطابق علامہ اقبال نے یکم جولائی ۱۹۰۸ء کو بیرسٹری کی ڈگری حاصل کی۔ اس سند پر ان کے دستخط رول نمبر ۵۲ پر ثبت دیکھے جا سکتے ہیں۔

کیمبرج اور لندن کی ان دو دستاویزوں سے علامہ اقبال کی تاریخ پیدائش پر مزید روشنی پڑتی ہے۔ کیمبرج یونیورسٹی میں انہوں نے اپنی تاریخ ولادت محرم ۱۸۷۶ء درج کی ہے۔ لنکنز ان کا اندراج ۶ نومبر ۱۹۰۵ء کا ہے جبکہ وہ ۲۹ برس کے تھے۔ ۱۹۰۵ء سے ۲۹ تفریق کرنے سے یہ سال بھی ۱۸۷۶ء بنتا ہے۔ اس کے برعکس اگر میونخ یونیورسٹی کے رجسٹر میں درج شدہ تاریخ پیدائش یعنی ۹ نومبر ۱۸۷۷ء کو صحیح تسلیم کیا جائے' تو ۶ نومبر ۱۹۰۵ء کو علامہ کی عمر صرف ۲۷ برس بنتی ہے' چنانچہ انگلستان کے دونوں اندراجات کے مطابق ان کی تاریخ ولادت ۱۸۷۶ء قرار پاتی ہے' جو جرمنی میں مندرجہ تاریخ سے مطابقت نہیں رکھتی۔

کیمبرج کے رجسٹر میں علامہ نے جو تاریخ درج کی ہے' اس کے ماہ و سال میں ہم آہنگی نہیں ہے۔ یعنی مہینہ ہجری اور سال عیسوی دیا گیا ہے۔

اسی طرح میونخ یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کے مقالے میں بقول پروفیسر شمل' علامہ نے اپنی تاریخ پیدائش "۳ ذو قعد ۱۲۹۴ھ بمطابق ۱۸۷۶ء لکھی ہے' اور پروفیسر انیماری شمل (Prof. Annemarie Schimmel) اپنی کتاب Gabriel's Wing مطبوعہ ۱۹۶۳ء میں لکھتی ہیں کہ یہاں علامہ اقبال سے غلطی ہوئی ہے' کیونکہ سنہ ۱۲۹۴ ہجری کا آغاز ہی جنوری ۱۸۷۷ء میں ہوا' چنانچہ ذی قعدہ ۱۲۹۴ھ' نومبر ۱۸۷۷ء میں پڑتا ہے۔

میرے چھوٹے بھائی جناب کے۔ زیڈ۔ درانی ۵ ے نے لاہور ہائیکورٹ کی پچھلی

صدی کی جنتری نکلوا کر تاریخوں کا مقابلہ کیا اور بتایا کہ وہاں مندرجہ ذیل اندراجات ہیں:

یکم جنوری ۱۸۷۶ء' ۳ ذی الحجہ ۱۲۹۲ھ

یکم جنوری ۱۸۷۷ء' ۱۵ ذی الحجہ ۱۲۹۳ھ

یکم جنوری ۱۸۷۸ء' ۲۶ ذی الحجہ ۱۲۹۴ھ

ان تاریخوں کے مطابق "محرم ۱۸۷۶" ۲۶ یا ۲۷ جنوری ۱۸۷۶ء سے لے کر ۲۴ تا ۲۶ فروری ۱۸۷۶ء جاری رہا۔ ۲ ذی قعدہ ۱۲۹۴ھ میرے حساب کے مطابق' ۷ یا ۸ نومبر ۱۸۷۷ء کو پڑتا ہے۔ فقیر سید وحید الدین صاحب "روزگار فقیر" میں علامہ کے تحقیقی مقالے "ایران میں مابعد الطبیعیات کا ارتقاء" کے دیباچے کے حوالے سے ان کی خود نوشت تاریخ پیدائش "۳ ذیقعدہ ۱۲۹۴ھ (۱۸۷۶ء)" لکھتے ہیں' اس لحاظ سے ۳ ذی قعدہ ۱۲۹۴ھ کا ۹ نومبر ۱۸۷۷ء (نہ کہ ۱۸۷۶ء) کو ہونا قرین قیاس ہے۔۶

اب اس مسئلے میں سب سے اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ چونکہ خود علامہ اقبال نے مختلف جگہوں پر مختلف تاریخیں درج کی ہیں' تو ہم ان کی دی ہوئی ہجری تاریخوں کو صحیح مانیں یا عیسوی تاریخوں کو؟

میں نے اس بارے میں ڈاکٹر محمد اجمل صاحب ۷؎ سے بات چیت کی' جو حکومت پاکستان کے ایجوکیشن سیکرٹری ہونے کے علاوہ اس تحقیقاتی کمیٹی کے سربراہ بھی رہ چکے ہیں' جس نے چند سال ہوئے علامہ اقبال کے سال پیدائش کی جانچ پڑتال کی تھی۔ انہوں نے فرمایا کہ ان کی کمیٹی نے ملک کے مختلف اداروں کے رجسٹروں میں علامہ کی تاریخ پیدائش کا جائزہ لیا تھا' جن میں سیالکوٹ کی میونسپل کمیٹی کا رجسٹر' گورنمنٹ کالج اور پنجاب یونیورسٹی اور شاید ہائی کورٹ کے رجسٹر بھی شامل ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ان میں جہاں بھی عیسوی تاریخ پیدائش درج تھی' وہ بے شک ۱۸۷۶ء ہی تھی' لیکن آخری فیصلہ علامہ کے جرمنی والے تحقیقی مقالے میں دی گئی ہجری تاریخ ہی پر منحصر کیا گیا' کیونکہ علامہ اقبال نے کہیں بھی مختلف ہجری تاریخ تحریر نہیں کی۔

اس سے پیشتر لندن کے پاکستانی سفارت خانے کے تعلیمی اتاشی، پروفیسر نذیر احمد* صاحب نے بھی مجھ سے یہی بات کہی تھی۔ وہ بھی حکومت کی اس تحقیقاتی کمیٹی کے رکن (بلکہ شاید سیکرٹری) رہ چکے ہیں۔۸۔ اب کہ یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ خود حضرت علامہ نے کیمبرج اور میونخ میں دو مختلف ہجری تاریخیں درج کی ہیں (یعنی ذی قعدہ اور محرم) تو ڈاکٹر اجمل صاحب کا استدلال صحیح نہیں رہتا، اور یہی امر قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ ان کا سال ولادت ۱۸۷۶ء ہی ہوگا۔ یاد رہے کہ میونخ میں درج شدہ ہجری تاریخ کے ساتھ ہی علامہ نے اس وقت بھی عیسوی سنہ ۱۸۷۶ء ہی لکھا ہے۔ یعنی اگر ایک تاریخ غلط ہے، تو وہ غلطی غالباً" ہجری سال ہی میں ہے اور سہوِ حافظہ سے علامہ نے ۱۲۹۳ھ کے بجائے ۱۲۹۴ھ لکھ دیا (کیونکہ ۱۲۹۴ھ اور ۱۸۷۶ھ دونوں بیک وقت صحیح نہیں ہو سکتے)۔

علامہ کے صحیح سنہ پیدائش کے ۱۸۷۶ء ہونے کا ایک اور ثبوت فقیر سید وحید الدین صاحب کی کتاب "روزگار فقیر" سے بھی ملتا ہے:۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب ۱۹۳۱ء میں (دوسری راؤنڈ ٹیبل کانفرس میں شریک ہونے کے لئے) انہوں نے انٹرنیشنل پاسپورٹ کے لئے درخواست، دی، تو اس میں بھی اپنا سال پیدائش ۱۸۷۶ء ہی درج کیا۔ فقیر صاحب نے اپنی کتاب میں اس پاسپورٹ کی عکسی نقل بھی شائع کی ہے۔۹۔ وہاں تاریخ ولادت صرف ۱۸۷۶ء درج ہے، مہینہ نہیں دیا گیا۔ بر سبیل تذکرہ یہاں یہ کہنا شاید مناسب ہو کہ سیالکوٹ میونسپل کمیٹی کے رجسٹر پیدائش میں ۱۸۷۳ء میں شیخ نور محمد صاحب (عرف شیخ نتھو) کے یہاں ایک لڑکے کی پیدائش کا جو اندراج ملتا ہے، وہ فقیر وحید الدین صاحب کے خیال میں کسی ایسے لڑکے سے متعلق ہے جو علامہ اقبال کی پیدائش سے چند برس قبل پیدا ہو کر شیر خواری کی عمر میں فوت ہو گیا تھا۔ اس کمیٹی کے رجسٹر میں ۱۸۷۶ء یا ۱۸۷۷ء میں شیخ نور محمد صاحب کے یہاں کسی اور لڑکے کی پیدائش درج نہیں ہے، لیکن پچھلے ماہ جب میں نے اپنے والد صاحب سے (جو ریٹائرڈ سیشن جج ہیں ۱۰) اس بارے میں استفسار کیا تو انھوں نے فرمایا کہ جہاں تک انھیں یاد پڑتا ہے، گورنمنٹ آف انڈیا کا Births and Deaths Registration Act

* افسوس کہ وسط ۲۰۰۲ء میں موصوف کا انتقال ہو گیا۔

۱۸۸۷ء کے لگ بھگ پاس ہوا تھا' چنانچہ اس سے پیشتر پیدائش کا اندراج لازمی نہیں تھا۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ لنکنز ان کے رجسٹر میں شیخ محمد اقبال کو اپنے والد کا دوسرا بیٹا ظاہر کیا گیا ہے' جو اس امر سے اتفاق رکھتا ہے کہ علامہ کے صرف ایک بڑے بھائی اس وقت زندہ تھے' یعنی شیخ عطاء محمد صاحب' جو ۱۹۴۰ء میں فوت ہوئے۔

میں اپنی تحقیقات کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ علامہ اقبال کی صحیح تاریخ پیدائش یقیناً" ۱۸۷۶ء ہی تھی' اور وہ محرم ۱۲۹۳ء یعنی جنوری فروری ۱۸۷۶ء میں پیدا ہوئے تھے۔ اس تاریخ سے صرف ان کی میونخ یونیورسٹی کے تحقیقاتی مقالے والی ہجری تاریخ ولادت ہی اختلاف رکھتی ہے' لیکن جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے وہاں بھی سنہ عیسوی ۱۸۷۶ ہی درج ہے۔ مزید برآں اس میں درج شدہ ہجری سنہ (۱۲۹۴ھ) اس لئے بھی مشکوک ہے کہ وہ ان کے بیان کردہ عیسوی سنہ (۱۸۷۶ء) سے مطابقت نہیں رکھتا۔

میرا ذاتی خیال یہی ہے کہ ٹرنٹی کالج کیمبرج میں درج شدہ تاریخ (محرم ۱۸۷۶ء) سب سے زیادہ قابل یقین ہے۔ اگر یہ تاریخ صحیح تسلیم کی جائے تو ایک دلچسپ اور اہم بات یہ ظاہر ہوتی ہے کہ مسلمانانِ ہند کے لئے یہ سال (۱۸۷۶ء) ایک بے حد مبارک سال تھا' کیونکہ اس کے آغاز میں علامہ اقبال پیدا ہوئے اور اس کے آخر میں قائداعظم۔ یعنی عالم اسلام کے دو مایہ ناز ستارے اسی مبارک سنہ میں ظہور پذیر ہوئے۔ بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ جس برہمن نے کہا تھا کہ یہ سال اچھا ہے' اسے کیا معلوم تھا کہ اس سال کے دوران میں پیدا ہونے والے ایک برہمن زادے کے پیش کردہ تصور کی بنیاد پر ہندوستان کے ایک حصے میں' ایک عظیم الشان اسلامی مملکت وجود میں آئے گی۔

آخر میں' میں صرف یہ کہنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ اگرچہ حکومت پاکستان کے فیصلے کے مطابق ہم نے ۱۹۷۷ء میں شاعر مشرق کا صد سالہ جشن ولادت منایا' مگر اس سے حکیم الامت کے کارناموں اور ان سے ہماری عقیدت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ بقول شیکسپیئر' گلاب کو کسی نام سے بھی پکارا جائے' اس کی خوشبو ویسی ہی عطر بیز رہتی

ہے۔ چنانچہ علامہ اقبال خواہ ۱۸۷۶ء میں پیدا ہوئے ہوں' یا ۱۸۷۷ء میں' اصل سوال یہ ہے کہ کیا ہمارے قومی اعمال و کردار ان کے شایان شان ہیں یا نہیں؟ شاعر مشرق ہی کہہ گئے ہیں:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اب کیا معلوم کہ ہماری ہدایت کے لئے ایک مدت تک "دگر دانائے راز آید کہ ناید"۔ ہم سب کی دعا اور کوشش یہی ہونی چاہئے کہ علامہ اقبال کی دو صد سالہ سالگرہ جب منائی جا رہی ہو' تو ان کا تخلیق کیا ہوا ملک پاکستان اور ان کی جگائی ہوئی ملت اسلامیہ ترقی اور شوکت کی شاہراہ پر آج سے کئی ہزار فرسنگ آگے نکل چکی ہو۔

(جنگ' لندن۔ ۲۰ ستمبر ۱۹۷۷ء)

حواشی

۱۔ یعنی ۱۹۷۶ء میں۔

۲۔ یہ عکس کتاب کے آخر میں ضمیمہ نمبر ۵ میں ملاحظہ کیجئے۔

۳۔ پس تحریر: اب میری مزید تحقیق کے نتیجے میں یہ ثابت ہوا ہے کہ ڈاکٹر گیسکل کو اس بیان میں تسامح ہوا ہے۔ دراصل ۷ مارچ ۱۹۰۷ء کو کیمبرج یونیورسٹی کے خصوصی بورڈ برائے علم اخلاقیات نے اقبال کے پیش کردہ مقالے کے حکم (Referees) مقرر کئے تھے۔ متعلقہ شذرات میں کسی "خصوصی اجازت" کا ذکر نہیں ملتا۔ مزید معلومات کے لئے دیکھئے میری نئی کتاب "نوادر اقبال یورپ میں" (مطبوعہ لاہور' ۱۹۹۵ء)۔ (درانی' ایمسٹرڈیم ایئر پورٹ۔ ۲۳ ستمبر ۱۹۹۵ء)۔

۴۔ ان کا عکس بھی ضمیمہ نمبر ۵ میں دیکھئے۔

۵۔ پس تحریر: صد افسوس کہ ستمبر ۱۹۷۸ء میں میرے اس عزیز بھائی' پاکستان کے مایۂ ناز سپوت' اور حکومت کے ایک اعلیٰ افسر کا ۴۲ سال کی نوجوان عمر میں انتقال ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون (درانی)۔

۶۔ پس تحریر: چند سال ہوئے (یعنی اکتوبر ۱۹۸۷ء میں) میں نے میونک میں علامہ کی ایک بالکل تازہ اور

مختلف تاریخ ولادت دریافت کی ہے۔ یہ انہوں نے 41 Schellingstr., Munich میں اپنے مختصر قیام کے دوران (یعنی وسط اکتوبر ۱۹۰۷ء سے اوائل نومبر ۱۹۰۷ء تک۔ دیکھئے کتاب ہذا میں اقبال کے خطوط نمبر ۱ تا ۳ بنام مس ایما ویگے ناسٹ' ص ۱۹۲ تا ۱۹۴) اس مکان کے رجسٹر برائے مہمانان میں درج کی ہے اور یہ ہے' ۱۰ جولائی ۱۸۷۶ء۔ چنانچہ ع خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھئے! مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے میری نئی کتاب "نوادر اقبال یورپ میں" مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان' ۱۹۹۵ء (درانی' فرائی برگ' جرمنی ۹۔ اگست ۱۹۹۵ء)۔

۷ ۔ افسوس کہ ڈاکٹر صاحب کا' جو ایک عالم تبحر (اور میرے قرابت دار بھی) تھے' آخر جنوری ۱۹۹۳ء میں انتقال ہو گیا۔ (درانی' اگست ۱۹۹۵ء)

۸ ۔ پس تحریر : پچھلے چند سال میں میں نے کئی مرتبہ نذیر احمد صاحب سے (جواب حکومت پاکستان میں جوائنٹ سیکرٹری کی حیثیت سے National Documents کو منظم کرنے پر مامور ہیں) درخواست کی ہے کہ اگر ہو سکے تو وہ اس کمیٹی کی روداد اور فیصلوں کی ایک نقل (یا ان کا خلاصہ) مجھے بھم پہنچائیں۔ مگر انہوں نے بتایا ہے کہ باوجود تلاش بسیار وہ یہ فائل برآمد نہیں کر سکے۔ یا للعجب! (درانی' برمنگھم۔ یکم جون ۱۹۹۶ء) ۔

۹ ۔ پس تحریر : یہ پاسپورٹ میں نے متحف اقبال' لاہور' میں چند ہی روز ہوئے خود دیکھا ہے۔ (درانی۔ برمنگھم' ۲۶ جنوری ۱۹۹۶ء)۔

۱۰ ۔ میرے والد بزرگوار کا انتقال بروز ۱۳ دسمبر ۱۹۸۳ء لاہور میں ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ (درانی)

۔ ۳ ۔

اقبال کے استادِ مُشفق، سر طامس آرنلڈ

اردو ادب سے لگاؤ رکھنے والا وہ کون شخص ہوگا' جو سر طامس آرنلڈ (Sir Thomas Arnold) کے نام نامی سے شناسا نہ ہوگا۔ ان کا اثر اردو ادب بلکہ اسلامی تہذیب پر کئی پہلوؤں سے پڑا ہے۔ اردو ادب کے طالب علموں کو سر طامس کے نام سے بالعموم "بانگ درا" اور بالخصوص اس کے دیباچے کی وساطت سے واقفیت ہوتی ہے۔ اس دیباچے میں شیخ سر عبدالقادر' سابق مدیر "مخزن" تحریر فرماتے ہیں:

> "سیالکوٹ میں ایف۔ اے کے درجہ تک تعلیم تھی۔ بی اے کے لئے شیخ محمد اقبال کو لاہور آنا پڑا۔ انہیں علم فلسفہ کی تحصیل کا شوق تھا۔ اور انہیں لاہور کے اساتذہ میں ایک شفیق استاد ملا' جس نے فلسفہ کے ساتھ ان کی مناسبت دیکھ کر انہیں خاص توجہ سے پڑھانا شروع کیا۔ پروفیسر آرنلڈ صاحب' جو اب سر ٹامس آرنلڈ ہو گئے ہیں' اور انگلستان میں مقیم ہیں' غیر معمولی قابلیت کے شخص ہیں۔ قوتِ تحریر ان کی بہت اچھی ہے' اور وہ علمی جستجو اور تلاش کے طریق جدید سے خوب واقف ہیں۔ انہوں نے چاہا کہ اپنے شاگرد کو اپنے مذاق اور اپنے طرز عمل سے حصہ دیں' اور وہ اس ارادہ میں بہت کامیاب رہے۔ پہلے انہوں نے علی گڑھ کالج کی پروفیسری کے زمانے میں اپنے دوست مولانا شبلی مرحوم کے مذاق علمی کے پختہ کرنے میں کامیابی حاصل کی تھی۔ اب انہیں یہاں ایک اور جوہر قابل نظر آیا' جس کے

چکانے کی آرزو ان کے دل میں پیدا ہوئی۔ اور جو دوستی اور محبت استاد اور شاگرد میں پہلے دن سے پیدا ہوئی' وہ آخرش شاگرد کو اپنے استاد کے پیچھے انگلستان تک لے گئی' اور وہاں یہ رشتہ اور بھی مضبوط ہو گیا۔ اور آج تک قائم ہے آرنلڈ خوش ہے کہ میری محنت ٹھکانے لگی اور میرا شاگرد علمی دنیا میں میرے لئے بھی باعث شہرت افزائی ہوا۔ اور اقبال معترف ہے کہ جس مذاق کی بنیاد سید میر حسن نے ڈالی تھی اور جسے درمیان میں داغ کے غائبانہ تعارف نے بڑھایا' اس کے آخری مرحلے آرنلڈ کی شفیقانہ رہبری سے طے ہوئے"۔

کچھ آگے چل کر اسی دیباچے میں شیخ عبدالقادر کہتے ہیں:

"۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک اقبال کی شاعری کا دوسرا دور شروع ہوا۔ یہ وہ زمانہ ہے جو انہوں نے یورپ میں بسر کیا۔ گو وہاں انہیں شاعری کے لئے نسبتاً" کم وقت ملا' اور ان نظموں کی تعداد جو وہاں کے قیام میں لکھی گئیں' تھوڑی ہے' مگر ان میں ایک خاص رنگ وہاں کے مشاہدات کا نظر آتا ہے۔ اس زمانے میں دو بڑے تغیر ان کے خیالات میں آئے۔ ان تین سالوں میں سے دو سال ایسے تھے' جن میں میرا بھی وہیں قیام تھا اور اکثر ملاقات کے موقعے ملتے رہتے تھے۔ ایک دن شیخ محمد اقبال نے مجھ سے کہا کہ ان کا ارادہ مصمم ہو گیا ہے کہ وہ شاعری کو ترک کر دیں اور قسم کھا لیں کہ شعر نہیں کہیں گے اور جو وقت شاعری میں صرف ہوتا ہے' اسے کسی اور مفید کام میں صرف کریں گے۔ میں نے ان سے کہا کہ ان کی شاعری ایسی شاعری نہیں ہے' جسے ترک کرنا چاہئے' بلکہ ان کے کلام میں وہ تاثیر ہے' جس سے ممکن ہے کہ ہماری درماندہ قوم اور ہمارے کم نصیب ملک کے

امراض کا علاج ہو سکے۔ اس لئے ایسی مفید خداداد طاقت کو بیکار
کرنا درست نہ ہوگا۔ شیخ صاحب کچھ قائل ہوئے کچھ نہ ہوئے
اور یہ قرار پایا کہ آرنلڈ صاحب کی رائے پر آخری فیصلہ چھوڑا
جائے۔ اگر وہ مجھ سے اتفاق کریں تو شیخ صاحب اپنے ارادۂ
ترک شعر کو بدل دیں گے اور اگر وہ شیخ صاحب سے اتفاق کریں
تو ترک شعر اختیار کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ علمی دنیا کی
خوش قسمتی تھی کہ آرنلڈ صاحب نے مجھ سے اتفاق رائے کیا'
اور فیصلہ یہی ہوا کہ اقبال کے لئے شاعری کو چھوڑنا جائز نہیں'
اور جو وقت وہ اس شغل کی نذر کرتے ہیں' وہ ان کے لئے بھی
مفید ہے اور ان کے ملک و قوم کے لئے بھی مفید ہے"۔

ان اقتباسات سے ظاہر ہے کہ نہ صرف اردو زبان بلکہ کل عالم اسلام پر سر طامس آرنلڈ کا کس قدر احسان ہے۔ اگر وہ اقبال کو فلسفے سے روشناس نہ کرتے' اور بعد ازاں انہیں شاعری جاری رکھنے کا مشورہ نہ دیتے' تو شاید پاکستان معرض وجود میں نہ آتا' اور ادبِ عالم اور دنیائے اسلام ایک بے مثال شاعر' فلسفی اور دانائے راز سے محروم رہ جاتی۔

خود اقبال کی زبان سے اپنے استاد کے بارے میں جو تحریریں نکلی ہیں' ان میں سے سب سے زیادہ مشہور ان کی نظم "نالہ فراق (آرنلڈ کی یاد میں)" (مطبوعہ بانگ درا) ہے۔ یہ نظم ۱۹۰۴ء میں لکھی گئی تھی' جبکہ علامہ اقبال گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفے کے استاد تھے۔ اس نظم کے چند اشعار یوں ہیں:

جا بسا مغرب میں آخر اے مکاں تیرا مکیں
آہ! مشرق کی پسند آئی نہ اس کو سر زمیں
.... یادِ ایام سلف سے دل کو تڑپاتا ہوں میں
بہرِ تسکیں تیری جانب دوڑتا آتا ہوں میں

یہ بند دیکھئے:

ذرہ میرے دل کا خورشید آشنا ہونے کو تھا　　آئنہ ٹوٹا ہوا' عالم نما ہونے کو تھا
نخل میری آرزوؤں کا ہرا ہونے کو تھا　　آہ! کیا جانے کوئی' میں کیا سے کیا ہونے کو تھا

ابرِ رحمت دامن از گلزار من برچید و رفت
اند کے بر غنچہ ہائے آرزو بارید و رفت

اور آخر میں:

اب کہاں وہ شوق رہ پیمائی صحرائے علم!
تیرے دم سے تھا ہمارے سر میں بھی سودائے علم
...... کھول دے گا دست وحشت عقدۂ تقدیر کو
توڑ کر پہنچوں گا میں پنجاب کی زنجیر کو

یہ جناب آرنلڈ ہی کی حوصلہ افزائی اور کوششوں کا نتیجہ تھا کہ جواں سال اقبال کیمبرج یونیورسٹی میں مزید تعلیم کے لئے گئے' اور وہاں انہیں ٹرنٹی کالج میں داخلہ ملا (ورنہ جیسا کہ علامہ اقبال نے پنجاب یونیورسٹی کے رجسٹرار اور اورینٹل کالج لاہور میں سنسکرت کے پروفیسر جناب الفرڈ سٹریٹن (Dr A. W. Stratton) کی ناگہانی موت پر اپنے تعزیتی خط میں مسز سٹریٹن کو ۱۹۰۳ء میں لکھا'[۱] وہ کسی امریکی یونیورسٹی میں داخلہ لینے کے متعلق بھی سوچ رہے تھے اور انہوں نے پروفیسر سٹریٹن سے' جو کینیڈا کے مولود مگر امریکہ کے تعلیم یافتہ تھے' اس سلسلے میں استفسارات بھی کئے۔)

پروفیسر آرنلڈ سے جو روحانی اعتقاد انہیں کیمبرج میں تعلیم کے دوران اور تا دم آخر رہا' اس کی ایک مثال ان کا وہ انتساب بھی ہے' جو یورپ میں ان کی چھپنے والی سب سے پہلی کتاب میں انہوں نے کیا ہے۔ یہ کتاب ان کے پی ایچ۔ ڈی کے مقالے پر مبنی ہے' جس پر انہوں نے کیمبرج (اور میونخ) میں ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۷ء تک کام کیا تھا۔ اس کتاب یعنی "ایران میں علم مابعد الطبیعیات کا ارتقاء" Development of Metaphysics in Persia (مطبوعہ لندن' ۱۹۰۸ء) کے صفحہ اول پر یہ تحریر درج ہے' جس کا عکس آیندہ صفحے پر پیش کیا جاتا ہے:

DEDICATION

TO

Professor T. W. ARNOLD M. A.

My dear MR. ARNOLD,

This little book is the first-fruit of that literary and philosophical training which I have been receiving from you for the last ten years, and as an expression of gratitude I beg to dedicate it to your name. You have always judged me liberally; I hope you will judge these pages in the same spirit

Your affectionate pupil

IQBAL.

"ایران میں علم مابعد الطبیعیات کا ارتقاء" میں پروفیسر آرنلڈ کے نام اقبال کا

انتساب ("از نسخہ برنگم")

سرطامس واکر آرنلڈ (۱۹ اپریل ۱۸۶۴ء تا ۹ جون ۱۹۳۰ء)

(تصویر بہ شکریہ جناب ڈاکٹر لارنس بارفیلڈ)

انتساب

بنام پروفیسر ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ ایم۔ اے

مشفقِ من جناب آرنلڈ صاحب،

یہ چھوٹی سی کتاب اس ادبی اور فلسفیانہ تربیت کا میوۂ نخستیں ہے، جو میں گذشتہ دس برس سے آپ سے پا رہا تھا۔ اور بطور اظہار تشکر، میں یہ کتاب آپ کے نام سے منسوب کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ آپ نے ہمیشہ میری ناچیز کوششوں کو بکمال فراخ دلی سراہا ہے۔ مجھے امید ہے کہ ان صفحات کو بھی آپ اسی نظر شفقت سے دیکھیں گے۔

آپ کا نیاز کیش شاگرد

اقبال ۲۔

استاد کے دل میں اپنے ہونہار شاگرد کا جو احترام تھا، اس کا ایک ثبوت عطیہ بیگم (فیضی) کی ایک تحریر سے بھی ملتا ہے، جس میں وہ بتاتی ہیں کہ کیسے جون ۱۹۰۷ء میں پروفیسر آرنلڈ نے اقبال کو جرمنی میں، ایک نایاب عربی مخطوطے کے مطالعے کے لئے بھیجنے کا ان الفاظ میں ذکر کیا کہ "اس ذمہ دارانہ کام کے لئے تم ہی موزوں آدمی ہو"۔ جب اقبال نے کہا کہ وہ اپنے استاد کے مقابلے میں مبتدی ہے، تو پروفیسر آرنلڈ نے جواب دیا۔ "مجھے پختہ یقین ہے کہ اس معاملے میں شاگرد استاد سے بازی لے جائے گا"۔ ۳۔

میرے دوست ڈاکٹر لارنس بارفیلڈ (Dr Lawrence Barfield) برمنگھم یونیورسٹی میں "تاریخ قدیم و آثار عتیقہ" کے شعبے میں سینئر لیکچرار ہیں۔ وہ سرطامس آرنلڈ کے نواسے ہیں۔ انہوں نے مجھے وہ البم دکھایا ہے جو ان کی والدۂ ماجدہ (یعنی نینسی آرنلڈ، بعد ازآں مسز بارفیلڈ) نے اپنے گرامی قدر باپ کی وفات پر مرتب کیا تھا۔ (کیونکہ لیڈی آرنلڈ ان دنوں بیمار تھیں، اور اس سے اگلے سال ان کا انتقال ہو گیا تھا)۔ اس میں انہوں نے تمام اکابر اور احباب کے وہ پیغامات تعزیت جمع کئے ہیں،

جو سرطامس کی وفات پر ان لوگوں نے لیڈی آرنلڈ کے نام لکھے تھے۔ ان میں علامہ اقبال کا ایک دل گداز خط بھی ہے جو ان کے دست خاص میں تحریر ہے۔ اس خط کی عکسی نقل میں نے حاصل کرلی ہے، جو، مع اس کے Typescript کے، منسلک ہذا ہے۔ خط کا ترجمہ میں نیچے درج کرتا ہوں:

لاہور

۱۶ جولائی ۱۹۳۰ء

محترمہ لیڈی آرنلڈ،

میرے لئے آپ کو اور نینسی (Nancy) کو یہ بتانا ناممکن ہے کہ جب سرطامس آرنلڈ کی ناگہانی وفات کی خبر ہم تک ہندوستان میں پہنچی، تو ہم سب کو کس قدر دلدوز صدمہ ہوا۔ آپ کو یہ بخوبی معلوم ہے کہ سرطامس سے ان کے شاگردوں کو، اور ان تمام لوگوں کو جو ان سے واقف تھے، کس قدر محبت و عقیدت تھی۔ مجھے معلوم ہے کہ صدمے کے الفاظ، آپ کو اور آپ کی صاحبزادی نینسی کو بہت کم تقویت پہنچا سکتے ہیں، لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کے غم میں نہ صرف انگلستان، بلکہ ہندوستان اور باقی دنیا کے ان تمام ممالک کے لوگ شریک ہیں، جہاں سرطامس کا نام بحیثیت ایک مستشرق کے معروف تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ ان کی وفات سے نہ صرف برطانوی دنیائے علم کو، بلکہ دنیائے اسلام کو بے حد نقصان پہنچا ہے، جس کے فکر و ادب کی والہانہ خدمت میں آنجہانی نے تا دمِ آخر کمی نہ آنے دی۔ میرے لئے یہ زیاں ایک ذاتی حیثیت رکھتا ہے، کیونکہ یہ انہی کا اثرِ صحبت تھا، جس نے میری روح کی تربیت کی، اور اسے جادۂ علم پر گامزن کیا۔ یہ صحیح ہے کہ دنیاوی نقطۂ نظر سے ان کی زندگی کا تابندہ شعلہ اب خاموش ہو چکا ہے، لیکن میرا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ وہ لوگ جو، سر طامس کی طرح، اپنی زندگی کو محبت اور خدمت کے لئے وقف کرتے ہیں، ان کے لئے موت "مزید روشنی" کے مصداق ہے۔

میں تہ دل سے دعا کرتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ ان کی شفیق روح کو جاوداں امن و عافیت بخشے، اور آپ کو اور نینسی کو یہ حوصلہ عطا کرے کہ ان کی ناگہانی موت کا

Letter from Iqbal to Lady Arnold on the occasion of the death

of Sir Thomas Arnold

DR. SIR MUHAMMAD IQBAL,
M.L.C.
BARRISTER-AT-LAW.

LAHORE.
.... 19
16th July 1930

My dear Lady Arnold,

It is impossible for me to tell you and Nancy of the terrible shock which came to us all when the news of the untimely death of Sir Thomas Arnold arrived in India. As you know he was loved by his pupils and all those who came into contact with him otherwise. I know words expressive of grief can bring but little consolation to you; but I assure you that your grief is shared by people in England, India and all those countries where his work as a great Orientalist was known. Indeed his death is a great loss to British Scholarship as well as to the world of Islam whose thought and literature he served with unabated zeal till the last moment of his earthly life. To me his loss is personal, for it was his contact that formed my soul & put it on the road to knowledge. No doubt from our point of view that luminous flame of life is now extinguished, but it is my firm conviction that to those who, like him, devote their life to love and service death means only 'more light'.

I earnestly pray that God may grant eternal peace to his loving soul & may give you & Nancy fortitude enough to bear with patience the loss caused by his untimely death.

Yours sincerely,

Mohammad Iqbal

علامہ اقبال کے خط کا انگریزی ٹائپ اسکرپٹ

DR. SIR MUHAMMAD IQBAL M.A.
BARRISTER-AT-LAW

LAHORE
19

16th July 1930

My dear Lady Arnold,

It is impossible for me to tell you [illegible] of the terrible shock which came to us all when the news of the untimely death of Sir Thomas Arnold arrived in India. As you know he was loved by his pupils and all those who came into contact with him elsewhere. I know words expressive of sympathy can bring but little consolation to you, but I assure you that your grief is shared by people in England, India and all those countries where his work as a great Orientalist was known. Indeed his death is a great loss to British scholarship as well as to the world of Islam which through its literature he served with unabated zeal till the last moment of his earthly life. To me his loss is personal, for it was his contact that formed my soul & put it on the road to knowledge. As truth from one point of view that luminous flame of life is now extinguished, but it is very poor consolation that to those who, like him, devote their life to love & service death means only 'more light'.
I earnestly pray that God may grant eternal peace to his loving soul & may give you & family fortitude enough to bear with patience the loss caused by his untimely death.

Yours sincerely,
Mohammad Iqbal

سرٹامس آرنلڈ کی وفات پر علامہ اقبال کا تعزیتی خط بنام لیڈی آرنلڈ

صدمہ' آپ صبر کے ساتھ برداشت کر پائیں۔

آپ کا مخلص
محمد اقبال

اس البم میں جس چیز سے میں خاص طور پر متاثر ہوا ہوں' وہ اس والہانہ محبت اور عقیدت کا اظہار ہے' جو تقریباً" ہر تعزیت کرنے والے نے سر طامس کی ذات کے ساتھ کیا ہے۔ بار بار ہر مکتوب نگار نے یہی کہا ہے کہ میں طامس آرنلڈ کو اپنا بہترین اور مخلص دوست سمجھتا تھا۔ اور یہ کہ سب سے زیادہ دکھ جو مجھے ہوا ہے' وہ اس بات کا ہے کہ میں اس سچے اور گرم دل دوست کی دوستی سے محروم ہو گیا ہوں۔ پروفیسر آرنلڈ کی ذات میں کس قدر من موہنی خوبیاں ہوں گی کہ ان کا ہر دوست انہیں اپنا بہترین اور گہرا دوست سمجھتا تھا۔

ان تعزیت نگاروں میں اقبال کے علاوہ کئی اور شہرۂ آفاق اشخاص بھی شامل ہیں' مثلاً مشہور سیاح و عالم حیقیات سر مارک آرل شائن (Sir Marc Aurel Stein)' نامور تاریخ دان پروفیسر آرنلڈ ٹائن بی (Arnold J. Toynbee)' آکسفورڈ یونیورسٹی کے کورپس کرسٹی کالج کے پریذیڈنٹ ڈاکٹر پی۔ ایس۔ ایلن (Dr Percy S. Allen)' سکول آف اورینٹل سٹڈیز لندن کے ڈائریکٹر سر ای۔ ڈینیسن راس (Sir E. Denison Ross)' سر راس مسعود اور علامہ عبداللہ یوسف علی' وغیرہ وغیرہ۔

سر طامس کی وفات کے بعد ان پر بہت سے مضامین مختلف سوسائٹیوں کے جریدوں میں شائع ہوئے ہیں۔ ان میں خاص طور سے قابل ذکر یہ مضامین ہیں : سر مارک آرل شائن کا مضمون "Thomas Walker Arnold, 1864_1930" مطبوعہ Proceedings of the British Academy, Volume XVI (1930; pp.439-474)' سر تھیوڈور ماریسن اور پروفیسر گب کا تبصرہ "Sir Thomas Arnold" : by Sir Theodore Morison and Professor H. A. R. Gibb' مطبوعہ The Journal of the Central Asian Society (October 1930)' لندن ٹائمز میں ان کی وفات

کا خبر نامہ مورخہ ۱۱ جون ۱۹۳۰ء۔ اور لندن سے شائع ہونے والے جریدے "روزگار نو" (جلد ۲، شمارۂ چہارم، ۱۹۴۳ء) میں مطبوعہ مضمون "خاور شناسان بزرگ انگلیسی (۵)" تحریر از ای داؤد۔ ان رسالوں اور مضامین میں فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں، سر طامس آرنلڈ کی زندگی کے مختصر حالات، اور ان کے ادبی شاہکاروں کا کچھ تذکرہ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

طامس واکر آرنلڈ (جو مشہور انگریز ادیب میتھیو آرنلڈ، اور ان کے والد، یعنی رگبی Rugby اسکول کے مشہور ہیڈ ماسٹر، ڈاکٹر طامس آرنلڈ، سے کوئی رشتہ نہیں رکھتے) ۱۹ اپریل ۱۸۶۴ء کو جنوبی انگلستان میں بمقام ڈیون پورٹ (Devonport) پیدا ہوئے، جہاں ان کے والد لوہے کے سازو سامان کا کاروبار کرتے تھے۔ ایام طفولیت میں ان کی صحت کچھ اچھی نہیں تھی، اور وہ شہروں سے زیادہ تر دور ہی رکھے گئے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم "سٹی آف لندن سکول" میں پائی، جہاں انہوں نے سنسکرت زبان سیکھی۔ اس کے بعد وہ ۱۸۸۳ء میں Megdalene College کیمبرج میں داخل ہوئے۔ کیمبرج میں انہوں نے کئی ایک مستشرقین سے استفادہ کیا، جن میں پروفیسر Robertson Smith اور Cowell شامل ہیں۔ یہاں انہوں نے مشرقی زبانوں کے علاوہ کئی ایک مغربی زبانوں پر بھی دسترس حاصل کی، مثلاً اطالوی، ڈچ، ہسپانوی، پرتگیزی اور روسی زبانیں۔ ماڈلین کالج کیمبرج میں تعلیم کے دوران میں انہوں نے اسلام پر ایک مضمون لکھا، جو انعامی مقابلے میں شامل ہوا (اگرچہ یہ انعام انہیں نہیں ملا)۔ کیمبرج کا ٹرائی پوس (Tripos) کا امتحان انہوں نے ۱۸۸۶ء میں کامیابی سے پاس کیا[۴]۔ (اور ۱۹۱۷ء میں وہ اس کالج کے آنریری فیلو بھی منتخب ہوئے)۔

کیمبرج میں تعلیم کے خاتمے کے بعد، ان کے پرانے دوستوں تھیوڈور بیک (Theodore Beck) [۵] اور مسٹر (بعد ازاں سر) تھیوڈور ماریسن صاحبان نے اور پروفیسر والٹر رالے (Sir Walter Raleigh) نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ ایم اے او کالج علی گڑھ میں معلمی کی اسامی قبول کریں، جہاں پروفیسر بیک ان دنوں پرنسپل تھے اور مسٹر ماریسن پروفیسر تھے۔ چنانچہ آرنلڈ صاحب ۱۸۸۸ء میں علی گڑھ میں پروفیسر

مقرر ہوئے۔۶۔ پروفیسر آرنلڈ پر سرسید احمد خاں کا (جو اس مدرسے کے بانی تھے) بہت اثر ہوا اور یہ انہی کے اثر کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے ۱۸۹۶ء میں ایک کتاب شائع کی (جس کا بہت سا مواد وہ کیمبرج ہی میں جمع کر چکے تھے)' جس کا نام تھا Preaching of Islam (یعنی "تبلیغ اسلام")۔ یہ کسی مغربی مصنف کی لکھی ہوئی سب سے پہلی کتاب تھی' جس میں پورے عیون و شواہد سے یہ بات ثابت کی گئی تھی کہ دنیا میں اسلام تلوار کے زور سے نہیں بلکہ قرآن اور حدیث کے پیغام کی مدد سے پھیلا تھا۔ اس زمانے میں Crusades (صلیبی جنگوں) اور بعد از آں یورپ میں کئی صدیوں تک ترکی کی یلغاروں کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بہت تعصب پھیلا ہوا تھا۔ چنانچہ ایک ایسی کتاب کا لکھنا' جس میں عیسائی تحریروں' قدیم بازنطینی ماخذوں اور کئی Jacobite' Nestorian اور مشرقی مذاہب کی تحریروں کے حوالوں سے اس تعصب کو رد کیا گیا ہو' بڑی ہمت اور فراخ دلی کا ثبوت تھا۔

اسلام اور مسلمانوں سے پروفیسر آرنلڈ کی ہمدردی کا ایک اور ثبوت یہ تھا کہ علی گڑھ کے زمانے میں انہوں نے اسلامی لباس پہننا شروع کیا' تاکہ سرسید احمد نے مسلمانوں کی جانب سے انگریزی تہذیب کی طرف جو اقدام کیا تھا' اس کے جواب کی حیثیت سے انگریزوں کی طرف سے کوئی قدم اٹھایا جائے۔ اس زمانے میں برطانوی حکمرانوں اور ان کے محکوموں کی جو ذہنیت تھی اس کے پیش نظر ان کا اسلامی لباس اختیار کرنا ایک بہت اہم اقدام تھا۔ اس کی وجہ سے علی گڑھ کے طلبہ اور اساتذہ میں ان کی ہر دلعزیزی بہت بڑھ گئی تھی' اور اسی بنا پر وہ مولانا شبلی نعمانی' مولوی عباس حسین اور مولوی خلیل احمد کے سے علماء کے ساتھ بہت گھل مل کر کام کر سکے۔۷۔

سرسید کی وفات کے سال' یعنی ۱۸۹۸ء میں' پروفیسر آرنلڈ علی گڑھ کی ملازمت چھوڑ کر Indian Education Servise میں داخل ہو گئے اور گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفے کے پروفیسر کی حیثیت سے تشریف لائے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے' یہاں انہوں نے فلسفے کے مطالعے میں اقبال کی حوصلہ افزائی کی' اور مسلمانوں کی ہر طرح سے مدد کی۔ چنانچہ ۱۹۰۴ء میں جب وہ لاہور سے رخصت ہوئے' تو انجمن حمایت

اسلام اور گورنمنٹ کالج لاہور کے مسلمان طلبہ کی طرف سے انہیں خطبات الوداع پیش کیے گئے۔ لاہور میں وہ اورینٹل کالج کے پرنسپل اور پنجاب یونیورسٹی کے ڈین آف دی اورینٹل فیکلٹی (Dean of the Oriental Faculty) بھی تھے۔ اورینٹل کالج کے پروفیسروں کی طرف سے جو الوداعی خطبات اور نظمیں ان کی خدمت میں پیش کی گئیں، ان سے بھی محبت اور عقیدت کا اظہار ہوتا ہے۔ (دیکھئے حوالہ ۶ ب)۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں وہ ۱۱ فروری ۱۸۹۸ء سے ۲۶ فروری ۱۹۰۴ء تک رہے۔ لاہور میں ان کا مکان ٹمپل روڈ پر تھا (شاید نمبر ۱۸ یا ۲۰)۔ لاہور میں انہوں نے کئی نامور ہستیوں سے واقفیت اور دوستی پیدا کی، مثلاً سرمارک آرل سٹائن اور پروفیسر پی۔ ایس۔ ایلن، جن کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ اور ڈاکٹر فوگل (Dr J. Ph. Vogel) جو ان دنوں ہندوستان کے محکمہ آثار قدیمہ (Indian Archaeological Survey) میں تھے، اور بعد ازآں ہالینڈ میں لائیڈن یونیورسٹی (Leiden University) میں سنسکرت کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ لاہور کے زمانے میں ان کے دوستوں نے انہیں Saint ("ولی") کا لقب دیا، جو آخر زندگی تک محفل یاراں میں مقبول رہا۔

لاہور میں قیام کے دوران، باوجود مختلف تعلیمی مصروفیتوں کے، انہوں نے ایک اور کتاب شائع کی جو "المعتزلہ" کا عربی متن تھا، اور جس میں صوفیا کے سلسلہ معتزلہ کے حالات اور عقائد کا بیان تھا۔

اگرچہ اسی زمانے میں افغانستان میں امیر عبدالرحمٰن کی طرف سے انہیں انگریزی کتابوں کا فارسی ترجمہ کرنے کے انچارج کی حیثیت سے آنے کی دعوت ملی، تاہم انہوں نے ۱۹۰۴ء کے اوائل میں، لندن کی انڈیا آفس کی لائبریری کے نائب لائبریرین کا عہدہ قبول کرنے کا فیصلہ کیا، کیونکہ وہاں تحقیق کے زیادہ مواقع موجود تھے۔ اس زمانے میں انڈیا آفس لائبریری میں عربی اور فارسی کتابوں کا جو خزانہ جمع تھا، وہ دنیا میں بے نظیر تھا۔ (اور غالباً" سات سالہ فیضی کی تعلیم کا مسئلہ بھی ان کو درپیش تھا)۔

اس کے بعد ۱۹۰۹ء میں لارڈ مورلے (Lord Morley) نے لندن میں ایک

تنظیم قائم کی، جس کا مقصد انگلستان میں زیرِ تعلیم ہندوستانی طلبہ کی مدد کرنا تھا۔ اس کے لئے انہوں نے پروفیسر طامس آرنلڈ کو مشیر تعلیم (Educational Adviser) کے طور سے انتخاب کیا۔ یہ بہت جاں فشانی اور استقلال و صبر کا کام تھا، اور مسلسل گیارہ سال تک انہوں نے ہندوستانی طلبہ کی دل و جان سے خدمت کی۔ جس طالب علم کو کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہوتی تھی، سر طامس اس کی امداد کرنے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھتے تھے۔ ان طلبہ کو وہ اپنے ننھے بچے (My Babies) کہتے تھے۔

اسی عرصے میں انہوں نے Encyclopaedia of Islam کے انگریز ایڈیٹر کی حیثیت سے بہت اہم اور یادگار کام کیا۔ یہ دائرۃ المعارف ہالینڈ سے شائع ہو رہا تھا اور پہلی جنگ عظیم کے دوران میں بھی چھپتا رہا۔ انہوں نے اس تصنیف کے لئے کئی مضامین اپنے قلم سے بھی لکھے اور دوسروں سے بھی لکھوائے۔ اسی طرح Encyclopaedia Britannica کے اسلامیات کے ایڈیٹر کی حیثیت سے بھی انہوں نے سالہا سال تک کام کیا۔ وہ اس دوران میں Fellow of the British Academy منتخب ہو چکے تھے۔ انڈیا آفس کی خدمات کی بنا پر ۱۹۱۲ء میں انہیں Companion of the Order of the Indian Empire (C.I.E) کا خطاب ملا۔ اور پھر ۱۹۲۱ء میں سر کا خطاب بھی ملا۔ جب کہ وہ انڈیا آفس سے ریٹائر ہو کر لندن یونیورسٹی میں "دبستان علوم مشرق" میں عربی زبان کے پروفیسر کے عہدے پر فائز ہوئے (Chair of Arabic at the School of Oriental Studies) ۔ اس پروفیسر شپ کے دس سال کے دوران وہ عمر میں پہلی مرتبہ تحقیق و تدقیق اور پژوہش میں، بغیر کسی بیرونی خلل کے، تن من سے لگ کر کام کرنے کے قابل ہو سکے، اور اس مدت میں دنیائے اسلام پر ان کے کئی مزید احسانات ہوئے۔ اس دوران میں ادب و ہنر کے میدان میں جو کارنامے انہوں نے انجام دیے، ان سے اردو دان طبقہ عام طور سے باخبر نہیں ہے، اس لئے ان کی کچھ تفاصیل درج ذیل ہیں:

ان دنوں تو ہر شخص جانتا ہے کہ اسلامی مصوری، خصوصاً" ایرانی اور مغلیہ مصغر تصاویر (Miniatures) کس قدر عظیم و دل پذیر مرقع ہائے ہنر ہیں، لیکن ۱۹۲۰ء

کے لگ بھگ دنیائے علم اس بات سے کم و بیش بے خبر تھی۔ اس میدان میں سر طامس کی سرگرمی کا اندازہ، فن مصوری سے متعلق ان کی مندرجہ ذیل تصانیف سے کیا جا سکتا ہے:

۱۹۲۱ء میں انہوں نے لارنس بنیئن (Laurence Binyon) کے ساتھ مل کر ایک اہم کتاب Court Paintings of the Grand Moghuls (دربار مغلیہ کے مصورین) شائع کی۔

اس کے بعد ۱۹۲۴ء میں شائع ہونے والی کتاب The Caliphate (خلافت) سر طامس کی سالہا سال کی کاوشوں اور تحقیقات کا ثمر تھی۔ ۱۹۲۸ء میں کیمبرج یونیورسٹی میں عربی کے استاد، ڈاکٹر آر۔ اے۔ نکلسن (Dr R. A. Nicholson) کی ساٹھویں سالگرہ پر جو کتاب پروفیسر نکلسن کو پیش کی گئی، اس کے ایڈیٹر بھی سر طامس ہی تھے۔ یہ وہی پروفیسر نکلسن ہیں جنہوں نے اقبال کی کتاب "اسرار خودی" کا ترجمہ کر کے مغربی دنیا کو اقبال سے روشناس کیا تھا۔ یہ ایک طالب علم کے لئے کس قدر مقام نازش و خوش بختی ہے، کہ خود اس کا استاد اس کی کتاب کا ترجمہ کرے۔۸۔ یوں علامہ اقبال خوش قسمت انسان تھے کہ ان کو دو ایسے شفیق اور قدر دان استاد میسر آئے، ایک سر طامس آرنلڈ اور دوسرے پروفیسر رینولڈ نکلسن۔

سر طامس کی باقی کتابوں میں یہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

Survivals of Sasanian and Manichean Art in Persian Painting (ایرانی مصوری میں ساسانی اور مانوی ہنر کے باقیات، مطبوعہ ۱۹۲۴ء)۔

Painting in Islam (اسلام میں مصوری، ۱۹۲۸ء) اور The Islamic Faith (دین اسلام، ۱۹۲۸ء)۔ ان میں بالخصوص "اسلام میں مصوری" نامی کتاب مشرقی ہنر کی تحقیق کا ایک شاہکار ہے، اور پروفیسر آرنلڈ کی عظیم علمیت، تنقیدی ملکے اور عشق ہنر و فن شناسی کی جیتی جاگتی اور شاندار نشانی ہے۔ یہ کتاب کلیرنڈن پریس آکسفورڈ میں چھپی ہے، اور اس کی طباعت اور اس کی تصاویر بے اندازہ خوش نما اور حسین و جمیل ہیں۔

سر ٹامس آرنلڈ (بائیں جانب) اسلامی لباس میں۔ ایم اے او کالج علی گڑھ، قریب ۱۸۹۰ء۔ ان کے ساتھ (دائیں جانب) ایک نامعلوم عالم استادہ ہیں۔ (تصویر بہ شکریہ جناب ڈاکٹر لارنس بارفیلڈ)

ان کی وفات سے کچھ ہی عرصہ پیشتر دو اور عظیم کتابیں شائع ہوئیں' یعنی Bihzad and His Paintings in the Zafarnameh Manuscript (بہزاد' اور ظفرنامے کے مخطوطے میں اس کی نقاشی' ۱۹۳۰ء)۔ اس کتاب میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ "ظفرنامہ" نوشتہ ۸۷۲ھ بمطابق ۱۴۶۷ء میں جو تصاویر شامل ہیں' وہ تمام تر بہزاد کا اثر خامہ ہیں۔ مزید برآں The Islamic Book (اسلامی کتاب' مطبوعہ ۱۹۲۹ء)۔ ان دونوں کتابوں میں پروفیسر گرومن (Professor Adolph Grohmann) جو جرمن یونیورسٹی پراگ میں پروفیسر تھے' ان کے شریک کار تھے۔ آخر الذکر کتاب میں بھی بے شمار تصویری پلیٹیں اس کی تزئین و زیبائش کا باعث ہیں۔

جیسا کہ علامہ اقبال نے لیڈی آرنلڈ کے نام تعزیتی خط میں لکھا ہے' سر طامس آرنلڈ تا دمِ آخر اسلامی ادب و ہنر کی خدمت میں منہمک رہے۔ وفات سے صرف دو ہفتے پیشتر ہی وہ فلسطین' قاہرہ اور قسطنطنیہ وغیرہ میں چھ مہینے تک لیکچروں' خطبوں اور تحقیق کا کام کر کے لندن واپس آئے تھے۔ اور مصر میں قیام کے دوران انہوں نے کئی ایک مزید کتابوں کا مواد حاصل کر لیا تھا۔ مثلاً "اسلام زمانہ جدید میں"۔ اور مشہور ایرانی مصور "رضا عباسی کے حالات زندگی"۔ افسوس کہ وہ یہ کتابیں مکمل نہ کر پائے' اگرچہ وہ آخر دم تک ان پر کام کر رہے تھے (اور وفات سے پانچ روز پہلے' رابندر ناتھ ٹیگور کا انڈیا سوسائٹی میں دیا ہوا لیکچر سن رہے تھے' جس میں ٹیگور اپنے اس انکشاف کا ذکر کر رہے تھے کہ وہ نہ صرف الفاظ بلکہ تصویر کشی Drawing کے ذریعے بھی اظہار خیال کر سکتے ہیں)۔ ۹۔

سر طامس بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ اس کے باوصف وہ بہت منکسر المزاج تھے' جس کی ایک مثال یہ ہے کہ عربی زبان کے بے نظیر ماہر ہونے کے باوجود وہ عربی بولنے سے ہچکچاتے تھے اور مصر میں بھی لیکچر انگریزی میں دیتے تھے۔ وہ ایک بہت ہنس مکھ' پُر مزاح اور خوبصورت ماہر گفتگو (Conversationalist) تھے' اور ان کی ایچ پر ان کے ہم محفل بھی بہت خوبصورت بات چیت کرنے لگتے تھے۔ جیسا کہ اوپر ذکر آیا' وہ اپنے دوستوں میں لاہور کے زمانے سے Saint یا "ولی" کہلاتے تھے۔

اگرچہ وہ جسم و جثہ کے لحاظ سے نہایت کمزور نظر آتے تھے' تاہم وہ عمر بھر بہت ہی کم بیمار رہے۔ آخری سال کے دوران میں ڈاکٹروں نے انہیں بتایا تھا کہ ان کا دل کمزور ہے اور احتیاط کی ضرورت ہے۔ لیکن سر طامس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ زندگی کو طویل کرنے کے لئے وہ اپنی تحقیق اور علمی جدوجہد کو ترک نہ کریں گے' اور یہی فیصلہ بالآخر ان کی موت کا سبب بنا۔ وفات کے وقت ان کی عمر چھیاسٹھ (۶۶) سال تھی۔ ان کا انتقال لندن میں ۹ جون ۱۹۳۰ء کے روز ہوا۔

پروفیسر طامس آرنلڈ کی شادی ۱۸۹۲ء میں پروفیسر ہکسن (Professor G. Hickson) کی صاحبزادی' مے (May) ۱۰ے کے ساتھ ہوئی' جنہیں خود بھی علم و ادب سے بے حد شغف تھا اور جو تمام عمر ان کی ادبی کاوشوں میں شریک رہیں۔ ان کے صرف ایک صاحبزادی تولد ہوئیں۔ وہ ہندوستان میں بروز ۲۸ نومبر ۱۸۹۶ء پیدا ہوئیں۔ ان کا نام نینسی (Nancy May) تھا۔ اور یہ خود بھی کیمبرج یونیورسٹی میں تعلیم پانے کے بعد ایک انجینئر' جناب بارفیلڈ (Barfield) صاحب سے بیاہی گئیں۔ ان کے چار بیٹے ہیں' جن میں سے مجھے ڈاکٹر لارنس بارفیلڈ صاحب سے شرف نیاز حاصل ہے' اور جو علم اور خوش خلقی میں اپنے نانا کی زندہ نشانی ہیں۔۱۱ے سر طامس کے گھر میں جس حقیقی خوشی' یگانگی اور محبت کی چہل پہل تھی' اس کی طرف علامہ اقبال نے اپنے ایک خط بنام مس عطیہ فیضی مورخہ ۳۰ مارچ ۱۹۱۰ء میں بھی اشارہ کیا ہے۔ وہ انہی دنوں حیدر آباد دکن کے دورے سے واپس آئے تھے' جہاں وہ جناب اکبر حیدری کے یہاں قیام پذیر رہے تھے۔ مس عطیہ کے عم زادوں مسٹر اور مسز حیدری کے تلطف و دلنوازی کا بڑی گرم دلی کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد' علامہ یوں رقم طراز ہیں: "میرے دل میں ان دونوں کا بے حد احترام ہے۔ ان کا وہ دوسرا حقیقی گھر ہے' جو میرے دیکھنے میں آیا' پہلا آرنلڈز کا تھا"۔۱۲ے

۱۹۳۱ء میں رائل اکیڈیمی لندن میں ایرانی مصوری کی جو بے حد اہم نمائش ہوئی' اس کا سب اہتمام سر طامس نے کیا تھا۔ یہ نمائش ان کی وفات کے بعد منعقد ہوئی' اور ان سے اظہار احسان کے طور سے نمائش کا ہدایت نامہ (Guide) ان کے

نام سے معنون کیا گیا۔

سر طامس کی وفات کے بعد بہت جلد Sir Thomas Arnold Memorial Fund کے نام سے ایک فنڈ قائم کیا گیا' جس کی اپیل میں انگلستان' یورپ اور ہندوستان کے بے حد نامور مستشرقین اور علمی دنیا کے نمائندے شامل تھے۔ اس اپیل کے جاری کرنے والوں میں ہمیں سر محمد اقبال' سید راس مسعود' علامہ عبداللہ یوسف علی اور سر عبدالقادر کے نام نامی بھی نظر آتے ہیں۔ اس اپیل کا مقصد یہ تھا کہ ایک معقول رقم جمع کی جائے' جس کی مدد سے سر طامس کی السنہ شرقی کی کتابیں خرید کر School of Oriental Studies کے شعبہ عربی کو پیش کی جائیں تا کہ وہاں ایک خاص لائبریری قائم ہو' جس کا نام Arnold Memorial Library ہو' اور اس فنڈ میں سے ایک وظیفہ بھی جاری کیا جا سکے۔ اپیل کنند گان اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ ہمیں یقین ہے کہ سر طامس کے دل میں اس بات کی نسبت اور کوئی زیادہ عزیز نہیں ہو سکتی تھی' کہ ان کے بعد ان کی کتابیں آنے والی نسلوں کے اسلامی محققین کے کام آتی رہیں۔ اس مضمون کے قارئین کو یہ جان کر خوشی ہو گی' کہ یہ یاد گاری لائبریری واقعی قائم ہو گئی اور اب تک School of Oriental and African Studies میں علوم اسلامی کے محققوں کے لئے بے حد کار آمد ثابت ہو رہی ہے۔ ۱۳؎

یہ ہیں مختصر حالات ایک شہرۂ آفاق مستشرق اور خادم اسلام کے۔ سر تھیوڈور ماریسن اور پروفیسر گب نے اپنے تعزیتی مضمون کا آغاز ان لفظوں کے ساتھ کیا ہے: "تاریخ ہند میں ایسے انگریز شاذ ہی گذرے ہیں جنھیں اہل ہندوستان نے اتنی گرم جوشی کے ساتھ اپنے دل سے لگا لیا ہو' جس قدر طامس واکر آرنلڈ کو"۔ اوپر کے مضمون سے یہ واضح ہو گیا ہو گا کہ یہ دعویٰ بالکل مبنی بر حقیقت ہے۔ علی گڑھ میں ان کی آمد کے بعد' گورنمنٹ کالج لاہور میں ان کی پروفیسری کے دوران' اور پھر انڈیا آفس اور سکول آف اورینٹل سٹڈیز میں تا دم آخر' ان کے سب شاگرد اور جاننے والے ان پر جان نچھاور کرتے رہے۔ یہ علامہ اقبال کی بڑی خوش نصیبی تھی کہ انھیں اوائل عمر ہی میں ایک ایسا استاد کامل میسر ہوا جس نے ان کی "روح کی تربیت

کی اور اسے جادۂ علم پر گامزن کیا"۔ اور بقول شیخ عبدالقادر "پروفیسر آرنلڈ خوش تھے کہ ان کی محنت ٹھکانے لگی اور ان کا شاگرد علمی دنیا میں ان کے لئے بھی باعث شہرت افزائی ہوا"۔ ہماری دعا ہے کہ خدا ہر استاد کو ایسا شاگرد عطا کرے اور ہر شاگرد کو ایسا استاد۔ پروفیسر طامس آرنلڈ کی کامیابی کا راز یہ تھا کہ وہ محض خرد آموز ہی نہ تھے، بلکہ صاحب نظر بھی تھے۔ اور شاید یہی بات اقبال کے ذہن میں تھی جب انہوں نے کہا:

خرد افزود مرا درسِ حکیمانِ فرنگ
سینہ افروخت مرا صحبتِ صاحب نظراں

(فنون، اقبال نمبر، ۱۹۷۷ء)

حواشی

۱۔ 'Letters form India' by Anna B. Stratton, Constable & Co., London 1908, p. 314.

یہ کتاب، جو غالباً "سرطامس آرنلڈ کے باقیات میں سے ہے، میرے دوست جناب ڈاکٹر لارنس بارفیلڈ نے مجھے عاریتہً دے رکھی ہے۔ اس میں مسز اینا سٹریٹن کے نام اپنے خط میں جناب اقبال یوں رقم طراز ہیں: "انہیں فراموش کرنا ناممکن ہے۔ (کہ) انہوں نے ہمارے ذہنوں پر اس قدر گہرا تاثر چھوڑا ہے۔ یہ کہنا بالکل مبالغہ نہیں ہے کہ یہ صرف انہی کی شخصیت تھی جس نے ہماری توجہ امریکہ کے لوگوں اور ان کے بلند اور بلا تعصب کردار کی جانب منعطف کی۔ ہم ہندوستانی ان امور میں (زیادہ) تمیز نہیں کرتے: یوں تو وہ کینیڈین تھے، لیکن ہمارے نزدیک وہ امریکی تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ڈاکٹر سٹریٹن ہی کا اثر ہے کہ یہاں بعض لوگ امریکی یونیورسٹیوں میں داخلہ لینے کا سوچ رہے ہیں، اور میں بھی، ان میں شامل ہوں"۔

۲۔ اپنی سب سے پہلی مطبوعہ کتاب "علم الاقتصاد" (لاہور، ۰۴/۱۹۰۳ء) کے آغاز میں "دیباچہ مصنف" کے تحت علامہ اقبال یوں رقم طراز ہیں:

"اس دیباچے کو ختم کرنے سے پیشتر میں استاذی المعظم حضرت قبلہ آرنلڈ صاحب پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جنہوں نے مجھے اس کتاب کے لکھنے کی تحریک کی، اور جن کے فیضان صحبت کا نتیجہ

یہ اوراق ہیں"۔

اور یوں علامہ کے اس جملے پر مزید روشنی پڑتی ہے' جو انھوں نے سر طامس آرنلڈ کی وفات پر لیڈی آرنلڈ کے نام خط میں تحریر کیا تھا کہ "یہ انہی کی صحبت کا اثر تھا' جس نے میری روح کی تربیت کی' اور اسے جادۂ علم پر گامزن کیا"۔ (درانی)

۳۔ "اقبال" از عطیہ بیگم' ترجمہ عبدالعزیز خالد (مطبوعہ آئینۂ ادب' لاہور' ۱۹۷۵ء) ص ۲۱-۱۰۰۔

۴۔ پس تحریر: بقول ڈاکٹر لارنس بار فیلڈ' چونکہ آرنلڈ صاحب دوسری زبانیں سیکھنے میں اس قدر مصروف تھے' اس لئے کیمبرج کے Classics Tripos (لاطینی اور یونانی وغیرہ کے بی اے کے امتحان) میں انہیں صرف درجہ سوم حاصل ہوا۔ (درانی۔ برمنگھم ۲۶ نومبر ۱۹۹۵ء)۔

۵۔ جناب لارنس بار فیلڈ نے مجھے بتایا ہے کہ انہیں کچھ عرصہ پہلے معلوم ہوا کہ جناب طامس آرنلڈ کی ہونے والی بیوی پروفیسر تھیوڈور بیک کی ایک قرابت دار تھیں۔ (درانی' ۱۹۸۴ء)۔

۶۔ پس تحریر: نومبر ۱۹۸۸ء میں اقبال اکیڈیمی (یوکے) کے زیر اہتمام (جس کی صدارت کا مجھے فخر حاصل ہے)' اور ڈاکٹر لارنس بارفیلڈ اور سر طامس کے باقی خاندان کی مدد سے' ہم نے (ان کے ورود ہند کے صد سالہ جشن کی تقریب سے) برمنگھم یونیورسٹی میں بہت بڑے پیمانے پر ایک یک روزہ "سر طامس آرنلڈ ڈے کانفرنس" منعقد کی' جس کی صدارت عزت مآب جناب شہریار محمد خان' سفیر کبیر پاکستان' نے فرمائی۔ اس کانفرنس کی روداد اقبال اکادمی پاکستان کے مجلے Iqbal Review (جلد ۳۲' بابت اپریل ۱۹۹۱ء ص ۱ تا ۹۲) میں شائع ہو چکی ہے' جس میں لاہور اور علی گڑھ میں پیش کئے گئے خطبات الوداع وغیرہ کی مکمل تفصیل موجود ہے۔ (درانی۔ فرائی برگ' جرمنی۔ ۱۲ اگست ۱۹۹۵ء)

۷۔ پس تحریر: میں نے کہیں پڑھا ہے (یا ڈاکٹر بارفیلڈ سے سنا ہے) کہ زمانہ علی گڑھ میں پروفیسر آرنلڈ علامہ شبلی کو انگریزی (اور شاید فرانسیسی بھی؟) سکھاتے تھے' اور خود ان سے قرآن مجید پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ ڈاکٹر بار فیلڈ نے مجھے ایک تصویر دی ہے' جس میں ایک مسلمان دانشور کرسی پر تشریف فرما ہیں' اور ان کے ساتھ پروفیسر آرنلڈ فرش پر بیٹھے قرآن مجید پڑھ رہے ہیں۔ یہ تصویر میں نے' "اقبال ریویو" کے محولہ بالا شمارے (دیکھئے ۶۔) میں شائع کر دی ہے۔ (درانی۔ برمنگھم' ۲۶ جنوری ۱۹۹۶ء)

۸۔ پس تحریر: دراصل جناب نکلسن' علامہ کے بی اے کے تحقیقی مقالے ("فلسفہ عجم") کے ممتحن یا حکم (Referee) تھے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے میری نئی کتاب "نوادر اقبال یورپ میں" مطبوعہ ۱۹۹۵ء (درانی۔ اگست ۱۹۹۵ء)

۹۔ پس تحریر: ابھی دو روز ہوئے میں کیمبرج یونیورسٹی لائبریری میں تھا' تو اتفاق سے میں نے وہاں دیکھا کہ جس ماہ میں سرطامس کا انتقال ہوا' اسی مہینے دبستان کے جریدے' Bulletin of the School of Oriental Studies, London Institution (Vol. V, Part IV, June 1930) مطبوعہ لوزاک اینڈ کمپنی' لندن (ص ۷۶۱ تا ۷۷۳)' میں سرطامس آرنلڈ کا مضمون بعنوان "مرزا محمد حیدر دغلت اور ہرات کا دبستان مصوری" شائع ہوا تھا۔ (درانی' برمنگھم' ۵ جولائی ۱۹۹۶ء)

۱۰۔ ان کا پورا اصل نام Celia May Hickson تھا۔ ڈاکٹر بارفیلڈ نے مجھے یہ خاندانی روایت سنائی ہے کہ ہندوستان میں ایک موقعے پر آرنلڈ صاحب اسلام قبول کیا چاہتے تھے' مگر ان کی بیوی نے (اپنے خیال میں) انہیں اس سے "بچا لیا" (درانی' اگست ۱۹۹۵ء)

۱۱۔ پس تحریر: نومبر ۱۹۸۸ء والی مذکورہ بالا "سرطامس آرنلڈ کانفرنس" میں سرطامس کی چوتھی پشت تک کے نمائندوں نے حصہ لیا' یعنی لارنس اور ان کے بڑے بھائی آرنلڈ بارفیلڈ نے' دونو بھائیوں کے بیٹے بیٹیوں نے' اور آرنلڈ بارفیلڈ کی ڈیڑھ دو سال کی نواسی نے۔ آرنلڈ صاحب نے اس موقع پر یہ بھی بتایا کہ چند ماہ قبل جب وہ دورۂ ہندوستان کے دوران علی گڑھ گئے تو انہیں یہ دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ بہت سے لوگوں کے دل میں ان کے نانا کی یاد ایک سو سال بعد بھی تروتازہ تھی' اور ان کی قائم کی ہوئی "انجمن فرض" اب بھی کار پرداز تھی۔ (اگرچہ سرطامس کی قائم کی ہوئی "مجلس اخوان الصفا" کا شیرازہ ایک عرصے سے بکھر چکا تھا)۔ (درانی۔ فرائی برگ' جرمنی۔ ۱۳۔ اگست ۱۹۹۵ء)

۱۲۔ "اقبال" از عطیہ بیگم' ترجمہ عبدالعزیز خالد (مطبوعہ آئینہ ادب' لاہور' ۱۹۷۵ء) ص ۶۳

۱۳۔ پس تحریر: میں نے جون ۱۹۸۱ء میں دبستان علوم شرقی و افریقیائی (SOAS) کی لائبریری میں سرطامس کے ذاتی کاغذات کا خاص احتیاط سے جائزہ لیا۔ یہ گیارہ بکسوں میں بند ہیں (حوالہ نمبر 191474)۔ ان میں سرطامس کی بہت سی کتابوں اور مضمونوں کے ٹائپ شدہ اور دستی نسخے موجود ہیں (جن پر سرطامس نے بڑی دقت نظر سے کئی بار تصحیح کی ہے)' لیکن آرنلڈ میموریل کے نام کی کوئی باقاعدہ لائبریری وہاں نظر نہ آئی۔ مزید برآں' باوجود تلاش کے' سرطامس کے کاغذات میں علامہ اقبال کے نام' یا ان کی طرف سے موصول شدہ' کوئی خط یا تحریریں مجھے نظر نہیں آئیں۔ اسی طرح میں نے دو تین سال ہوئے' کیمبرج کے ماڈلین کالج کی لائبریری میں بھی سرطامس کے کاغذات کا کھوج نکالنے کی کوشش کی تھی' لیکن وہاں ان کے کوئی باقیات اب موجود نہیں ہیں (سرطامس اس کالج کے آنریری فیلو تھے)۔ کتاب ہذا کا ص ۳۶۷ بھی دیکھئے (درانی' ۱۹۸۴ء)

- ۴ -

علامہ اقبال اور کیمبرج یونیورسٹی[۱]

کیمبرج میری نظر میں دنیا کے حسین ترین شہروں میں سے ایک ہے۔ وینس کے علاوہ میں کسی ایسے شہر سے واقف نہیں جو دلکشی، رعنائی تعمیر، قدیم تاریخی ماحول اور فطری جمال کا وہ مرقع پیش کرے، جو کیمبرج میں نظر آتا ہے۔ اس شہر میں بقول شاعر:

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

اس دیارِ دلکشا میں دنیا کی ایک قدیم ترین اور مشہور ترین یونیورسٹی قائم ہے، جس کی بنیاد سات سو سال ہوئے، ۱۲۸۴ء میں پڑی۔ یہاں ہر شعبہ علم و ہنر میں تاریخ ساز ہستیاں پیدا ہوئی ہیں۔ شاعری اور ادب میں لارڈ بائرن، ورڈزورتھ، ملٹن اور ٹینی سن کے نام کافی ہوں گے۔ سائنس میں نیوٹن، ردرفورڈ اور کلارک میکسویل۔ فلسفے میں وٹگن شٹائین اور برٹرینڈ رسل، سیاست میں ولیم پٹ اور جواہر لال نہرو، اور تاریخ نگاری میں لارڈ میکالے اور ٹریویلین کے نام لئے جا سکتے ہیں۔ اس شہرۂ آفاق یونیورسٹی سے حکیم مشرق علامہ اقبال بھی فیض یاب ہوئے اور بعد ازاں اس کے لئے باعث فخر بھی ثابت ہوئے۔ شیخ محمد اقبال کیمبرج میں ستمبر ۱۹۰۵ء کے آخری دنوں میں پہنچے اور یہاں ٹرنٹی کالج میں داخلہ لیا۔

شیخ صاحب کیمبرج میں اپنے دیرینہ استاد مشفق پروفیسر (بعد ازاں سر) طامس آرنلڈ کے مشورے پر تشریف لائے۔ پروفیسر آرنلڈ خود کیمبرج یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ تھے۔[۲] وہ ایک شہرۂ آفاق مستشرق اور اسلامی عالم تھے اور محمڈن اینگلو اورینٹل کالج، علی گڑھ میں (جو بعد ازاں علی گڑھ یونیورسٹی بنا)، سرسید کے دور میں ۱۸۸۸ء سے

۱۸۹۸ء تک فلسفے کے استاد رہ چکے تھے۔ پھر ۱۸۹۸ء سے ۱۹۰۴ء تک وہ گورنمنٹ کالج لاہور میں پروفیسر رہے۔ اس دوران میں اقبال پر ان کا بہت اثر ہوا' اور بقول حکیم مشرق "یہ انہی کا فیضِ صحبت تھا جس نے میری روح کی تربیت کی اور اسے جادۂ علم پر گامزن کیا"۔ پروفیسر آرنلڈ رخصت ہوئے تو کچھ عرصہ حضرت اقبال گورنمنٹ کالج میں آپ کے جانشین بھی رہے' جہاں وہ ۱۹۰۲ء سے ۱۹۰۵ء تک معلم فلسفہ وغیرہ کے فرائض انجام دیتے رہے۔ بہرحال بہت جلد ہی "نالہ کشِ فراق" اپنے استاد کے پیچھے کشاں کشاں انگلستان پہنچا اور یہاں کیمبرج یونیورسٹی میں مستغرق بہ تحقیق فلسفہ و علم ہوا۔

شیخ محمد اقبال نے ٹرنٹی کالج کیمبرج کی کتاب داخلہ (Admissions Book بابت ۱۸۸۲ء۔ ۱۹۱۳ء) پر یکم اکتوبر ۱۹۰۵ء کو دستخط کیے اور اپنے مختصر کوائف اس میں درج کیے۔۳۔ وہ اس کالج میں درجہ اعلیٰ کے طالب علم (Advanced Student) کی حیثیت سے داخل ہوئے' یعنی ایسا طالب علم جس کے پاس پہلے سے کسی اور یونیورسٹی کی بی۔ اے یا ایم۔ اے کی ڈگری ہو۔ اقبال بیرونی خرچ پر وہاں پہنچے۔ (ایسے طالب علم کو کیمبرج یونیورسٹی کی قدیم اصطلاح میں "Pensioner" کہتے تھے)۔ یہاں ان کے ٹیوٹر جناب ایڈم سیج وک (Adam Sedgwick) (۱۸۵۴ء۔ ۱۹۱۳ء) تھے' جو اس یونیورسٹی میں علم حیوانیات کے پروفیسر تھے۔۴۔

ٹرنٹی کالج' کیمبرج کا سب سے بڑا کالج ہے اور (شاید King's کالج کے بعد) اس یونیورسٹی کا حسین ترین کالج بھی ہے' جس نے نیوٹن' بائرن' ٹنی سن اور برٹرینڈ رسل ایسی شخصیات پیدا کیں۔ (علامہ اقبال جس سال اس کالج سے رخصت ہوئے' اسی سال پنڈت نہرو یہاں داخل ہوئے' یعنی ۱۹۰۷ء میں)۔ یہ کالج بادشاہ ہنری ہشتم نے ۱۵۴۶ء میں قائم کیا تھا اور یہاں کی بے حد حسین و جمیل لائبریری سر کرسٹوفر رین (Sir Chirstopher Wren) نے ۱۶۷۶ء تا ۱۶۹۰ء میں تعمیر کی۔ کالج کی کتاب داخلہ اسی لائبریری میں رکھی ہے۔ یہاں شہرۂ آفاق فلسفیوں اور علماء کے مجسمے دو رویہ ایستادہ ہیں اور بہت سی نادر روزگار کتابیں اور مسودات اس کو مالا مال کر رہے ہیں۔

کھڑکیوں میں سے نیچے دیکھیں تو نغمہ و خواب میں ڈوبی کیم (Cam) ندی اس کے پہلو میں گذر رہی ہے، جس پر بید مجنوں کی شاخیں سایہ کیے ہوئے ہیں۔ ایک طرف سینٹ جان کے کالج کی خوبصورت عمارت ایک مرصع تاج کی طرح جلوہ افروز ہے، اور دوسری طرف نارون (Elm) کے دو رویہ اشجار کے درمیان خیابانِ فلسفیان (Philosophers' Walk) خیالوں میں کھویا ہوا نظر آتا ہے۔ دریا کی سطح پر طالب علم لڑکے لڑکیاں عموماً بجروں پر سوار محوِ سیرِ دریا دکھائی دیتے ہیں۔ کچھ ایسا ہی نظارہ عطیہ فیضی اپنی کتاب "اقبال" میں کھینچتی ہیں۔ وہ لکھتی ہیں کہ "یکم جون ۱۹۰۷ء کو پروفیسر آرنلڈ کی دعوت پر میں پکنک کے لئے کیمبرج گئی۔ یہ دریا کے کنارے ایک درخت کے نیچے ترتیب دی گئی تھی، جہاں بہت سے نامور فضلاء جمع تھے"۔

جناب اقبال کیمبرج کے محنتی طالب علموں میں سے تھے۔ دو سال میں انہوں نے نہ صرف یہاں سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کر لی بلکہ ۱۹۰۵ء ہی میں انہوں نے لنکنز ان (Lincoln's Inn) میں بھی داخلہ لے لیا تھا (یہ قائداعظم کی تعلیم گاہ بھی رہی تھی)، اور جولائی ۱۹۰۸ء میں وہاں سے انہوں نے بیرسٹری کی سند حاصل کر لی۔ اور اس دوران میں نہ صرف انہوں نے میونخ یونیورسٹی سے پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی (نومبر ۱۹۰۷ء میں)، بلکہ لندن یونیورسٹی میں چند مہینے وہ پروفیسر آرنلڈ کی قائم مقامی میں عربی بھی پڑھاتے رہے (موسم بہار ۱۹۰۸ء)۔۵۔ شاید یہی مصروفیات تھیں، جن کی وجہ سے بقول سر عبدالقادر کیمبرج کے دوران قیام میں جناب اقبال نے ارادہ کر لیا تھا کہ "وہ شاعری کو ترک کر دیں گے اور قسم کھا لیں گے کہ شعر نہیں کہیں گے اور جو وقت شاعری میں صرف ہوتا ہے، اسے کسی اور مفید کام میں صرف کریں گے"۔ وہ تو غنیمت ہوا کہ جناب عبدالقادر اور پروفیسر آرنلڈ ان کے آڑے آئے اور انہیں ارادۂ ترکِ شعر سے باز رکھا، ورنہ ایسا دانائے راز پھر اسرارِ حکمت سے پردہ اٹھاتا یا نہ اٹھاتا۔

علامہ اقبال نے بی اے کی ڈگری کے لئے فلسفہ و اخلاقیات کے شعبے میں ایک تحقیقی مقالہ (Dissertation) داخل کیا، جو کیمبرج یونیورسٹی نے ۷ مارچ ۱۹۰۷ء کو

اجازت خاص سے (by special dispensation) ۶ے بی- اے کی سند کے لئے منظور کیا- یہ ڈگری انہوں نے ۱۳ جون ۱۹۰۷ء کو حاصل کی-

اقبال نے کیمبرج یونیورسٹی سے بعد ازاں ایم اے کی ڈگری حاصل نہ کی (ورنہ حسب قواعد تین سال کے بعد مزید فیس ادا کرنے پر یہ ڈگری خود بخود مل جاتی ہے' بغیر کسی مزید امتحان کے)-

مجھے ایک عرصے سے اچنبھا تھا کہ علامہ اقبال نے آخر کیمبرج یونیورسٹی سے پی ایچ- ڈی کی ڈگری کیوں حاصل نہ کی' اور اس کے لئے انہیں جرمنی کیوں جانا پڑا؟ یہ عقدہ بھی پچھلے سال میری تحقیقات کے دوران کھلا- اور اس کی وجہ یہ دریافت ہوئی کہ کیمبرج میں پی ایچ- ڈی کی ڈگری کے قواعد' پہلے پہل یونیورسٹی نے مئی ۱۹۲۰ء میں مرتب کئے اور اولین طالب علم نے ۱۹۲۱ء میں وہاں سے پی ایچ- ڈی میں داخلہ لیا- (اس سے پیشتر صرف 'Full Doctorates' مثلاً Sc. D اور Litt. D وہاں سے ملا کرتی تھیں' جو عموماً" بہت سی کتابوں کے مصنفوں وغیرہ کو دی جاتی ہیں)- چنانچہ پہلی جنگ عظیم سے قبل ذہین طلباء عموماً" جرمنی جا کر پی ایچ- ڈی لینے کی کوشش کیا کرتے تھے- یہی وجہ ہے کہ آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے ہائیڈل برگ اور میونخ وغیرہ سے ہر شعبے میں کثیر تعداد میں پی ایچ- ڈی نکلا کرتے تھے' جن میں کئی ہندوستانی دانش جو بھی شامل ہوتے تھے- شیخ محمد اقبال کی قابلیت کے پیش نظر کیمبرج کے اساتذہ نے انہیں غالباً" مشورہ دیا کہ وہ پی ایچ- ڈی حاصل کرنے کے لئے میونخ یونیورسٹی جائیں- چنانچہ انہوں نے کیمبرج میں جو تحقیقی کام کیا تھا' اس میں برلن اور ویانا کی لائبریریوں میں موجود مسودوں کی چھان بین کے بعد' کچھ اضافوں کے ساتھ ایک تھیسس ۴ نومبر ۱۹۰۷ء کو داخل کر دیا- اس کا عنوان تھا The Development of Metaphysics in Persia (ایران میں مابعد الطبیعیات کا ارتقاء)- اس مقالے پر انہیں میونخ یونیورسٹی سے پی ایچ- ڈی کی ڈگری ملی ۷ے اور یہ مقالہ بعد ازآں ۱۹۰۸ء میں لندن سے ایک کتاب کی صورت میں شائع ہوا (Luzac & Co., London, 1908) - لیکن ظاہر ہے کہ لندن سے ۲۰ جولائی ۱۹۰۷ء کے لگ بھگ جرمنی روانہ ہونے کے بعد' ۸ے

اور ۴ نومبر ۱۹۰۷ء سے پیشتر میونخ میں پی ایچ۔ ڈی کا مقالہ داخل کرنے سے پہلے، علامہ اقبال کو مزید تحقیق کا بڑا قلیل وقت ملا ہوگا (اور اس عرصے میں غالباً" جرمن زبان کے امتحانات بھی شامل تھے)، اس لئے ان کو مابعد الطبیعیات کے علوم کی کم و بیش تمام تر معلومات کیمبرج ہی میں حاصل ہو چکی ہوں گی۔۹۔ چنانچہ یہ ان کے کیمبرج یونیورسٹی کے اساتذہ ہی کا فیضان صحبت تھا، جس نے ان کے مذاق علمی کو پختہ کیا تھا۔ اس امر کے پیش نظر یہ بات باعث دلچسپی ہو گی اگر ہم کیمبرج میں ان کے اساتذہ کا کچھ تذکرہ کریں۔

بیسویں صدی کے اوائل میں جب حضرت اقبال کیمبرج پہنچے، تو وہ یونیورسٹی فلسفے کے میدان میں شہرۂ آفاق تھی، اور بالخصوص وہاں کئی ایک مستشرقین اور علمائے اسلامیات جمع تھے۔ فلسفے میں جارج مور (George Moore) ، وائیٹ ہیڈ (A.N. Whitehead) ، سج وک (H. Sidgwick)، جیمز وارڈ (James Ward)، برٹرینڈ رسل (Bertrand Russell) اور وٹگن شٹائین (L. Wittgenstein) کے نام کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ حضرت اقبال کو کیمبرج میں فلسفہ کی تعلیم کے لئے جو اساتذہ ملے ان میں ٹرنٹی کالج کے ڈاکٹر میک ٹیگرٹ (۱۸۶۶ء-۱۹۲۵ء :J.M.E. Mc Taggart) بھی شامل ہیں۔ وہ اقبال کے "نگران تحقیق" (Research Supervisor) تھے اور ہیگل (Hegel) کے فلسفے کے ایک نامور اور مستند عالم تھے۔ انہوں نے اقبال کے فلسفیانہ ارتقاء پر بہت گہرا اثر کیا، اور اقبال کے فلسفے میں مستقل جدوجہد اور معرکۂ زندگی کے جو آثار جا بجا ملتے ہیں، وہ ممکن ہے انہوں نے شاید پہلے پہلے ڈاکٹر میک ٹیگرٹ ہی کے توسط سے حاصل کیے ہوں۔ کیمبرج میں ان کے ایک اور استاد فلسفہ، کنگز کالج کے پروفیسر سورلی (۱۸۵۵ء-۱۹۳۵ء : W.R. Sorley) تھے، جن کا خاص میدان "نظریہ الوہیت اور اخلاقی اقدار" تھا۔

فلسفے کے علاوہ علامہ اقبال قیام کیمبرج کے دوران جس دوسرے مضمون میں بالخصوص غواصی کر رہے تھے، وہ تاریخ اسلام اور خاص طور پر فارسی شعر و ادب اور تصوف تھا۔ ان شعبوں میں بھی کیمبرج یونیورسٹی مالا مال تھی۔ ان میں سے ایک

شخصیت ڈاکٹر (بعد ازآں پروفیسر) آر اے نکلسن (R. A. Nicholson، ۱۸۶۸ء-۱۹۴۵ء) کی تھی- وہ اپنے زمانے میں اسلامی تصوف اور بالخصوص مولانا جلال الدین رومی پر ایک سند تسلیم کیے جاتے تھے- ان کا دیوان شمس تبریز کا ترجمہ بہت مشہور ہے- لیکن علامہ اقبال سے متعلق ان کا بے حد اہم کام اقبال کی مثنوی "اسرار خودی" (مطبوعہ لاہور، ۱۹۱۵ء) کا انگریزی میں ترجمہ ہے، جو ڈاکٹر نکلسن نے ۱۹۲۰ء میں لندن سے شائع کیا- (مطبوعہ Macmillan & Co. Ltd)-

یہ علامہ اقبال کے پہلے یورپی مترجم تھے، اور اسی ترجمے کی بدولت علامہ کا نام اول اول مغربی ممالک میں معروف ہوا- یہ جناب اقبال کو کیمبرج میں غالباً" پڑھا چکے تھے-۱۰ ایک طالب علم کے لئے اس سے زیادہ باعث فخریات کیا ہو سکتی ہے کہ خود اس کا استاد اس کی تصنیف کا ترجمہ کر کے شائع کرے- ڈاکٹر نکلسن نے اسلامی تصوف پر چار اہم تصنیفات شائع کیں، اور اس میدان میں ان کا کام ایسا ہے کہ یورپ میں کسی اور مستشرق کی مطبوعات اس سے لگا نہیں کھاتیں- ڈاکٹر نکلسن بھی ٹرنٹی کالج کیمبرج کے فیلو تھے اور ۱۹۲۶ء میں پروفیسر براؤن کی وفات پر کیمبرج یونیورسٹی میں عربی زبان کے پروفیسر (Sir Thomas Adams's Professor of Arabic) مقرر ہوئے-

خود پروفیسر براؤن (Edward Granville Browne : ۱۸۶۲ء-۱۹۲۶ء) ایک شہرۂ آفاق ادبی محقق رہ چکے ہیں- وہ ۱۹۰۲ء میں کیمبرج یونیورسٹی میں "سر طامس آدم پروفیسر آف عربیک" متعین ہوئے- وہ عربی، ترکی اور فارسی زبانوں کے ماہر تھے، اور ایران میں درویشوں اور قلندروں کی صحبت میں رہ کر تصوف سے واقفیت حاصل کر چکے تھے- بابی تحریک کا انہوں نے بالخصوص مطالعہ کیا تھا- ان کی سب سے زیادہ معرکہ آرا تصنیف "ایران کی تاریخ ادب" (A Literary History of Persia) ہے، جو چار جلدوں پر مشتمل ہے- پروفیسر براؤن پمبروک کالج (Pembroke College, Cambridge) کے فیلو تھے اور ایک عرصے تک اس کالج میں مقیم رہے- جس زمانے میں حضرت اقبال کیمبرج میں تھے، وہ پروفیسر براؤن کی ادبی تخلیقات کا زمانہ

شباب تھا۔ ان کی کتاب "ایران کی تاریخ ادب" کی پہلی دو جلدیں بالترتیب ۱۹۰۲ء اور ۱۹۰۶ء میں شائع ہوئیں۔ ظاہر ہے کہ جناب اقبال اس ماہر ادب و تصوف ایران سے بہت متاثر ہوئے ہوں گے ۱۱۔ اور یہ شاید انہی کا اور ڈاکٹر نکلسن ہی کا اثر ہوگا کہ انہوں نے اپنی تحقیقات کے لئے ایران میں علم مابعد الطبیعیات کا مضمون انتخاب کیا۔ (گو اس میں غالباً" پروفیسر طامس آرنلڈ کا مشورہ بھی شامل رہا ہوگا۔ میری نئی کتاب "نوادر اقبال یورپ میں" کا حصہ "کیمبرج" بھی ملاحظہ کیجئے۔ (درانی۔ اگست ۱۹۹۵ء))۔

پمبروک کالج کے سلسلے میں شاید پروفیسر آربری : Arthur John Arberry (۱۹۰۵ء-۱۹۶۹ء) کا تذکرہ بھی بے جا نہ ہوگا' جنہوں نے علامہ اقبال کی ایک سے زائد فارسی کتابوں کا ترجمہ کیا ہے' اور جن سے خود مجھ کو کیمبرج یونیورسٹی کے زمانہ تعلیم میں شرف نیاز حاصل رہ چکا ہے (وہ پاکستان سٹوڈنٹس سوسائٹی کے ۱۲۔ یوم اقبال میں بالالتزام شرکت فرماتے تھے)۔ حضرتِ علامہ اقبال کے فرزندِ ارجمند ڈاکٹر جاوید اقبال بھی پروفیسر آربری کی زیرِ نگرانی تحقیق کا کام کر چکے ہیں (گو ان کے اصل یا شریک نگران تحقیق کرائسٹ کالج (Christ's College) کے ڈاکٹر ریوبن لیوی تھے (درانی۔ اگست ۱۹۹۵ء))۔ علامہ کے مترجموں کے ضمن میں پروفیسر وکٹر کیرنن کا نام بھی لیا جا سکتا ہے کہ وہ بھی ٹرنٹی کالج کیمبرج کے تعلیم یافتہ ہیں' اور اقبال کی منتخب اردو نظموں اور غزلوں کے انگریزی ترجمے پر مشتمل مجموعہ : "Poems from Iqbal" کے نام سے شائع کر چکے ہیں۔

پس منظر کے بعض نقوش کو اجاگر کرنے کے بعد' اب ہم جناب اقبال کے ٹرنٹی کالج کیمبرج میں قیام کے بارے میں چند اور باتوں کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔ شیخ محمد اقبال نے ٹرنٹی کالج کے رجسٹر داخلہ (متعلقہ ۱۸۸۴ء- ۱۹۱۳ء) میں جو اندراجات کیے ہیں' وہ دو لحاظ سے اہم ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ ان میں انہوں نے بدست خود اپنی تاریخ ولادت یوں درج کی ہے : "محرم ۱۸۷۶ء" (دیکھئے فوٹو کاپی' ۱۳۔) یہ عیسوی مہینے کے لحاظ سے جنوری' فروری ۱۸۷۶ء کے مطابق بنتی ہے۔ یہاں اس بحث کے دوبارہ چھیڑنے کی ضرورت نہیں کہ علامہ اقبال کی صحیح تاریخ پیدائش کیا ہے۔ اس پر ایک سیر
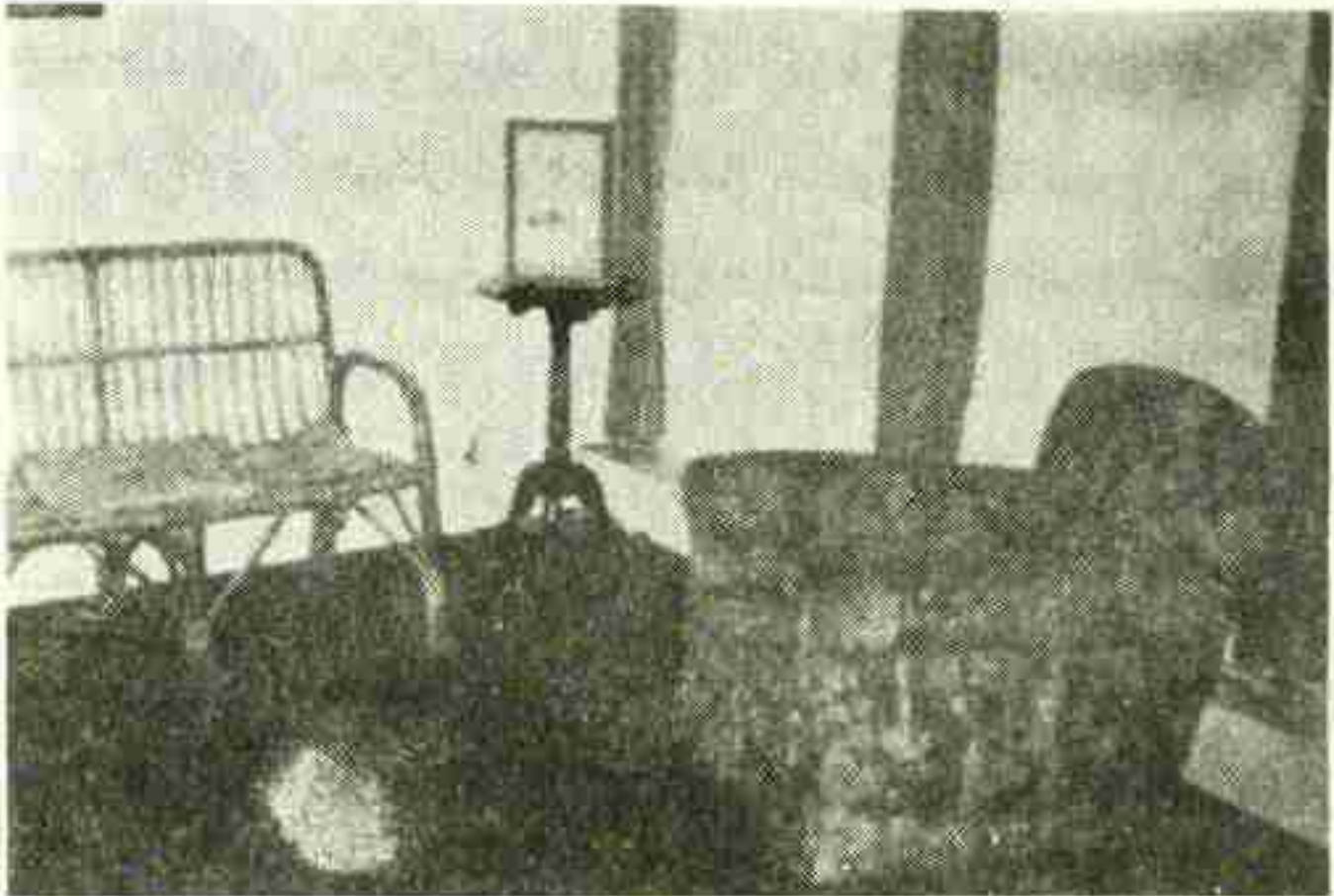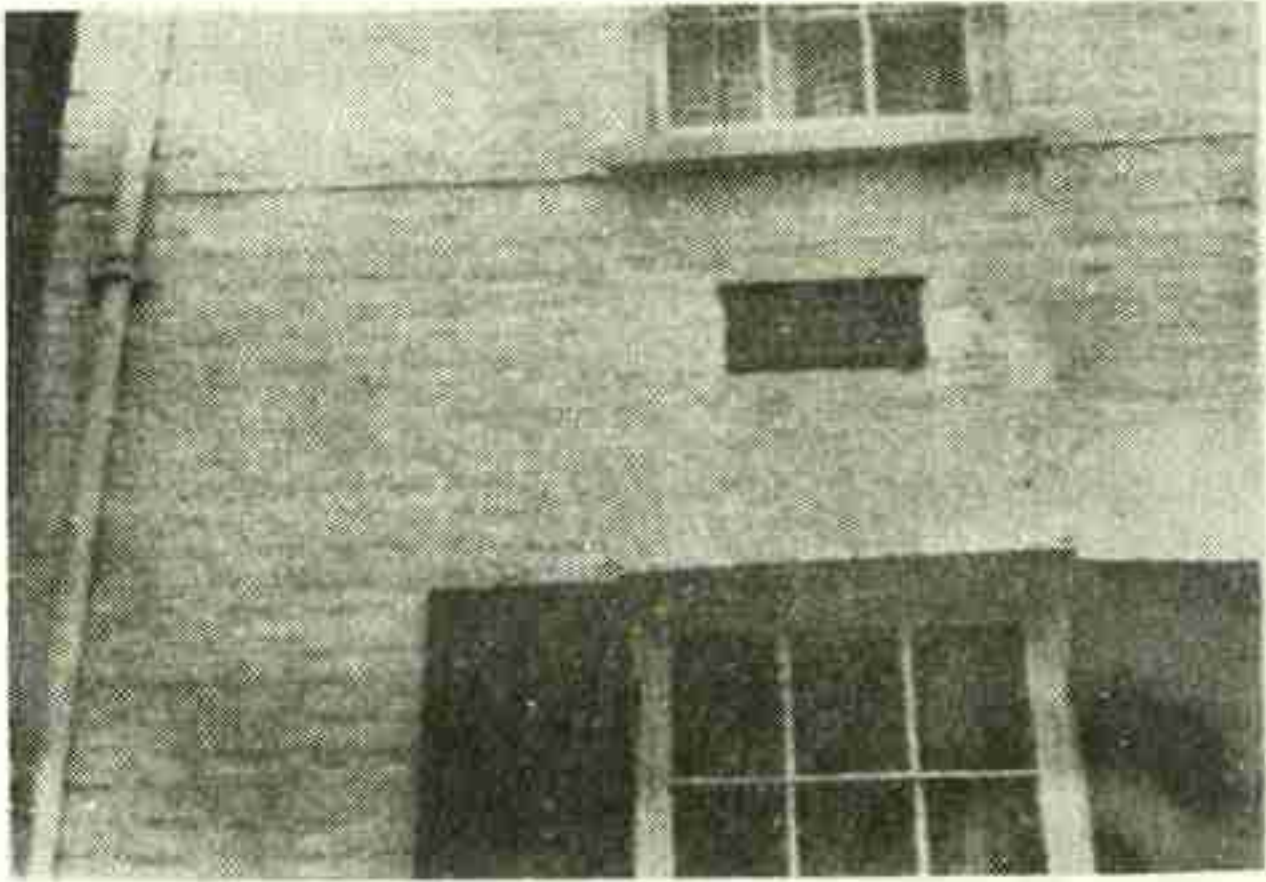
اقبال کی کیمبرج میں اقامت گاہ اول (۱۹۰۵ء)، ۱۷ پرتگال پلیس

(17 Portugal Place)، کے دو مناظر۔ (اوپر) بالائی منزل، جس کی پیشانی پر اب

(۱۹۷۸ء سے) علامہ اقبال کی انتسابی تختی نصب ہو چکی ہے

(نیچے) ایک اندرونی کمرا۔ موجودہ مالکۂ مکان کا خیال ہے کہ شاید اقبال اس کمرے

میں مقیم رہے ہوں

(تصاویر: درانی، اگست ۱۹۷۹ء)

حاصل مضمون میں "جنگ" لندن برائے ۲۰ ستمبر ۱۹۷۷ء میں لکھ چکا ہوں ("علامہ اقبال کی تاریخ پیدائش' چند نئے زاویے")' جس میں علامہ اقبال کے ٹرنٹی کالج کیمبرج' لنکنز ان لندن' اور پی ایچ ڈی تھیسس میونخ یونیورسٹی میں اندراجات کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ علامہ کی صحیح تاریخ پیدائش جنوری / فروری ۱۸۷۶ء ہی ہے' جو ٹرنٹی کالج کیمبرج کے رجسٹر میں درج ہے۔

دوسری اہم بات جو ٹرنٹی کالج کے داخلے کی کتاب سے معلوم ہوتی ہے اور جو آج (۲۲ جون ۱۹۷۸ء) کی تقریب سے بالخصوص تعلق رکھتی ہے' وہ اس رجسٹر میں خود اقبال کے خط تحریر میں درج شدہ ان کی اقامت گاہ کا پتا ہے۔ یعنی ۱۷ پرتگال پلیس' کیمبرج (17 Portugal Place, Cambridge) -

پچھلے سال سے پیشتر علامہ کی اس قیام گاہ کا علم عام طور سے نہیں تھا' اور حوالے کی مروجہ کتابوں میں ان کا پتا 90 Huntingdon Road اور 10 Castle Street, Cambridge درج تھا۔ اس نئی دریافت کے پس منظر کا مختصر تذکرہ شاید نامناسب نہ ہوگا۔

جنوری ۱۹۷۷ء میں' میں نے مشہور انگریز صحافی اور تاریخ نگار جناب آئین اسٹیفنز صاحب (Ian Stephens) کو' جن سے مجھے کیمبرج کے زمانۂ تعلیم سے شرف نیاز تھا' اور جن کے ساتھ مل کر ۱۹۷۶ء میں میں نے حکومتِ پاکستان سے کیمبرج میں ایک "مسندِ اقبال" (Iqbal Chair of Islamic Studies at Cambridge) کے قائم کرنے کی تحریک شروع کی تھی' تو میں نے ان کو لکھا کہ علامہ اقبال کی صحیح تاریخ پیدائش کی تصدیق کے سلسلے میں' اگر ہو سکے تو' وہ ٹرنٹی کالج سے استفسار کر کے مجھے اطلاع دیں۔

اس پر انھوں نے ٹرنٹی کالج کے لائبریرین جناب فلپ گیسکل (Dr Philip Gaskell) سے مدد کی درخواست کی۔ ڈاکٹر گیسکل نے ان کو بتایا کہ ٹرنٹی کالج میں اقبال کی تاریخ پیدائش "محرم ۱۸۷۶ء" درج ہے۔ یہ معلوم ہونے پر میں نے ڈاکٹر گیسکل کو ۱۴ فروری ۱۹۷۷ء کو خط لکھا کہ اگر وہ مجھے ٹرنٹی کالج کے رجسٹر داخلہ کی فوٹو

کاپی بھیج سکیں تو میں ممنون ہوں گا (اور اس خط میں یہ بھی پوچھا کہ شیخ محمد اقبال نے کیمبرج یونیورسٹی سے پی ایچ- ڈی کی ڈگری کیوں حاصل نہ کی)- ڈاکٹر گیسکل صاحب نے مجھے اس کے جواب میں ۱۷ فروری ۱۹۷۷ء کو ایک مفصل خط لکھا جس میں انہوں نے مختلف نکات پر روشنی ڈالی' اور اس کے ساتھ ہی کالج کی کتاب داخلہ (۱۸۸۴ء---) کے صفحہ ۱۷۱ کی عکسی نقل روانہ کی- اسی نقل سے مجھے پہلی مرتبہ علامہ اقبال کی اولیں جائے قیام کا پتہ چلا جہاں وہ یکم اکتوبر ۱۹۰۵ء کو مقیم تھے- پور چگل پلیس' ٹرنٹی کالج سے بہت ہی قریب واقع ہے (یعنی دو تین فرلانگ پر' اور کیمبرج کے مشہور Round Church کے نزدیک ۱۴ے)

علامہ اقبال کی اس جائے قیام پر انتسابی تختی (Plaque) کیسے نصب ہوئی' اس کی تفصیل جناب ائین اشٹیفنز صاحب اپنے مضمون میں دے رہے ہیں-۱۵ے اس سے متعلق انہوں نے کئی ایک مفصل خطوط کیمبرج کی شہری کونسل' ٹرنٹی کالج کے فیلو اور سینئر برسر (Senior Bursar) جناب ڈاکٹر بریڈ فیلڈ (Dr J. R. G. Bradfield) ' پاکستانی سفارت خانے کے تعلیمی اتاشی پروفیسر نذیر احمد صاحب' "جنگ" لندن کے جناب یحیٰی سید صاحب' اور خود راقم الحروف کو لکھے- اس یادگار تختی کی تنصیب کا سہرا بڑی حد تک انہی اصحاب کے سر ہے-

اس مضمون کے خاتمے سے پہلے' میں چاہتا ہوں کہ علامہ اقبال اور ٹرنٹی کالج کے استاذ اعظم (Master) جناب لارڈ بٹلر کے خاندان کے باہمی رشتے کا بھی لگے ہاتھوں تذکرہ کر دوں- اگست ۱۹۷۷ء میں میں حجرات فلکی پر ایک سائنٹفک کانفرنس (Meteoritical Society Annual Meeting) میں حصہ لینے اور تعطیل منانے کی خاطر دو ہفتے کے لئے کیمبرج میں ٹھہرا ہوا تھا- اس دوران میں میں نے ٹرنٹی کالج اور کیمبرج یونیورسٹی کی لائبریریوں میں علامہ اقبال پر کچھ تحقیقات بھی کر ڈالی- اس چھان بین کے دوران ٹرنٹی کالج کی لائبریری میں مجھے علامہ اقبال کی مشہور کتاب (Six Lectures on the Reconstruction of Religious Thought in Islam) "خطبات مدراس" کا ایک نسخہ ۱۶ے ملا-

اقبال کی دوسری یا تیسری اقامت گاہ (۱۹۰۶/۰۷ء) ۱۰ کاسل اسٹریٹ (10 Castle Street) کیمبرج کے دو مناظر۔ یہ علاقہ شہر کے مرکز کے شمال مغرب میں قریب نصف میل پر واقع ہے۔
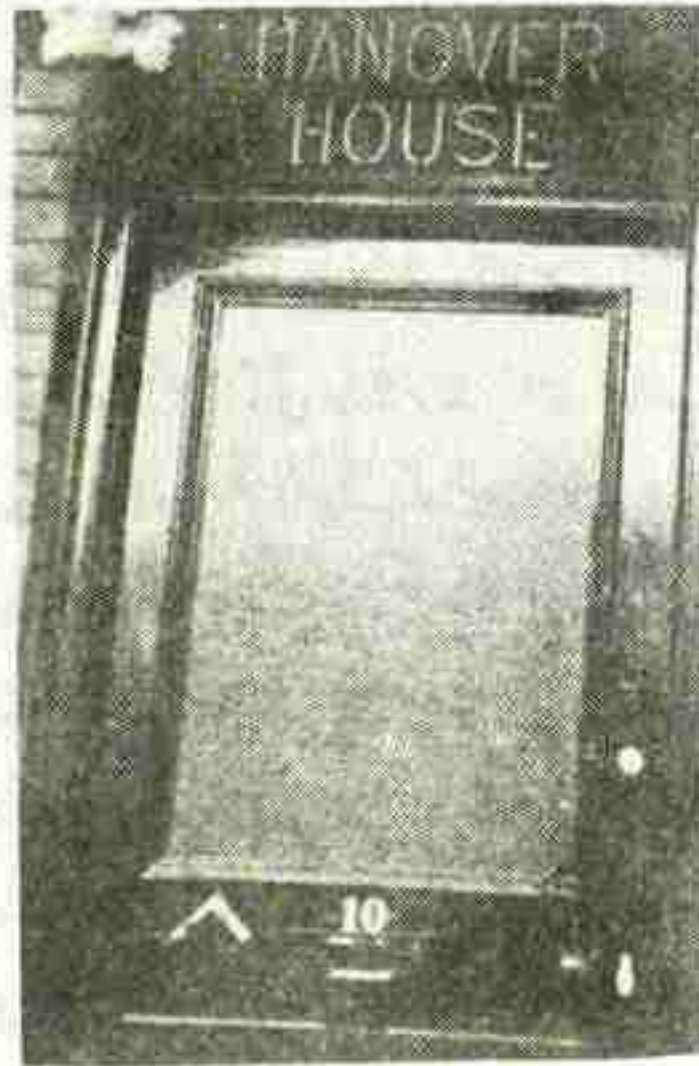
(اوپر) سڑک کے سامنے کا رخ۔ (نیچے) صدر دروازہ، جس پر Hanover House کا نام لکھا ہے۔ اب یہ عمارت بوسیدہ ہو چکی ہے (تصاویر: درانی، اگست ۱۹۸۰ء)
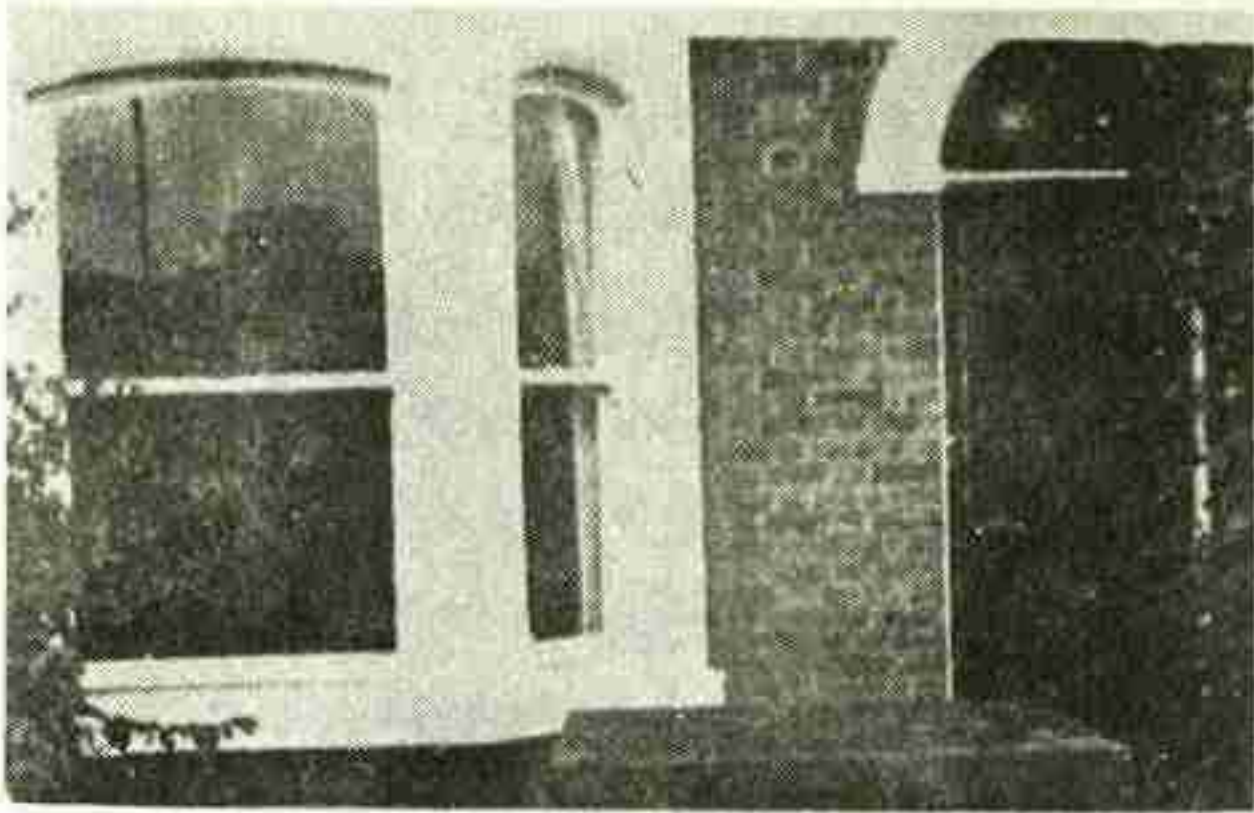
اقبال کی دوسری یا تیسری اقامت گاہ (۱۹۰۶/۰۷ء)، ۹۰ ہنٹنگڈن روڈ (90
Huntindgon Road) کیمبرج کے دو مناظر۔ یہ مکان شہر کے مرکز کے شمال مغرب
میں قریب دو میل پر واقع ہے۔ (اوپر) مکان کے سامنے کا رخ۔ (نیچے) مکان کے
دروازے پر ان دنوں اس گھر میں رہنے والی دو طالباتِ علم کھڑی باتیں کر رہی ہیں۔
(یہ علامہ اقبال کے وجود سے "کلیتہً" بے خبر تھیں)۔

(تصاویر : درانی، اگست ۱۹۸۰ء)

اس کتاب کے صفحہ اول پر بہت ہی دلچسپ قلمی اندراجات نظر آتے ہیں (اس کتاب کا نمبر ہے Adv. C. 25.38)۔ یہ علامہ اقبال، سرمانٹیگو بٹلر اور پروفیسر آربری کی دستی تحریروں پر مشتمل ہیں۔ اور وہ یوں ہیں، اول: "تقدیم بہ عزت ماب سرمانٹیگو بٹلر، ناگپور۔ از محمد اقبال، بیرسٹرایٹ لاء لاہور، ۶ مئی ۱۹۳۰ء"۔ دوم: "اور از جانب من، میرے دوست اور رفیق کار پروفیسر اے۔ جے آربری ڈی لٹ کو پیش کی گئی، ۵ مئی ۱۹۴۸ء۔ دستخط، مانٹیگو بٹلر"۔ اور سوم: "اور اے۔ جے آربری کی طرف سے ٹرنٹی کالج لائبریری کو ہدیہ، لارڈ بٹلر کی ماسٹر شپ کے موقع پر۔ دستخط اے۔ جے آربری، ۳۰ اپریل ۱۹۶۶ء"۔۱۷

سرمانٹیگو بٹلر ٹرنٹی کالج کے موجودہ استاذِ اعظم لارڈ بٹلر کے والد ماجد تھے (یاد رہے کہ لارڈ بٹلر جو اس سے پہلے ہیرلڈ میکملن کے زمانے میں R. A. Butler کی حیثیت سے برطانیہ کے نائب وزیرِ اعظم رہ چکے ہیں، اور اس سے پیشتر چرچل کے ماتحت ملک کے وزیرِ تعلیم بھی رہ چکے تھے، جب سے ان کا تعلیمی ایکٹ ۱۹۴۴ء بے حد مشہور ہے، اور پھر جنگ کے بعد برطانیہ کے وزیرِ خزانہ بھی رہے، وہ ۱۹۰۳ء میں بمقام اٹک (صوبہ پنجاب) پیدا ہوئے تھے(اور یوں پاکستانی نژاد ہیں)۱۸۔ سرمانٹیگو بٹلر ۱۹۳۰ء میں ہندوستان کے صوبجات متوسط (.C.P) کے گورنر تھے، اور اپنے لاہور کے قیام کے زمانے سے (جہاں وہ پنجاب کی قانون ساز اسمبلی کے اسپیکر بھی رہ چکے تھے)، وہ علامہ اقبال کے دیرینہ دوستوں میں شامل تھے (وہ ۱۹۴۸ء میں پمبروک کالج کے استاذ اعظم تھے۔ انہوں نے ۱۹۵۲ء میں وفات پائی)۔ وہ انگلستان کے ایک مشہور علمی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے چچا ہنری مانٹیگو بٹلر، ہیرو اسکول (Harrow School) کے ہیڈ ماسٹر اور بعد ازاں ٹرنٹی کالج کے استاذ اعظم بھی رہ چکے تھے۔ سرمانٹیگو بٹلر ۱۸۷۳ء میں ہیرو میں پیدا ہوئے تھے۔ پمبروک کالج سے کلاسیکل ٹرائی پوس (Tripos) میں ڈبل فرسٹ حاصل کرنے کے بعد وہ آئی سی ایس کے امتحان میں پہلے نمبر پر پاس ہوئے، اور ۱۸۹۶ء میں پنجاب پہنچے۔

یہ بڑی خوش قسمتی کی بات ہے کہ متذکرہ بالا کتاب (Six Lectures) کے

اس نسخے میں سر مانٹیگو بٹلر کا ایک خط بھی منسلک ہے۔ یہ ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ ۱۹ء اس میں وہ فرماتے ہیں کہ "ہم حقیقی دوست تھے۔ بالخصوص میرے قیام لاہور کے دوران میں' اور میری ہی سفارش پر انہیں (یعنی علامہ اقبال کو) خطاب ملا تھا۔ میں نے ایک فارسی خطاب کے احیاء کی سفارش کی تھی' لیکن حکومتِ ہند کو خدشہ تھا کہ کہیں ایسی رسم ہی نہ چل نکلے۔ چنانچہ اقبال کو سر کا خطاب دیا گیا"۔

جہاں تک مجھے علم ہے اس خط سے یہ بات پہلی مرتبہ منظرِ عام پر آئی ہے کہ سر مانٹیگو بٹلر علامہ اقبال کو ایک غیر معمولی فارسی خطاب دلوانا چاہتے تھے۔

اگر علامہ اقبال کو ایک اچھوتا فارسی خطاب ملتا تو یہ غلط نہ ہوتا' کہ علامہ نے اردو کی نسبت فارسی میں زیادہ شاعری کی ہے۔ ہاں سر مانٹیگو بٹلر نے یہ انکشاف نہیں کیا کہ ان کے ذہن میں فارسی کا کون سا خطاب تھا اور شاید یہ بات اب نہاں خانہ ازل ہی میں رہے۔ ۱۹۴۸ء میں یہ کتاب پروفیسر آربری کو پیش کرتے ہوئے انہوں نے ایک چار صفحے کا ٹائپ شدہ سرکلر (گشتی مراسلہ) بھی آربری صاحب کو بھیجا تھا' جس میں پاکستان ہائی کمیشن کی طرف سے ۱۹۴۸ء میں برطانیہ میں قیام پاکستان کے بعد اولیں یوم اقبال کے منائے جانے کی تفصیلات دی گئی تھیں' اور علامہ عبداللہ یوسف علی کے زیر صدارت انگلستان میں "مجلس اقبال" کے قیام کی اطلاع درج تھی۔ شاید اسی یوم اقبال' ۲۱ اپریل ۱۹۴۸ء' کی تحریک ہی سے سر مانٹیگو نے یہ کتاب دوبارہ کھولی اور آربری صاحب کو پیش کی۔ یہ سرکلر بھی اس کتاب میں اب تک محفوظ ہے اور اس کی طرف انہوں نے اپنے مذکورہ خط میں اشارہ کیا ہے: (with some recent cuttings)۔

آخر میں علامہ اقبال سے کیمبرج کے تعلقات کے بارے میں مزید ایک دو باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ کیمبرج یونیورسٹی لائبریری میں تحقیقات کے دوران میں جس چیز سے متاثر ہوا وہ یہ تھی کہ علامہ اقبال کس باقاعدگی اور التزام سے اپنی ہر نئی کتاب کا ایک نسخہ کیمبرج یونیورسٹی لائبریری کو بھیجا کرتے تھے۔ وہاں آج بھی علامہ کی متعدد ایسی کتابیں موجود ہیں' جن پر علامہ نے دست خاص سے کچھ الفاظ لکھے ہیں۔ اسی

طرح وہ اپنی کتابیں چھپنے کے جلد بعد اپنے دستخطوں اور الفاظ انتساب کے ساتھ اپنے پرانے اساتذہ کو بھی روانہ فرمایا کرتے تھے۔ ان میں بالخصوص پروفیسر نکلسن اور پروفیسر براؤن شامل ہیں۔ ان دونوں علماء کی وفات پر ان کے ذاتی کتب خانے، جن میں فارسی اور عربی کے بے بہا نسخے شامل تھے، کیمبرج یونیورسٹی لائبریری کو پیش کر دیے گئے تھے۔ ان میں سے چند کتابوں کے صفحات اول کی تصاویر میں نے حاصل کر لی تھیں۔ ان میں سے ایک کتاب کا میں مثال کے طور پر ذکر کرتا ہوں۔ یہ پیام مشرق کی اشاعت دوم (مطبوعہ ۱۹۲۴ء، تعداد ایک ہزار) کا ایک نسخہ ہے۔ اس پر علامہ کی خوشنما دستی تحریر میں لکھا ہے: بحضرت پروفیسر برون تقدیم شد۔ محمد اقبال لاہور۔ ۱۰ مارچ ۱۹۲۴ء" اور اسی صفحے کے اوپر کے حاشیے کے قریب انگریزی میں یہ تحریر بھی درج ہے۔۲۰

Edward G. Browne

(Received from the Author through

Dr. R. A. Nicholson,

July 1, 1924)

اور اس کتاب کے اندر لکھا ہے کہ پروفیسر براؤن کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادوں نے جو کتب خانہ کیمبرج یونیورسٹی کو عطا کیا، یہ کتاب اس میں سے ایک ہے (۱۹۳۶ء)۔ ظاہر ہے کہ علامہ نے اس کتاب کا نسخہ پروفیسر نکلسن کو بھی بھیجا ہوگا۔ پروفیسر نکلسن کے کتب خانے کی بہت سی کتابوں میں جو کیمبرج یونیورسٹی کی لائبریری میں محفوظ ہیں، خطبات مدراس کا ایک نسخہ بھی شامل ہے، جس پر یہ تحریر درج ہے:

"Presented to

R. A. Reynolds Nicholson

Muhammad Iqbal

Lahore 5th May 1930"

(یاد رہے کہ سرمانٹیگو بٹلر کو جو نسخہ حضرت علامہ نے ناگپور روانہ کیا وہ اس

سے اگلے روز یعنی ٦ مئی ۱۹۳۰ء کو بھیجا گیا۔ گویا علامہ کے دل میں اپنے استادوں کا مرتبہ پہلے آتا تھا)۔ اسی لائبریری میں پروفیسر نکلسن کا علامہ اقبال کی اسرار خودی کے انگریزی ترجمے Secrets of the Self کا ذاتی نسخہ بھی شامل ہے۔ علامہ اقبال جس باقاعدگی سے اپنی کتابوں کے نسخے اپنے دوستوں کو بھیجا کرتے تھے' اس کی ایک مثال ان کی کتاب "ایران میں علم مابعد الطبیعیات کا ارتقاء" کا وہ نسخہ بھی ہے جو میں نے برمنگھم یونیورسٹی کی لائبریری میں دریافت کیا تھا' اور جس پر علامہ نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا:

To my Friend

F.W. Thomas

S. M. Iqbal

3rd July, 1908

یاد رہے کہ یہ کتاب جولائی ۱۹۰۸ء کے لگ بھگ ہی لندن میں طبع ہوئی تھی اور جولائی ۱۹۰۸ء کے دوسرے ہفتے تک حضرت اقبال لنکنز ان سے بیرسٹری کی سند لے کر واپس لاہور روانہ ہو چکے تھے۔ اپنے مشفق استاد سر طامس آرنلڈ کو بھی علامہ اقبال اپنی کتابیں فی الفور بھیجا کرتے تھے۔ مثلاً ان کے نواسے جناب ڈاکٹر بارفیلڈ صاحب نے علامہ کی کتاب "اسرار خودی" کا وہ نسخہ مجھے عاریتاً دے رکھا ہے' جس پر لکھا ہے:

Presented to

Prof. Arnold

Mohd. Iqbal

19th Sept. 1915, Lahore. ۳۱؎

اسی طرح کیمبرج یونیورسٹی لائبریری میں پروفیسر آربری کے کتب خانے کی کتابیں بھی جمع ہیں' جو ان کی وفات (۲۔ اکتوبر ۱۹٦۹ء) کے بعد یونیورسٹی کو پیش کی گئیں۔

اسی لائبریری میں ایک بہت دلچسپ کتاب جو میں نے دیکھی وہ "پیام مشرق"

ٹرنٹی کالج کیمبرج کے استاذ اعظم لارڈ بٹلر علامہ اقبال کی ۱۹۰۵ء والی اقامت گاہ پر یادگاری تختی کی نقاب کشائی کے موقع پر (بروز جمعرات ۲۲ جون ۱۹۷۸ء) تقریر فرما رہے ہیں۔ (سفیر پاکستان، جنرل اکبر خان کا، جنہیں اس تختی کی نقاب کشائی کرنی تھی، اسی روز علی الصباح حرکت قلب کے بند ہو جانے سے انتقال ہو گیا تھا۔) اس تقریب میں کیمبرج کے میئر، کیمبرج کے ممبر پارلیمنٹ جناب پروفیسر رابرٹ روڈز جیمز اور دیگر کئی معزز مدعوئین شامل تھے۔ (تصویر بہ شکریہ کیمبرج ایوننگ نیوز)

کے پہلے ایڈیشن کا ایک نسخہ ہے (لائبریری نمبر Moh. 675. d3.) جو علامہ نے پروفیسر ریو بن لیوی کو ۱۹۲۳ء میں بھیجا تھا۔ اس نسخے کے اندر علامہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک غیر مطبوعہ خط اب تک محفوظ ہے، جس میں وہ لکھتے ہیں کہ "شاید آپ کو میری کتاب "پیام مشرق" جو گوئٹے کے "دیوان مشرق و مغرب" کے جواب میں لکھی گئی ہے، باعث دلچسپی معلوم ہو۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ترمیمات اور اضافوں کے ساتھ عنقریب شائع ہوگا"۔ ۲۲۔ یہ وہی پروفیسر لیوی (Reuben Levy) ہیں (کیمبرج یونیورسٹی میں فارسی کے پروفیسر: وفات ٦ ستمبر ۱۹۶۶ء) جن کے زیر سرپرستی بعد ازآں ۱۹۵۰ء کے لگ بھگ علامہ اقبال کے صاحبزادے جاوید اقبال صاحب کیمبرج میں زیر تعلیم رہے۔ پروفیسر لیوی کا کتب خانہ بھی ان کی وفات کے بعد کیمبرج یونیورسٹی لائبریری کو وصیت کیا گیا۔

اوپر کی تحریر سے یہ امر واضح ہو گیا ہوگا کہ علامہ اقبال کو کیمبرج یونیورسٹی سے اور اپنے ان اساتذہ سے جن سے انہوں نے علم و ادب میں فیضان حاصل کیا، جو تعلق خاطر بیسویں صدی کے آغاز میں پیدا ہو گیا تھا، وہ ان کے آخر عمر تک قائم رہا۔ اور اگرچہ انہوں نے افرنگ اور مدرسۂ افرنگ پر کئی ایک اعتراضات کیے، تاہم ان کے دل میں کیمبرج اور ہائیڈل برگ، میونخ اور لندن کے اساتذہ اور رفقائے علم کے لئے گرم جوشی اور عقیدت ہمیشہ موجود رہی۔ اور اس احسان کا انہوں نے ہمیشہ اعتراف کیا۔ مثلاً:

خرد افزود مرا درسِ حکیمانِ فرنگ
سینہ افروخت مرا صحبتِ صاحب نظراں

یہ شاید کیمبرج ہی کے دنوں کی یاد ہو جس کا پرتو ان کے اس شعر میں ملتا ہے:

ز شعرِ دلکشِ اقبال می تواں دریافت
کہ درسِ فلسفہ می داد و عاشقی ورزید

(کیا ہمیں "درس فلسفہ می داد" کے بجائے یہاں "درسِ فلسفہ می خواند" پڑھنا چاہئے؟")

(جنگ لندن، ۲۲ جون ۱۹۷۸ء)

حواشی

۱۔ یہ مضمون ۲۲ جون ۱۹۷۸ء کے روز کیمبرج میں علامہ اقبال کی قیام گاہ پر نصب انتسابی تختی کی رونمائی کی تقریب پر شائع ہونے والے "جنگ" لندن کے خصوصی شمارے کے لئے تحریر کیا گیا تھا۔ یہ شمارہ جناب یحیٰی سید مرحوم نے مرتب کیا تھا۔

۲۔ دیکھئے تفاصیل کے لئے: مضمون "اقبال کے استاد مشفق' سر طامس آرنلڈ" ص ۸۲ ۔ کتاب ہذا۔

۳۔ دیکھئے اس اندراج کی فوٹو کاپی ضمیمہ نمبر۵ میں۔

۴۔ کیمبرج میں کالج کے ٹیوٹر کا ذمہ صرف طالب علم کے رہنے سہنے اور طرز عمل کی نگرانی کرنے' اور ذاتی مسائل میں مدد دینے کا ہوتا ہے۔

۵۔ اب مس ویگے ناسٹ کے نام اقبال کے خطوط سے معلوم ہوتا ہے (دیکھئے خط نمبر۵' ص ۱۹۵) کہ یہ ذمہ داری ۵ نومبر ۱۹۰۷ء کے قریب شروع ہو گئی تھی۔ ضمیمہ نمبر۶ بھی دیکھئے (درانی۔ ۱۹۸۳ء)

پس تحریر: اور اب ڈاکٹر بارفیلڈ کے مہیا کئے ہوئے ایک خط سے' جو پروفیسر آرنلڈ نے مصر سے اپنی بیوی کو لکھا تھا' معلوم ہوا ہے کہ وہ آخر جنوری یا اوائل فروری ۱۹۰۸ء میں واپس لندن پہنچنے والے تھے۔ اور میری نئی کتاب "نوادر اقبال....." میں شامل دستاویزوں اور پروفیسر آرنلڈ کے نام ایک پوسٹ کارڈ میں (اتوار) ۱۰ نومبر ۱۹۰۷ء تک اقبال کے لندن پہنچنے کا ذکر ملتا ہے۔ (درانی فرائی برگ' جرمنی ۱۳۔ اگست ۱۹۹۵ء)

۶۔ پس تحریر: اجازت خاص' والی روایت (جس کے لئے ڈاکٹر گیسکل ذمہ دار ہیں۔ دیکھئے کتاب ہذا میں ان کے خط کا عکس' مقابل ص۵۷) دراصل صحیح نہیں ہے۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے راقم الحروف کی نئی کتاب "نوادر اقبال یورپ میں" (درانی' ۱۳۔ اگست ۱۹۹۵ء)۔

۷۔ پس تحریر: ۴ نومبر ۱۹۰۷ء کو دراصل پی ایچ ڈی کے لئے اقبال کا زبانی امتحان ہوا۔ اضافوں کی بات بھی محل نظر ہے۔ کیمبرج والا مقالہ انھوں نے میونخ پہنچتے ہی ۳۱ جولائی ۱۹۰۷ء کو داخل دفتر کر دیا تھا۔ مزید تفصیلات کے لئے کتاب ہذا کا باب دہم' اور تازہ ترین معلومات کے لئے میری نئی کتاب "نوادر اقبال یورپ میں" (مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان' ۱۹۹۵ء) ملاحظہ کیجئے (درانی' ۱۳ اگست ۱۹۹۵ء)

۸۔ "اقبال" از عطیہ بیگم (آئینہ ادب' لاہور۔ مطبوعہ ۱۹۷۵ء)'

۹ ۔ تازہ تفصیلات کے لئے دیکھئے اس کتاب کا مضمون "فلسفہ عجم کے اصل مسودے کی دریافت"۔
(درانی، ۱۹۸۳ء)

۱۰ ۔ پس تحریر : اب یہ معلوم ہوا ہے کہ جناب نکلسن صرف اقبال کے بی اے کے تھیسس کے ممتحن یا حکم رہے تھے (دیکھئے میری کتاب "نوادر اقبال یورپ میں" مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۵ء)۔ ہاں اگر اقبال ان کے کچھ لکچروں میں بھی حاضر رہے ہوں، تو وہ الگ بات ہے۔ (درانی۔ اسلام آباد، ۸ دسمبر ۱۹۹۴ء)۔

۱۱ ۔ پس تحریر : پروفیسر براؤن کی "تاریخ ادب" کی جلد چہارم (مطبوعہ ۱۹۲۴ء) میں علامہ اقبال کی شاعری اور فلسفے کا ذکر ملتا ہے (صفحات ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲) (درانی۔ فرائی برگ، جرمنی۔ ۱۳ اگست ۱۹۹۵ء)

۱۲ ۔ جس کا میں ان دنوں شریک معتمد تھا۔

۱۳ ۔ ضمیمہ نمبر ۵۔

۱۴ ۔ راقم الحروف بھی ایک زمانے میں اس کے قریب ہی ایک گلی (St Clement's Gardens) میں (مکان نمبر ۳ میں) مقیم رہ چکا ہے۔

پس تحریر : اور حال ہی میں میری بیٹی نادیہ گیتی آرا بھی علامہ کے مکان سے چند قدم کے فاصلے پر ۳ پرتگال اسٹریٹ میں، کیمبرج میں اپنی تعلیم کے دوران قیام پذیر رہ چکی ہے۔ (درانی۔ اسلام آباد، ۸ دسمبر ۱۹۹۴ء)۔

۱۵ ۔ یہ مضمون ضمیمہ نمبر ۳ میں ملاحظہ کیجئے۔

۱۶ ۔ مطبوعہ لاہور، ۱۹۳۰ء۔

۱۷ ۔ دیکھئے ان سب تحریروں کے عکس اور Transcripts ضمیمہ نمبر ۵ میں۔

۱۸ ۔ لارڈ بٹلر ۳۰ جون ۱۹۷۸ء کو ٹرنٹی کالج کی ماسٹر شپ سے ریٹائر ہوئے۔ مارچ ۱۹۸۲ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔

۱۹ ۔ دیکھئے اس خط کا عکس اور Transcript ضمیمہ نمبر ۵ میں۔

۲۰ ۔ دیکھئے اس تقدیم اور مذکورۂ تحت تقدیمات کے عکوس ضمیمہ نمبر ۵ میں۔

۲۱ ۔ یہ مثنوی اسرار خودی کا پہلا ایڈیشن ہے، جو "باہتمام حکیم فقیر محمد صاحب چشتی نظامی دریونین سٹیم پریس لاہور طبع گردید"۔ بار اول، تعداد ۵۰۰۔

۲۲ ۔ دیکھئے اس خط کا عکس اور اس کا Transcript ضمیمہ نمبر ۵ میں۔ اب یہ خط میری تحویل میں ہے۔
(درانی۔ جرمنی، اگست ۱۹۹۵ء)

پس تحریر : ۱۹۷۷ء-۱۹۷۹ء کے دوران میں نے ٹرنٹی کالج کیمبرج کی Memorials Committee کے چند

افسروں' بالخصوص جناب فلپ گیسکل (Dr P. Gaskell) اور ڈاکٹر رابنسن (Dr R. Robinson) سے اس بارے میں بات چیت کی تھی کہ اس کالج میں علامہ کا پورٹریٹ لگنا چاہئے۔ (یاد رہے کہ ٹرنٹی کالج کیمبرج کے ہال میں اس کالج کے عہد آفریں سابق طلبہ و معلمین کے ساتھ ستر بڑے پورٹریٹ آویزاں ہیں)۔ ان اصحاب نے کہا کہ اگر حکومت پاکستان ایسی تجویز کرے' اور اگر اچھا سا پورٹریٹ بھی مہیا کر دے' تو کالج کے کسی موزوں مقام پر یہ پورٹریٹ ضرور لگ سکتا ہے۔ میں حکومت پاکستان سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ اس سلسلے میں عملی قدم اٹھائے۔ (درانی۔ ۱۹۸۳ء)

پس تحریر مکرر : اب علامہ کی شبیہ ٹرنٹی کالج کیمبرج میں آویزاں ہو چکی ہے۔ قارئین کی اطلاع اور دلچسپی کی خاطر یہاں اس اجمال کی تفصیل درج کرنا شاید غیر مناسب نہ ہو۔ باوجود یاد دہانیوں کے' حکومت پاکستان نے اس بارے میں کوئی قدم نہ اٹھایا۔ پھر نومبر ۱۹۸۹ء میں کیمبرج کی انجمن دانش جویان (Students) پاکستان نے ٹرنٹی کالج کیمبرج میں بڑے پیمانے پر ایک یوم اقبال مرتب کیا' جس کی صدارت کیمبرج کے زمانے سے میرے دیرینہ دوست اور ان دنوں سفیر کبیر پاکستان' جناب شہریار محمد خان نے فرمائی' اور جس میں مجھے بھی دعوت تقریر دی گئی تھی۔ اس تقریب کے مہمان خصوصی ٹرنٹی کالج کے استاذ اعظم اور (فزیالوجی میں) نوبل لاریٹ پروفیسر سرانیڈریو ہکسلے (Sir Andrew Huxley) تھے۔ اپنی تقریر کے دوران میں نے پھر اس بات کا ذکر کیا کہ دس گیارہ سال پیشتر لارڈ بٹلر نے وعدہ کیا تھا کہ وہ ٹرنٹی کالج کے کسی موزوں مقام پر اقبال کی شبیہ آویزاں کروا دیں گے' بشرطیکہ حکومت پاکستان ایسی تصویر کالج کو مہیا کر دے۔ سر اینڈریو نے اپنی جوابی تقریر میں فرمایا کہ کالج اب بھی ایسا کرنے پر تیار ہے' مگر حکومت پاکستان یہ شبیہہ مہیا کرے تو سہی!

اس بات پر ہم لوگوں کو خاصی شرمندگی محسوس ہوئی۔ اور بالخصوص مجھے اس امر کا احساس بھی تھا کہ پنڈت نہرو بھی اسی کالج کے پڑھے ہوئے ہیں' اور مجھے ۱۹۷۸ء سے اس بات کا دھیان تھا کہ ۱۹۸۹ء میں پنڈت نہرو کی ولادت کی سویں (۱۰۰) سالگرہ کے موقعے پر شاید حکومت ہند ان کا پورٹریٹ ٹرنٹی کالج میں لگوانے کی تجویز پیش کر دے' جس کے نتیجے میں کہیں کالج علامہ اقبال کی شبیہ کے لگوانے میں پس و پیش نہ کرنے لگے۔ مگر اس دوران' جنوری ۱۹۸۷ء سے مجھے اقبال اکادمی برطانیہ کا صدر نشین منتخب کر لیا گیا تھا۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ حکومتوں پر انحصار کرنے کے بجائے اپنے دست و بازو کے سہارے پر اس کام کو سرانجام دینا چاہیے۔

تفصیلات سے قطع نظر کرتے ہوئے' ہم نے پاکستان کے شہرۂ آفاق مصور' جناب گل جی کو موسم خزاں ۱۹۹۰ء میں اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ علامہ اقبال کا ایک نیا پورٹریٹ تیار کریں' جس کے لئے انہوں نے چند

تصویریں جناب ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب سے لاہور جا کر حاصل کر لیں۔ چنانچہ نومبر' دسمبر ۱۹۹۰ء کے میرے (سائنسی) دورۂ پاکستان' ملیشیا اور تھائی لینڈ کے دوران میں نے کراچی میں بالخصوص رکتے ہوئے جناب گل جی پر زور دیا کہ میں یہ پورٹریٹ اپنے ساتھ واپسی کے سفر میں انگلستان لے جانا چاہتا ہوں۔ تو خدا خدا کر کے میری کراچی سے لندن روانگی سے کوئی ایک گھنٹہ پیشتر جناب گل جی نے علامہ کی ایک بڑی خوبصورت نیلے اور سفید اور سیاہی مائل رنگوں پر مشتمل بڑے سائز کی (قریب 110 cm x 87 cm اور Oils میں پینٹ کی ہوئی) شبیہ میرے ہاتھ میں تھما دی' جس میں علامہ انگریزی لباس میں ملبوس ہیں (۱۹۳۰ء کے لگ بھگ کی شکل و شباہت میں)' اور کہ جس تصویر کے رنگ ابھی خشک بھی نہ ہوئے تھے۔

اس کے بعد میں کسی موزوں موقعے کا منتظر تھا۔ مارچ ۱۹۹۳ء میں میرے قدیمی کالج Caius کا سالانہ ڈنر تھا۔ اسی روز میں نے ٹرنٹی کالج کیمبرج کے نئے استاذ اعظم سے ملاقات کی' جن کا اسم گرامی سر مائیکل عطیہ (Sir Michael Atiyah) ہے۔ وہ لبنان میں ایک عیسائی گھرانے میں پیدا ہوئے تھے اور انہوں نے مصر اور انگلستان میں تعلیم پائی تھی۔ وہ دنیا بھر میں چوٹی کے چار پانچ ماہران ریاضی (Mathematicians) میں شمار کیے جاتے ہیں' انگلستان کی رائل سوسائٹی کے صدر ہیں' اور ملکہ انگلستان بیک وقت جن صرف پندرہ اشخاص کو OM یعنی Order of Merit کے لقب سے سرفراز کرتی ہیں' ان میں سے وہ ایک ہیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ علامہ اقبال کے نام سے واقف ہیں' بلکہ چونکہ وہ عربی رسم الخط پڑھ سکتے ہیں' اس لئے انہوں نے میری کتاب کا' یعنی "اقبال یورپ میں" کا عنوان بڑی سہولت سے بآواز بلند پڑھا' جو اس وقت میرے ہاتھ میں تھی۔

قصہ مختصر یہ کہ پروفیسر مائیکل عطیہ نے (اور میں عطیہ فیضی کے نام کے ساتھ ان کے نام کی مماثلت پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا) بخوشی اس بات کا وعدہ کیا کہ وہ ایک خصوصی تقریب نومبر ۱۹۹۳ء میں ٹرنٹی کالج میں منعقد کریں گے' جب علامہ کا یہ پورٹریٹ وہاں آویزاں کر دیا جائے گا۔ ہماری اکادمی نے اس رسم کے سلسلے میں شب و روز بہت کام کیا' اور بالآخر جمعہ ۱۲ نومبر ۱۹۹۳ء کے روز مسعود کو کیمبرج میں ایک بڑی پر شکوہ تقریب انجام پائی۔ اس موقعے پر پورٹریٹ کے خالق' جناب گل جی بالخصوص امریکا سے آ کر شریک محفل ہوئے' چار اسلامی ممالک کے سفیروں' اور بہت سے اعلیٰ معززین نے تقریب میں حصہ لیا۔ پہلے ٹیلی ویژن کیمروں اور اخباری نمائندوں کی موجودگی میں راقم الحروف' سر مائیکل عطیہ اور قائم مقام سفیر پاکستان کمانڈر خالد شفیع نے تقاریر کیں اور موخر الذکر نے شبیہ اقبال کی نقاب کشائی کی' جس کے بعد جناب گل جی نے کافی جذبات سے لبریز تقریر فرمائی۔ بس' ٹرنٹی کالج کے اس دلکش ڈائننگ ہال میں' جہاں کالج کے عظیم سپوتوں کی ساتھ ستر

شبیہیں آویزاں ہیں، اور جہاں نیوٹن اور بائرن اور ٹینی سن کی نگاہوں تلے نوجوان حضرت اقبال بھی بارہا ڈنر تناول کر چکے ہوں گے، ایک بے حد حسین و جمیل اور موی شمعوں سے جگ مگ کرتا ہوا ڈنر منعقد ہوا (جس کے آغاز میں کالج کے استاذ اعظم، سر مائیکل عطیہ نے مجھے Grace کہنے کی دعوت دی، جو عموماً" ہر شام کھانا شروع کرنے سے پہلے لاطینی زبان میں پڑھا جاتا ہے۔ اور شاید کالج کی طویل تاریخ میں پہلی مرتبہ میں نے بسم اللہ پڑھ کر حاضرین کو دعوتِ طعام دی)۔ کھانے کے بعد جب میں تقریر کرنے کے لئے کھڑا ہوا تو مجھے واقعی یوں محسوس ہوا گویا علامہ کی روح اس وقت ہمارے درمیان موجود ہے۔ سر مائیکل نے بھی کہا یوں معلوم ہوتا ہے کہ آج اس کالج کا ایک عظیم فرزند روحانی طور سے اپنے گھر واپس آ رہا ہے۔ دیگر مقررین میں سفراء، بشپ مائیکل نذیر علی (جنہوں نے کیمبرج ہی میں علامہ کی "اسرار خودی" پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا تھا)، اور ڈاکٹر اکبر احمد (جنہوں نے حال ہی میں Iqbal Visiting Fellow کے طور سے اپنا زمانہ تعین ختم کیا تھا) شامل تھے۔ کیمبرج کے سابق استاذ فارسی جناب Peter Avery نے علامہ کے کلام کا بڑا خوبصورت ترجمہ پڑھ کر سنایا، جو انہوں نے اس موقعے کے لئے خاص طور سے کیا تھا، جبکہ اردو اور فارسی کلام اقبال محترمہ پاکیزہ بیگ اور جناب اکبر حیدر آبادی نے ترنم کے ساتھ سنایا۔ ہاں اس موقعے پر ہندوستان کی نمائندگی مہاتما گاندھی کے صوتی منش پوتے، جناب گوپال کرشن گاندھی نے کی (جو ایک انگریزی منظوم ڈرامہ دارشکوہ کے نام سے شائع کر چکے ہیں)۔ چنانچہ میں نے اپنی تقریر میں از راہِ تفنن (اور کسی حد تک شرارتاً") یہ ضرور کہا، کہ آج پاکستان ہندوستان پر بازی لے گیا ہے، کہ علامہ اقبال کا پورٹریٹ تو ان کے قدیم کالج میں آویزاں ہو گیا ہے، لیکن تا حال پنڈت نہرو کے پورٹریٹ کے لگنے کی شروعات بھی نہیں ہوئیں!

بہرحال یوں ایک بڑے دوستانہ اور جگمگاتے ہوئے ماحول میں یہ تاریخی تقریب ختم ہوئی، اور جو خواب میں نے پندرہ سال پیشتر علامہ کی قیام گاہ پر یادگاری تختی کی تنصیب کے موقعے پر دیکھا تھا، بالآخر شرمندۂ تعبیر ہوا، بحمد اللہ تعالیٰ۔ (دراتی، ابوجا، نائیجیریا۔ ۲۱ ستمبر ۱۹۹۵ء)

-۵-

کیمبرج میں علامہ اقبال کی یادگار

کوئی ڈیڑھ سال ہوا' اب جب میں علامہ اقبال کی تاریخ ولادت کے متعلق تحقیق کر رہا تھا' تو ٹرنٹی کالج کیمبرج کے رجسٹر داخلہ بابت ۱۸۸۲ء-۱۹۱۳ء میں میں نے دیکھا کہ وہاں حضرت علامہ نے نہ صرف اپنی تاریخ پیدائش "محرم ۱۸۷۶ء" بدست خود درج کی ہے' بلکہ اپنی جائے قیام کا پتا ۱۷ پرتگال پلیس (17 Portugal Place) لکھا ہے- میں نے اس امر کی اطلاع مشہور انگریز مورخ جناب ائین اسٹیفنز صاحب (Stephens (Ian سابق مدیر The Statesman of India کو' اور سفارت خانہ پاکستان در لندن کے تعلیمی اتاشی جناب پروفیسر نذیر احمد کو دی' جن دونو کے ساتھ علامہ کی تاریخ ولادت کے بارے میں میری خط و کتابت اس وقت جاری تھی- نومبر ۱۹۷۷ء میں اسٹیفنز صاحب نے اتفاقاً" دیکھا کہ یہ مکان فروخت کے لئے مارکیٹ پر چڑھ رہا ہے- چنانچہ انہوں نے کیمبرج کی شہری کارپوریشن کو خط لکھا کہ اس موقع پر انہیں چاہئے کہ علامہ اقبال کی رہائش کی تختی اس مکان پر لگائیں' جیسا کہ کیمبرج کے اور کئی مکانوں پر ہے' جہاں شہرۂ آفاق ہستیاں قیام کر چکی ہیں- پھر اس سلسلے میں پروفیسر نذیر احمد اور ٹرنٹی کالج کے Senior Bursar جناب ڈاکٹر بریڈ فیلڈ نے بہت بھاگ دوڑ کی' اور آخر کار کیمبرج کی کارپوریشن نے اس بات کی اجازت دے دی- چنانچہ سفارت خانے کے خرچ پر ایک بہت عمدہ پتھر کی تختی اس مکان کی پیشانی پر نصب ہوئی' اور جون کی کسی تاریخ کو اس تختی کی تقریب رونمائی طے پائی-

ٹرنٹی کالج ہی کی لائبریری میں میں نے علامہ اقبال کی مشہور کتاب "خطبات مدراس" (Six Lectures on the Reconstruction of Religious Thought

in Islam) کا ایک نسخہ دریافت کیا' جو علامہ اقبال نے ۵ مئی ۱۹۳۰ء کو اپنے دوست سر مانٹیگو بٹلر' گورنر صوبجات متوسط' کو پیش کیا تھا۔ اس کتاب کے اندر سر مانٹیگو کا ایک خط بنام پروفیسر آربری (Professor A. J. Arberry) مورخہ ۲ مئی ۱۹۴۸ء بھی محفوظ تھا' جس میں سر مانٹیگو نے پروفیسر آربری کو لکھا تھا کہ :

"علامہ اقبال سے میرے بڑے دوستانہ مراسم تھے' بالخصوص میرے زمانہ قیام لاہور کے دوران' اور میں نے ہی حکومت ہند کو سفارش کی تھی کہ علامہ کو کوئی خطاب دیا جائے۔ میں چاہتا تھا کہ ان کے لئے کسی فارسی خطاب کا احیاء کیا جائے' لیکن حکومت ہند کو خدشہ تھا کہ یہ رسم ہی نہ چل نکلے۔ چنانچہ انہوں نے علامہ موصوف کو سر کا خطاب عطا کیا"۔۲۔

دلچسپی کی بات یہ ہے کہ پچھلے بارہ سال سے سر مانٹیگو بٹلر کے صاحبزادے لارڈ بٹلر' ٹرنٹی کالج کے ماسٹر ہیں (جو ۱۹۰۲ء میں اٹک' صوبہ پنجاب میں پیدا ہوئے تھے)۔ وہ اس برس ۳۰ جون ۱۹۷۸ء کو ریٹائر ہو رہے تھے۔ چنانچہ فیصلہ یہ ہوا کہ اس رسم میں لارڈ بٹلر ضرور شامل ہوں۔ لارڈ بٹلر نے اس بات سے اتفاق کیا' اور ٹرنٹی کالج میں ایک بڑے استقبالیہ کا انہوں نے اہتمام کیا۔ اب جون کے مہینے میں واحد تاریخ' جو ان کے لئے موزوں تھی' وہ ۲۲ جون تھی (اگرچہ میں نے نذیر احمد صاحب سے خاص طور پر استدعا کی تھی کہ وہ یہ دن نہ چنیں' کیونکہ اسی شام کو مجھے رائل سوسائٹی لندن میں ایک تقریب میں شامل ہونا تھا' جہاں روسی مہتابی مواد کی ہم لوگ نمائش کر رہے تھے)۔ بہرحال جب ۲۲ جون کی صبح طلوع ہوئی' تو نو بجے ریڈیو پر یہ خبر سن کر ہم سناٹے میں رہ گئے کہ اسی روز علی الصباح سفیر پاکستان جنرل محمد اکبر خان صاحب حرکت قلب کے بند ہو جانے سے یکایک انتقال کر گئے ہیں۔ سفارت خانہ پاکستان نے فیصلہ کیا کہ مرحوم کی تجہیز و تکفین اور ان کے جسد خاکی کی پاکستان واپسی کے انتظامات کے پیش نظر وہاں سے کوئی نمائندہ کیمبرج کی تقریب میں شامل نہ ہو سکے گا۔۳۔ دوسری طرف ٹرنٹی کالج کی انتظامیہ نے فیصلہ کیا کہ چونکہ باہر سے کئی معززین اس رسم میں شامل ہو رہے تھے' جن کو جلسے کے ترک کی اطلاع دینا اب ممکن نہیں تھا' اس لئے چار و ناچار

رسم تنصیب کا انعقاد لازمی تھا۔ اس پر ڈاکٹر بریڈ فیلڈ صاحب نے مجھے فون کیا کہ جناب سفیر کی عدم موجودگی میں میں پاکستان کی نمائندگی کروں۔

۱۷ پرتگال پلیس کی یادگاری تختی کی رونمائی ۲۲ جون کو سہ پہر چار بجے جناب سفیر کے بجائے لارڈ بٹلر نے کی۔ اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ ان کے لئے یہ موقع ایک گھریلو تقریب کا سا ہے، کیونکہ حضرت علامہ کے ان کے والد مرحوم کے ساتھ دیرینہ اور دوستانہ تعلقات تھے۔ اس کے بعد انہوں نے مجھ سے کچھ الفاظ کہنے کی استدعا کی۔ میں نے کہا کہ اس تقریب کے ذریعے، جس کا مقصد علامہ اقبال کی عزت افزائی تھا، لارڈ بٹلر، ٹرنٹی کالج اور کیمبرج یونیورسٹی نے در حقیقت پوری پاکستانی قوم کی عزت افزائی کی ہے۔ میں نے اس سلسلے میں جناب ائین اسٹیفنز کی کوششوں کو بھی بالخصوص سراہا۔ لارڈ بٹلر نے جناب سفیر کی ناگہانی رحلت پر بہت اظہار افسوس کیا۔ اس تقریب میں بہت سے معززین شریک ہوئے، جن میں کیمبرج کے ایم پی، پروفیسر رابرٹ روڈز جیمز (Prof. Robert Rhodes James)، اور کیمبرج شہر کے میئر بھی شامل تھے، اور مقامی اخبارات اور بی بی سی ٹیلی ویژن اور بی بی سی ریڈیو اس تقریب کا احاطہ کر رہے تھے۔ تختی کی رونمائی کے بعد ٹرنٹی کالج میں استقبالیہ شروع ہوا، جس میں کئی پروفیسر، مقامی معززین اور پاکستانی اور ہندوستانی طالب علم شامل تھے۔ یہاں چائے اور دیگر ماکولات و مشروبات سے تواضع کے بعد چند تقریریں ہوئیں۔ سب سے پہلی تقریر لارڈ بٹلر کی تھی۔ اس کا مسودہ میں نے ہی انہیں مہیا کیا تھا، جس میں علامہ اقبال کے ٹرنٹی کالج کے ساتھ اور خود لارڈ بٹلر کے خاندان کے ساتھ تعلقات کا مفصل ذکر تھا۔ اس کے بعد میری تقریر تھی، جس میں میں نے علامہ اقبال کی شاعری اور فلسفے پر مختصر الفاظ میں روشنی ڈالی، خصوصاً" ان کے فلسفہ خودی اور نظریہ حرکت و تغیر پر۔ اور یہ بھی کہا کہ اگرچہ میں اس وقت انگلستان میں کھڑا ہوں، لیکن یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ملت اسلامیہ اور باشندگان ہند کے نام علامہ کا سب سے اہم پیغام یہی تھا کہ وہ حکمرانی افرنگ سے چھٹکارا حاصل کریں اور استعمار کا جوا گلے سے اتار پھینکیں۔ اس استقبالیہ کو بھی بی بی سی کے ٹیلیویژن اور ریڈیو کے نمائندے کور

(Cover) کر رہے تھے۔

تقاریر کے بعد مخصوص مہمانوں نے کتب خانے میں ۱۸۸۲ء سے ۱۹۱۳ء تک والے رجسٹر کا معائنہ کیا، جس میں علامہ اقبال کے داخلے کی تاریخ اور ان کے دستخط ثبت تھے۔ یوں یہ یادگار، اور بعض اعتبار سے قلق انگیز، تقریب انجام پذیر ہوئی۔ ۴۔

(افکار، کراچی۔ نومبر ۱۹۷۸ء)

حواشی

۱۔ یہ تحریر ابتداء "مدیر "افکار" " کے نام ایک خط کی صورت میں لکھی گئی تھی۔ مورخہ ۲۳ جولائی ۱۹۷۸ء۔

۲۔ اصل خط کا عکس اور Transcripts ضمیمہ نمبر ۵ میں ملاحظہ کیجئے۔

۳۔ اگرچہ اس میں ایک بڑے وفد کے، بمع حضرت فیض احمد فیض، شمول کے انتظامات کئے جا چکے تھے۔

پس تحریر: فیض صاحب بالخصوص اپنے والد مرحوم کے دیرینہ کالج (Christ's College, Cambridge) کو دیکھنے کا اشتیاق رکھتے تھے۔ افسوس کہ (نومبر ۱۹۸۴ء میں) اپنی وفات سے پہلے ان کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ (درانی، برمنگھم۔ ۸ جون ۱۹۹۶ء)۔

۴۔ اس تقریب کے سلسلہ میں مزید تفصیل اگلے مضمون "انگلستان میں علامہ اقبال کی چند دستی تحریریں" میں ملاحظہ کیجئے۔
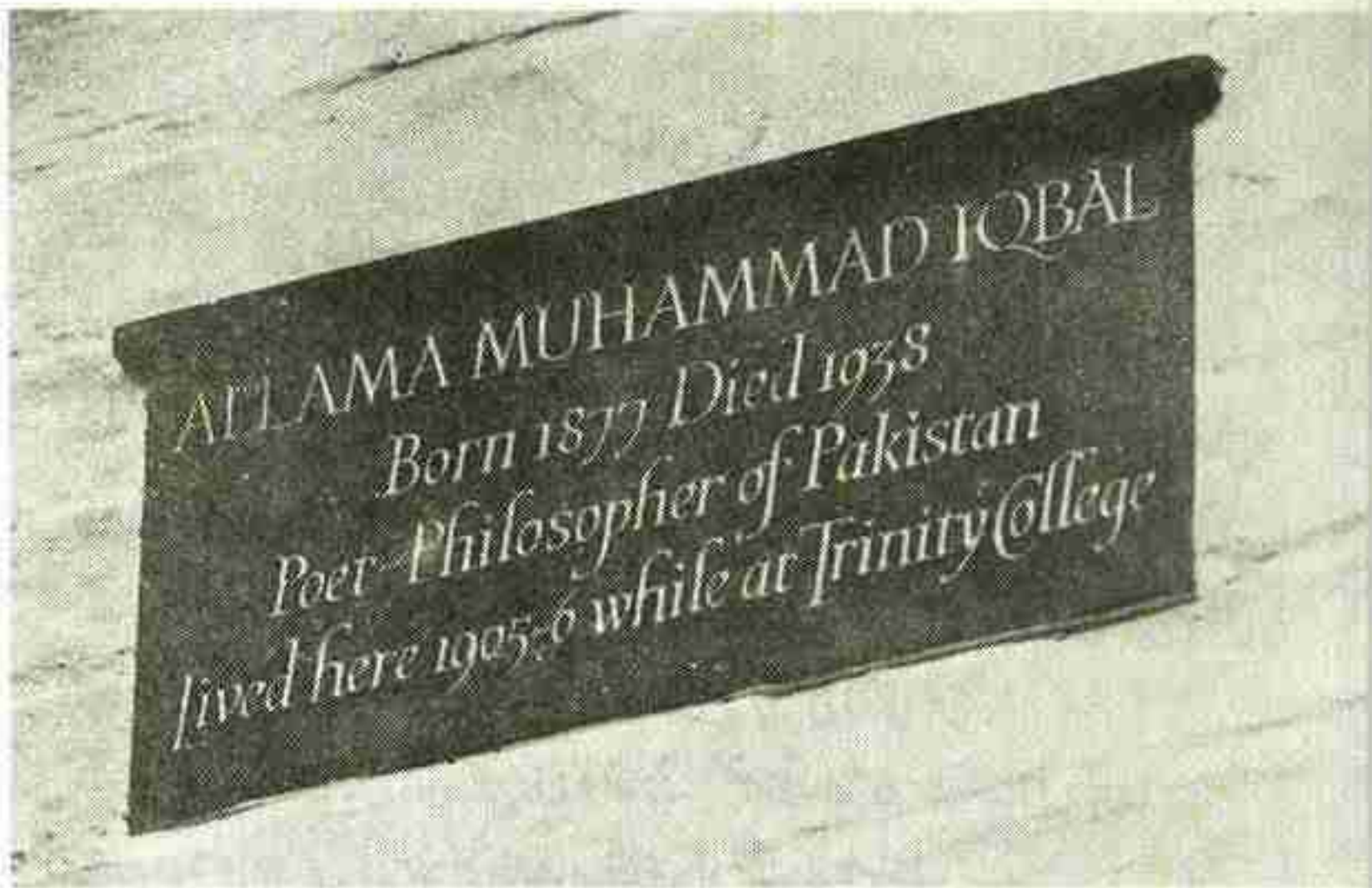
علامہ اقبال کی اولین اقامت گاہ، ۱۷ پرتگال پلیس (17 Portugal Place) کیمبرج،
پر نصب شدہ یادگاری تختی، جس کی نقاب کشائی لارڈ بٹلر نے ۲۲ جون ۱۹۷۸ء کے
روز کی تھی۔ (تصویر بہ شکریہ کیمبرج ایوننگ نیوز)

-٦-

انگلستان میں
علامہ اقبال کی چند دستی تحریریں

علامہ اقبال کے صد سالہ جشن ولادت کی تحریک سے، میں نے دو تین سال ہوئے، انگلستان میں حضرت علامہ سے متعلق مواد کی جستجو شروع کی۔١۔ اس تحقیق کے دوران علامہ کی کئی ایک دستی تحریریں دریافت ہوئیں، اور کچھ ایسی چیزیں بھی معلوم ہوئیں جو ان کی زندگی کے بعض گوشوں پر روشنی ڈالتی ہیں۔

اس مضمون میں جن تحریروں کا تعارف مقصود ہے، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

١۔ سر طامس آرنلڈ کی وفات پر لیڈی آرنلڈ کے نام خط۔

٢۔ پروفیسر آرنلڈ کی صغیر سن صاحبزادی نینسی کے نام پوسٹ کارڈ۔

٣۔ ڈاکٹر لیوی کے نام ایک غیر مطبوعہ خط۔

٤۔ پروفیسر آربری کے نام سر مانٹیگو بٹلر کا خط، اور موخر الذکر کے نام علامہ کا انتساب۔

٥۔ نینسی آرنلڈ کے نام علامہ اقبال کا خط٢۔

٦۔ ٹرنٹی کالج کیمبرج اور لنکنز ان لندن کے داخلے کے رجسٹروں میں اندراجات۔

٧۔ متفرق تحریریں اور انتسابی جملے۔

١۔ لیڈی آرنلڈ کے نام تعزیتی خط

سر طامس آرنلڈ سے علامہ اقبال کو جو غیر معمولی عقیدت تھی وہ محتاج بیان

نہیں۔ ان کی وفات پر علامہ نے بیگم آرنلڈ کے نام ایک خط میں گہرے دکھ کا اظہار کیا۔ ۲۶ جولائی ۱۹۳۰ء کا یہ خط مکمل پس منظر کے ساتھ، اس کتاب میں شامل مضمون "اقبال کے استاد مشفق، سر طامس آرنلڈ" میں ملاحظہ کیجیے۔

۲۔ مس نینسی آرنلڈ کے نام پوسٹ کارڈ

میرا اندازہ ہے کہ علامہ اقبال اپنے استاد مشفق (سر طامس آرنلڈ) کو خاصی باقاعدگی سے خط لکھا کرتے تھے۔ پروفیسر آرنلڈ کے قیام لاہور کے دوران اقبال کا ان کے یہاں بہت آنا جانا تھا۔ پروفیسر آرنلڈ کا مکان ان دنوں ٹمپل روڈ پر تھا۔ مس عطیہ فیضی کے نام ایک خط (مورخہ ۳۰ مارچ ۱۹۱۰ء) میں، علامہ اقبال مسٹر اور مسز اکبر حیدری کی مہمان نوازی کا بڑی گرم دلی کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد یوں رقم طراز ہیں: "میرے دل میں ان دونوں کا بے حد احترام ہے۔ ان کا وہ دوسرا حقیقی گھر ہے، جو میرے دیکھنے میں آیا۔ پہلا آرنلڈز کا تھا"۔۳۔ کیمبرج اور لندن کے دوران قیام میں بھی جناب اقبال اکثر پروفیسر آرنلڈ سے ملتے رہتے تھے۔ کبھی آرنلڈ صاحب کیمبرج آتے تھے، اور کبھی علامہ، لندن ان سے ملنے جاتے تھے۔ ان ملاقاتوں کی کچھ تفصیل عطیہ بیگم کی کتاب "اقبال" سے، اور کچھ "بانگ درا" میں شیخ عبدالقادر کے دیباچے سے معلوم ہو سکتی ہے۔ میرے دوست ڈاکٹر بارفیلڈ صاحب ۴۔ کے پاس جو خاندانی خطوط جمع ہیں، میں نے انہیں بغور دیکھا ہے۔ لیکن علامہ اقبال کا کوئی خط، سر طامس کے نام دریافت نہیں ہوا ۵۔ (اسی طرح ماڈلین کالج کیمبرج اور دبستان علوم شرقی و افریقیائی (SOAS) لندن کی لائبریریوں سے بھی کوئی خط نہیں مل سکا)۔ ہاں ڈاکٹر بارفیلڈ کے ذخیرے سے ایک پوسٹ کارڈ ملا، جو علامہ اقبال نے پروفیسر آرنلڈ کی صاحبزادی نینسی (Nancy) کو لکھا تھا (جو بعدازآں کیمبرج سے بی اے کرنے کے بعد ایک انجینئر جناب بارفیلڈ سے بیاہی گئیں)۔ مس نینسی آرنلڈ ہندوستان میں ۲۸ نومبر ۱۸۹۶ء کو پیدا ہوئی تھیں، یعنی پروفیسر آرنلڈ کے علی گڑھ سے گورنمنٹ کالج لاہور میں منتقل ہونے سے کوئی سوا سال قبل۔ اس پوسٹ کارڈ پر "انار کلی پوسٹ آفس، ۵ اپریل ۱۹۰۹ء"۔

کی مہر لگی ہے۔ گویا اس وقت مس نینسی کی عمر قریب بارہ سال تھی۔ اس پوسٹ کارڈ کی پشت پر جامع مسجد دہلی کی تصویر ہے، جہاں ایک جم غفیر نماز جمعہ ادا کر رہا ہے۔ قنات کے اس طرف خواتین نماز کے لئے کھڑی ہیں۔ یہ نہیں معلوم کہ یہ پوسٹ کارڈ عید کارڈ کے طور سے بھیجا گیا تھا یا نہیں؟ اس کارڈ کی عکسی نقل بھی دی جا رہی ہے (ضمیمہ نمبر۵)۔ علامہ کی تحریر کا ترجمہ یوں ہے:

"یہ رہا ریاضی کا ایک مسئلہ تمہارے لئے: وہ تمام مرد (اور عورتیں) جو دلی کی مسجد میں مصروف نماز ہیں، ذرا ان کو گن کر تو دکھاؤ۔ اقبال" (بنام۔ مس نینسی آرنلڈ۔ ۲۸ نیھارنش روڈ، ومبلڈن۔ لندن۔ انگلستان)

۴۔ ڈاکٹر ریوبن لیوی کے نام ایک غیر مطبوعہ خط

دو سال ہوئے، جب موسم گرما ۱۹۷۷ء کے دوران، میں دو تین ہفتے کے لئے کیمبرج میں (جو میری پرانی یونیورسٹی ہے) تعطیل منا رہا تھا، تو وہاں کی یونیورسٹی لائبریری اور ٹرنٹی کالج کی خوبصورت اور باقیات الصالحات سے پر لائبریری میں مجھے علامہ اقبال سے متعلق کاغذات کی تلاش کا خیال آیا، کیونکہ یہ سال اقبال تھا۔ کیمبرج یونیورسٹی لائبریری میں علامہ اقبال کی تصنیف کردہ اور ان کے بارے میں لکھی گئی کتابوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ اور مجھے یاد تھا کہ زمانہ طالب علمی کے دوران جب میں نے ان کی ایک دو کتابیں وہاں دیکھی تھیں، تو ان میں علامہ کے دستخط اور لائبریری کو پیش کش کے جملے تحریر تھے۔ میں نے فیصلہ کیا کہ اس بڑے مجموعے میں صرف وہ کتابیں دیکھی جائیں جو خود علامہ اقبال کی تصنیف کردہ تھیں، اور جن کے وہ ایڈیشن یونیورسٹی کی فہرست کتب (کیٹلاگ) میں درج ہوں، جو علامہ کے دوران حیات شائع ہو چکے تھے۔ (بعض کتابوں کے ایک سے زیادہ ایڈیشن موجود تھے، اور بعضوں کے اولین ایڈیشن گم ہو چکے تھے)۔ کیونکہ اس بات کا امکان تھا کہ یہ ایڈیشن خود علامہ اقبال نے یونیورسٹی کو پیش کئے ہوں، اور اس پر انہوں نے بدست خاص کچھ جملے تحریر کئے ہوں۔

اس تلاش و پژوہش میں مجھے کافی حد تک کامیابی ہوئی۔ سب سے اہم چیز جو دریافت ہوئی، وہ علامہ اقبال کا دستی تحریر کیا ہوا ایک خط تھا، جو انہوں نے اکتوبر ۱۹۲۳ء میں ڈاکٹر ریوبن لیوی (Reuben Levy) کو لکھا تھا۔ یہ خط "پیام مشرق" کے پہلے ایڈیشن (مطبوعہ ۱۹۲۳ء) کے اس نسخے کے اندر محفوظ تھا، جو علامہ نے ڈاکٹر لیوی کو بھیجا تھا۔۵۔ یاد رہے کہ یہ وہی پروفیسر لیوی ہیں جن کی زیر نگرانی (پروفیسر آرتھر آربری کی معیت میں)، علامہ کے صاحبزادے جاوید اقبال ۱۹۴۹ء میں اکتساب علم کے لئے کیمبرج پہنچے تھے۔ پروفیسر لیوی کا انتقال ۶ ستمبر ۱۹۶۶ء کو ہوا، اور ان کی وفات کے بعد ان کا ذاتی کتب خانہ کیمبرج یونیورسٹی لائبریری کو منتقل ہوا۔ اس غیر مطبوعہ خط کی عکسی نقل پہلی بار (ضمیمہ نمبر ۵ میں) شائع کی جا رہی ہے۔ اس خط کا ترجمہ درج ذیل ہے:

لاہور

۳۰۔ اکتوبر ۱۹۲۳ء

جناب مکرم،

کل رات، پنجاب یونیورسٹی کے "فارسی تعلیمی بورڈ" کی ایک میٹنگ میں ہم نے ادب فارسی پر آپ کے دلچسپ کتابچے کو اپنے بی اے کے فارسی نصاب تعلیم میں داخل کرلیا ہے۔ یہ کتاب اس سے پیشتر میری نظر سے نہیں گزری تھی۔ لیکن اس کو دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ میری کتاب "پیام مشرق" جو گوئٹے کے "دیوان مشرق و مغرب" کے جواب میں لکھی گئی ہے، شاید آپ کے لئے باعث دلچسپی ہو۔ یہ کتاب چند ہی مہینے ہوئے، شائع ہوئی تھی، اور اس کا ایک دوسرا ایڈیشن، ترمیمات اور اضافوں کے ساتھ عنقریب ہی نکلنے والا ہے۔ چنانچہ میں اس کا ایک نسخہ آپ کو بھیجنے کی جسارت کر رہا ہوں، اور میری بڑی خواہش ہے کہ آپ اس کے بارے میں اپنی رائے سے مجھے آگاہ فرمائیں۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال (کے۔ ٹی) ۶۔

بیرسٹرایٹ لا

(ڈین' اورینٹل فیکلٹی

پنجاب یونیورسٹی' لاہور)

ان تعارفی سطور کے ساتھ بر سبیل تذکرہ' میں ایک عجیب و غریب بات کی طرف اشارہ کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ اس خط میں حضرت علامہ نے المانوی شاعر گوئٹے کا نام Geothe تحریر کیا ہے' (بجائے Goethe کے)۔ جب میں نے یہ خط پہلے پہل دیکھا' تو اس کے ذرا دیر بعد ہی جناب جسٹس جاوید اقبال صاحب نے ازا راہ کرم مجھے اپنی مرتب کردہ کتاب Stray Reflections (علامہ اقبال کی نوٹ بک برائے ۱۹۱۰ء) ارسال فرمائی۔ اس میں حضرت علامہ نے گوئٹے کا ذکر نو مرتبہ کیا ہے۔ ان میں سے تین ارشادات اتفاق سے عکسی "پلیٹوں" پر بھی پیش کئے گئے ہیں (دیکھئے کتاب مذکورہ کی طبع اول (غلام علی اینڈ سنز' لاہور ۱۹۶۱ء) کے صفحات ۵۴' ۷۱ اور پلیٹیں نمبر ۵' ۶ اور ۱۲)۔ اور تینوں مرتبہ ہی ہجے صاف طور سے Geothe پڑھے جا سکتے ہیں۔ اب علامہ اقبال کی علمیت اور تبحر سے تو صرف کوئی جاہل ہی انکار کر سکتا ہے' اور خود مجھے ان کے علم و فضل پر یقین کامل ہے۔ چنانچہ میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اتفاق سے حضرت علامہ کے ہاتھ پر جو ہجے ۱۹۱۰ء یا شاید ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۷ء تک چڑھ گئے تھے'۷۔ وہ بے خیالی اور عادت کے باعث ۱۹۲۳ء تک جاری رہے' اور ایسی غلطیاں دنیا میں عام ہیں۔ ویسے زیر نظر خط قلم برداشتہ لکھا گیا ہے (جو کہ علامہ اقبال کا معمول تھا)۔ چنانچہ اس میں گوئٹے کے دیوان کے جرمن ہجوں میں بھی سہو املا ہو گیا ہے' جو West-Oestlicher Diwan ہونا چاہئے تھا (جب کہ علامہ نے دیوان کے نام کے دوسرے لفظ کو Oestlischen تحریر کیا ہے)۔ اسی طرح "پیام مشرق" کے انگریزی ہجوں میں بھی دو غلطیاں نظر آتی ہیں۔ یہ معلوم کرنا باعث دلچسپی ہوگا کہ آیا Stray Reflections کے قلمی نسخے میں گوئٹے سے متعلق باقی ماندہ چھ ارشادات میں شاعر کے ہجے صحیح درج ہوئے ہیں یا نہیں؟۸۔

۴- پروفیسر آربری کے نام سر مانٹیگو بٹلر کا ایک اہم خط اور متعلقہ انتسابات

موسم گرما ۱۹۷۷ء کے دوران، میں نے ٹرنٹی کالج کیمبرج کی خوبصورت لائبریری میں (جو شہرۂ آفاق ماہر تعمیر سر کرسٹوفر رین ۱۶۳۲ء-۱۷۲۳ء Sir Christopher Wren کا شاہکار ہے) علامہ اقبال سے متعلق کاغذات کی جستجو کی، تو ان کی کتاب Six Lectures on the Reconstruction of Religious Thought in Islam (لاہور ۱۹۳۰ء) کا ایک نسخہ وہاں نظر آیا- یہ نسخہ (ٹرنٹی کالج لائبریری حوالہ نمبر Adv. c. 25.38) غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے- اور اس کی دو وجوہ ہیں- اول تو اس کے صفحہ اول پر چند تاریخی تقدیمات ثبت ہیں: (ان کا عکس ضمیمہ ۵ میں دیکھئے)- سر مانٹیگو بٹلر (۱۸۷۲ء-۱۹۵۲ء)، لارڈ بٹلر کے والد ماجد تھے- ۱۹۳۰ء میں سر مانٹیگو ہندوستان کے صوبجات متوسط (C.P.) کے گورنر تھے، اور اس سے پیشتر ایک عرصے تک پنجاب میں اہم عہدوں پر متمکن رہ چکے تھے، مثلاً پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی کے اسپیکر- وہ لاہور کے قیام کے زمانے سے علامہ اقبال کے دیرینہ دوستوں میں شامل تھے- اس کتاب کی اشاعت کے بہت جلد بعد اس کی ایک جلد حضرت علامہ نے سر مانٹیگو کی خدمت میں پیش کی تھی- پھر ۱۹۴۸ء میں، جب انگلستان میں یوم اقبال، قیام پاکستان کے بعد پہلی مرتبہ منایا جا رہا تھا، تو سر مانٹیگو بٹلر نے، جو ان دنوں پمبروک (Pembroke) کالج کیمبرج کے ماسٹر (استاذ اعظم) تھے، اپنے ہی کالج کے پروفیسر آف عربک، اے- جے آربری صاحب (۱۹۰۵ء- ۱۹۶۹ء) کو یہ تاریخی کتاب پیش کی- یاد رہے کہ پروفیسر آربری نے علامہ اقبال کی کئی کتابوں کے بہت خوبصورت انگریزی تراجم شائع کئے ہیں (جاوید اقبال بھی، جہاں تک مجھے یاد ہے، اسی کالج میں داخل تھے اور جب میں ۱۹۵۳ء میں کیمبرج پہنچا تو وہ وہیں تھے- پروفیسر آربری ان کے نگران یا مشیر تھے- پروفیسر آربری سے مجھے بھی نیاز حاصل رہا- وہ ہماری پاکستان سوسائٹی ۸ے کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے یوم اقبال میں بالالتزام شریک ہوا کرتے تھے- اور ہماری اسلامک سوسائٹی کے بھی، جس کا میں ایک سال صدر رہا، وہ اعزازی خازن Senior Treasurer تھے)

بہر کیف ' بہت دنوں بعد (یعنی ۱۹۶۶ء میں) جب انہی سر مانٹیگو بٹلر کے صاحبزادے لارڈ بٹلر (جو مسٹر ہیرلڈ میکملن کے زمانے میں R. A. Butler کی حیثیت سے وزیر داخلہ ' لارڈ پریوی سیل (Lord Privy Seal)' اور نائب وزیراعظم رہ چکے تھے ' اور بہت سے لوگوں کا خیال تھا کہ وہ سرانطونی ایڈن یا مسٹر میکملن کے بعد برطانیہ کے وزیر اعظم بن جائیں گے) ' ٹرنٹی کالج کے ماسٹر (استاذ اعظم) بن کر تشریف لائے ' تو پروفیسر آربری نے یہ یادگار کتاب دوبارہ ان کو پیش کر دی ' اور یوں یہ "سنہری چکر" مکمل ہوا ' اور یہ کتاب واپس ٹرنٹی کالج پہنچ گئی۔

اس کتاب ("خطبات مدراس") کے صفحہ اول پر جو تحریریں ہیں ' ان کا ترجمہ یوں ہے :

اول۔ "تقدیم بہ عزت مآب سر مانٹیگو بٹلر ' ناگپور۔ از : محمد اقبال ' بیرسٹرایٹ لاء ' لاہور۔ ٦ مئی ۱۹۳۰ء"۔

دوم۔ "اور از جانب من ' میرے دوست اور رفیق کار ' پروفیسر اے۔ جے آربری ' ڈی لٹ کو پیش کی گئی۔ ۵ مئی ۱۹۴۸ء (دستخط) مانٹیگو بٹلر"۔

سوم۔ "اور اے جے اے کی طرف سے ٹرنٹی کالج لائبریری کو ہدیہ ' لارڈ بٹلر کی ماسٹرشپ کے موقعے پر ' (دستخط) اے۔ جے آربری ' ۳۰ اپریل ۱۹۶۶ء"۔

اس نسخے کی دوسری وجہ امتیاز یہ ہے ' کہ اس کے فلیپ میں سر مانٹیگو بٹلر کے ہاتھ کا تحریر کیا ہوا ایک خط بھی منسلک ہے ' جو سر مانٹیگو نے یہ کتاب پروفیسر آربری کو پیش کرتے ہوئے تحریر کیا تھا (اس خط کا عکس ضمیمہ نمبر ۵ میں ہے)۔ اور اس سے ایک اہم بات کا پتا چلتا ہے ' یعنی یہ کہ بقول سر مانٹیگو بٹلر علامہ کے خطاب کی تجویز انہوں نے ہی حکومت ہند کو کی تھی۔ اور اس کے علاوہ یہ کہ ان کی سفارش علامہ کو کوئی فارسی خطاب دینے کی تھی۔ یہ کیا خطاب تھا ' اس کا پتا اس خط سے نہیں ملتا۔ لیکن وہ کسی فارسی خطاب کے "احیاء" کی بات کر رہے ہیں ' (یعنی یہ شمس العلماء وغیرہ کا خطاب نہیں تھا ' جو ان دنوں مروج تھا اور جو علامہ اقبال نے اسی موقعے پر اپنے استاد محترم ' جناب سید میر حسن کو دلوایا تھا)۔

اس اہم خط کا ترجمہ درج ذیل ہے:

دی لاج (اقامت گاہ)۔ پمبروک کالج کیمبرج۔ ٹیلیفون ۴۷۶۳۔ (مورخہ) ۴۸-۵-۷۔

محبی آربری،

وہ کتاب، اقبال سے متعلق چند حالیہ تراشوں کے ساتھ پیش خدمت ہے۔۹۔

ہم حقیقی دوست تھے، بالخصوص میرے قیام لاہور کے دوران میں، اور میری ہی تجویز پر انہیں خطاب ملا تھا۔ میری خواہش تھی کہ ان کے لئے ایک فارسی خطاب کا احیاء کیا جائے، لیکن (حکومت ہند کو) خدشہ تھا کہ کہیں ایسی رسم ہی نہ چل نکلے۔ چنانچہ انہیں سر کا خطاب دیا گیا۔ ان کی شخصیت میں مقناطیسی قوت تھی، اور جب وہ اپنا کلام پیش کرتے تھے تو ان کے سامعین پر ایک زبردست کیفیت جذب طاری ہو جاتی تھی۔ سیاسی لحاظ سے وہ نظریہ پاکستان کے خالق تھے، لیکن ہمیشہ برطانوی دولت مشترکہ کے اندر۔ اور میرا خیال تھا کہ لفظ پاکستان انہی کی اختراع تھی۔ لیکن ڈی مانٹ مورینسی ۱۰۔ کو اس بات پر شبہ ہے۔ وہ اس لفظ کی ایجاد کا سہرا یہیں کیمبرج والے رحمت علی کے سر باندھتے ہیں۔ یہ کچھ اس امریکی سیاح اور آرچ بشپ آف یارک والی بات ہی ہوئی "کہ اب یہ راز سربستہ ہی رہے گا"۔۱۱۔

آپ کا مخلص دیرینہ
ایم بٹلر

۵۔ نینسی آرنلڈ کے نام علامہ اقبال کا خط، اور اس کا ترجمہ

نوٹ: یہ وہ خط ہے جس کا ذکر اس کتاب کے دیباچے میں آ چکا ہے۔ پروفیسر طامس آرنلڈ کی صاحب زادی نینسی (ولادت، ۲۸ نومبر ۱۸۹۶ء علی گڑھ، وفات، لندن ۱۹۲۶ء) کا یہ خط ان کے فرزند ارجمند ڈاکٹر لارنس بار فیلڈ کے کاغذات میں محفوظ تھا۔ مگر ۱۹۶۵ء کے لگ بھگ ان کی ملاقات جناب وحید احمد سے ہوئی (جو بعد ازآں قائداعظم یونیورسٹی، اسلام آباد، میں تاریخ کے پروفیسر رہے)۔ موخرالذکر ان دنوں لندن میں مقیم

تھے، اور انہوں نے بارفیلڈ صاحب کے والد ماجد سے سرطامس آرنلڈ اور علامہ اقبال کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی درخواست کی تھی۔ چنانچہ ڈاکٹر بارفیلڈ نے یہ خط، اور سرطامس کے کچھ اور کاغذات، ڈاکٹر وحید احمد کو عاریتہ" دے دیے۔ اگرچہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے سرطامس کے بہت سے کاغذات انہیں لوٹا دیے تھے، تاہم علامہ اقبال کا یہ خط تاحال ڈاکٹر وحید احمد کی تحویل میں ہے۔ اس خط کا Transcript جون ۱۹۸۴ء میں ڈاکٹر رحیم بخش شاہین صاحب نے ڈاکٹر بارفیلڈ کو کچھ استفسارات کے ساتھ ارسال کیا تھا، جنہوں نے اس کی ایک نقل مجھے مہیا کی تھی۔ اس خط کا ترجمہ درج ذیل ہے۔ Transcript (اور عکس) کے لئے دیکھئے ضمیمہ نمبر ۵۔ (درانی۔ برمنگھم، ۳۰ جنوری، ۱۹۹۶ء)

لاہور

۱۱ جنوری ۱۹۱۱ء

عزیزہ من نینسی (My dear Nancy)

پچھلے پیر کو صبح سویرے جب کہ میں زندگی کے عُجب و غرور (Vanities) پر غور کر رہا تھا، میرے ملازم نے تمہارا کرسمس کارڈ لا کر مجھے دیا۔ تم تصور کر سکتی ہو کہ اسے پا کر مجھے کس قدر خوشی ہوئی۔ بالخصوص اس وجہ سے کہ اس نے مجھے ان پر مسرت دنوں کی یاد دلائی جو میں نے اپنے گرو (Guru) کے ساتھ انگلستان میں گذارے تھے۔ میں اس عمدہ تحفے کے لئے تمہارا بے حد شکر گذار ہوں۔

میرا خیال ہے کہ تم اپنے علم نباتات (Botany) کے اسباق میں خوب ترقی کر رہی ہو گی۔ ۱۳ے میں جب اگلی مرتبہ اپنے گرو کی پابوسی کے لئے (To kiss the feet of my Guru) انگلستان آؤں گا، تو مجھے امید ہے کہ تم مجھے ان سب پھولوں کے نام سکھلاؤ گی، جو انگلستان کی خوب صورت وادیوں میں اگتے ہیں۔ مجھے اب تک وہ Sweet_Williams ۱۳ے اور Blue Bells ۱۴ے اور Tulips (کذا؟) Leep ۱۵ے کے پھول یاد ہیں۔ سو تم دیکھ سکتی ہو کہ تمہارے شاگرد کا حافظہ کچھ ایسا برا نہیں ہے۔

تمہیں معلوم ہے کہ میرے گرو جی ان دنوں نوخیز انسانیت (Younger

(Humanity) کی فلاح و بہبود میں بہت مصروف ہیں۔۱۶۔ سو اس یزدانی ہستی اور بے چارے فانی اقبال کے درمیان تم ضرور ایک نیک پیامبر کا کام انجام دو (So do act a good prophet between his divinity and poor mortal Iqbal) جو (بے چارا) اس کے متعلق سب کچھ جاننے کے لئے بے تاب ہے۔ مجھے یقین ہے کہ (آں جناب) اپنے الہامات (Revelations) کو تم تک محدود نہ رکھیں گے۔ اور تم یہ (خبریں) موقع پا کر مجھ تک پہنچا دو گی۔

افسوس ہے کہ اب مجھے یہ خط ختم کرنا پڑے گا۔ نچلے کمرے میں میرے سائیس کی سیاہ فام ننھی بچی (The little black daughter of my Sice) چلا رہی ہے اور صبح سے میرے آرام میں خلل ڈال رہی ہے۔ وہ ایک عذاب جان (Perfect nuisance) ہے۔ لیکن مجھے اس کی برداشت کے سوا چارہ نہیں۔ کیونکہ اس کا باپ میرا بڑا وفادار خادم ہے۔

براہ مہربانی اپنے ابا' اپنی امی اور خالہ (Auntie) کو میرا سلام دو۔ اور Marcas (کذا)۱۷ کو بھی' اگر تم انہیں کبھی خط لکھو تو۔

Yours Affectionately) تمہارا خیر خواہ

محمد اقبال

بنام

Miss Nancy Arnold

24 Launceston Place,

Kensington Gate

London W. (England)

۶۔ ٹرنٹی کالج کیمبرج اور لنکنز اِنّ لندن کے داخلہ رجسٹروں میں اندراجات

موسم گرما ۱۹۷۶ء میں قیام کیمبرج کے دوران جب میں نے مشہور انگریز صحافی

اور تاریخ نگار جناب ائین اسٹیفنز (Ian Stephens) صاحب (سابق ایڈیٹر اسٹیٹسمین Statesman دہلی و کلکتہ) کے ساتھ مل کر ڈان کراچی اور وزیر اعظم پاکستان کو خطوط لکھے' کہ علامہ اقبال کے صد سالہ جشن ولادت کے موقعے پر حکومت پاکستان کو کیمبرج یونیورسٹی میں "اسلامی تعلیمات کی مسند اقبال" (Iqbal Chair of Islamic Studies) قائم کرنی چاہئے' تو جناب اسٹیفنز صاحب کی تحریک پر میں نے علامہ کی صحیح تاریخ ولادت کے بارے میں کچھ مزید تحقیق کرنے کا ارادہ کیا۔ اسی ضمن میں فروری ۱۹۷۷ء میں ٹرنٹی کالج کیمبرج کے لائبریرین جناب فلپ گیسکل (Dr J. P. W. Gaskell) نے کالج کے رجسٹر داخلہ برائے ۱۸۸۴ء۔۱۹۱۳ء کے متعلقہ صفحے کی ایک عکسی نقل مہیا کر دی (جو اس مضمون کے ساتھ شائع کی جا رہی ہے۔ دیکھئے : ضمیمہ نمبر۵)

کیمبرج یونیورسٹی کے ہر کالج میں' ہر تعلیمی سال کے شروع میں ایک خاص رسم ادا کی جاتی ہے' جو (Matriculation Ceremony) کہلاتی ہے۔ اس کے دوران ہر طالب علم کالج کے رجسٹر داخلہ میں اپنے ہاتھ سے (عموماً" ایک پرانے قلم کے ذریعے' سیاہ پکی روشنائی کے ساتھ) اپنا نام' پتا اور مختصر تعلیمی کوائف درج کرتا ہے۔ چنانچہ علامہ اقبال نے بھی اپنے دست خاص سے یہ تحریر لکھی ہے۔ اس کا ترجمہ یوں ہے۔

(رجسٹر کا) صفحہ ۱۷۱۔

تاریخ	درجہ (یا حیثیت)	نام	والد کا نام	مقام پیدائش
۱۹۰۵-۶ء کیم اکتوبر	درجہ اعلیٰ کا طالب علم' پنشنر ۱۸ء	اقبال' ۱۹ء محمد (دستخط) محمد اقبال	نور محمد	سیالکوٹ (ہندوستان)

رہائش کا پورا پتا	سکول	سکول کا ضلع	سکول کے ہیڈ ماسٹر کا نام	تاریخ پیدائش مہینہ۔ سال	ٹیوٹر

۱۷ پرتگال پلیس، کیمبرج	پنجاب یونیورسٹی	پنجاب گورنمنٹ کالج	مسٹر رو.سن	محرم ۱۸۷۶ء	مسٹر سیج وک ۲۰ ـ

جیسا کہ عکس تحریر سے ظاہر ہے، اس اندراج میں دستخط، والد کا نام، مقام پیدائش، رہائش کا پتا، سکول کا نام و مقام، ہیڈ ماسٹر (یعنی پرنسپل) کا نام، اور طالب علم کی پیدائش کا مہینہ اور سنہ خود علامہ اقبال کی دست نوشت میں ہے۔ (دیکھئے : ضمیمہ نمبر ۵)۔

اس زمانے کی جنتری دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ سنہ ۱۸۷۶ عیسوی میں، محرم کا مہینہ آخر جنوری سے آخر فروری تک پڑا تھا۔ سو اس ماخذ سے علامہ مرحوم کی پیدائش جنوری، فروری ۱۸۷۶ء ثابت ہوتی ہے۔ یہی سنہ پیدائش (۱۸۷۶ء) انہوں نے میونخ یونیورسٹی والے تھیسس میں بھی درج کیا (اگرچہ وہاں مہینہ ذو قعد کا لکھا)۔ یعنی یکم اکتوبر ۱۹۰۵ء (اندراج کیمبرج) اور نومبر ۱۹۰۷ء (اندراج میونخ) کے درمیان علامہ کی یاد داشت، ہجری یا قمری مہینے کے بارے میں تو بدل گئی لیکن سال پیدائش کے بارے میں تبدیل نہ ہوئی۔ ۲۱ـ (۱۹۳۱ء میں جب انہوں نے لندن جانے کے لئے پاسپورٹ بنوایا تو اس میں بھی انہوں نے تاریخ پیدائش ۱۸۷۶ء ہی درج کی)۔

کیمبرج یونیورسٹی سے استفسارات کے ساتھ ہی ساتھ میں نے ایک خط لندن کی لنکنز ان (Lincoln's Inn) کے لائبریرین صاحب کو بھی اسی موضوع پر لکھا، (یاد رہے کہ قائداعظم نے بھی اسی قانونی ادارے سے بیرسٹری کی ڈگری لی تھی)۔ وہاں کے لائبریرئن جناب واکر صاحب (Mr Roderick Walker) نے ۲۲ فروری ۱۹۷۷ء کو اس کے جواب میں اپنی درسگاہ کے رجسٹر داخلہ اور Bar Book (اسناد کے عطاء کی کتاب) سے دو اندراجات کی فوٹو کاپیاں مجھے روانہ کیں، (ان کا عکس بھی ضمیمہ نمبر ۵ میں دیا جا رہا ہے)۔ لنکنز ان کے رجسٹر داخلہ میں نمبر ۶۹ کے تحت جو اندراج ہے اس کا ترجمہ یوں ہے :۔

نمبر ۶۹ — لنکنز ان۔ شیخ محمد اقبال

پنجاب یونیورسٹی کا سرٹیفکیٹ، امتحان پاس کرنے کے ثبوت میں (مہر و دستخط ۲۶۔ چانسلر) مورخہ ۴ جنوری ۱۹۰۰ء۔ پچاس پاؤنڈ کا ڈیپازٹ اسٹامپ۔ ڈیپازٹ پچاس پاؤنڈ

از ٹرنٹی کالج کیمبرج۔ عمر ۲۹ سال۔ شیخ میر ۲۲۔ محمد کے دوسرے صاحب زادے۔ باشندۂ سیالکوٹ۔ ۲۳۔ پنجاب۔ ہندوستان۔ مرد شریف۔ ۲۴۔ اس سوسائٹی ۲۵۔ میں نومبر ۱۹۰۵ء کی چھٹی تاریخ کو داخل کیے گئے، اور انہوں نے اس موقعے پر مذکورہ بالا سوسائٹی کے خرچ کے لئے مبلغ آٹھ پاؤنڈ، بارہ شلنگ اور نو پنس کی رقم ادا کی ہے۔

لنکنز ان کا دوسرا اندراج ٹرنٹی (یعنی موسم گرما) کی ٹرم برائے ۱۹۰۸ء کا ہے۔ اس بار بُک (Bar Book) میں علامہ اقبال کے، یکم جولائی ۱۹۰۸ء کے روز بیرسٹری کی ڈگری حاصل کرنے کا ریکارڈ ہے۔ اس سند پر ان کے دستخط رول نمبر ۵۲ کے ماتحت، پچاس پاؤنڈ کے اسٹامپ کے اوپر ثبت دیکھے جا سکتے ہیں۔ سند کا ترجمہ یوں ہے۔

لنکنز ان۔ (ص ۶۶) ٹرنٹی ٹرم ۱۹۰۸ء۔

تجویز کنندہ: سر فریڈرک پولک۔ بارٹ ۲۷۔

سیسل ہنری رسل، ایسکوائر، خازن، نے بار میں شائع کیا بروز یکم جولائی ۱۹۰۸ء۔

بحضور: رائٹ آنریبل سر ایڈورڈ فرائی: جی سی بی۔

طامس ہالینڈ فشر، ایسکوائر، کے سی ۲۸۔ جان ویسٹ لیک، ایسکوائر، کے سی۔

گریہم ہیسٹنگز، ایسکوائر، کے سی۔ سر ایڈورڈ کلارک، کے سی۔

اور: رائٹ آنریبل لارڈ میک ناٹن، جی سی ایم جی۔

بموجب آرڈر کونسل مورخہ ۲۹ جولائی ۱۹۰۸ء۔

(بمقابل: نمبر ۵۲۔) مہر و اسٹامپ۔ پچاس پاؤنڈ۔

دستخط۔ ایس ایم اقبال

اس موضوع کے خاتمے سے پہلے دو باتوں کا مختصر ذکر شاید بے محل نہ ہو: پہلی

بات تو یہ ہے کہ لنکنز ان کے اندراج سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبال اپنے والد کے دوسرے صاحب زادے تھے۔ اقبال کے برادر بزرگ شیخ عطا محمد تھے، جو عمر میں ان سے بہت بڑے تھے اور ۱۸۵۹ء میں پیدا ہوئے تھے۔ "اقبال درون خانہ" (خالد نظیر صوفی۔ مطبوعہ بزم اقبال، لاہور۔ ۱۹۷۱ء) کے مطابق میونسپل کمیٹی سیالکوٹ کے رجسٹر پیدائش میں سنہ ۱۸۷۰ء سے ۱۸۷۶ء تک ایک لڑکی (۶ ستمبر ۱۸۷۰ء)، ایک لڑکے (۲۲ فروری ۱۸۷۳ء)۔ ایک لڑکے (۲۹ دسمبر ۱۸۷۳ء) اور ایک لڑکی (۱۴ نومبر ۱۸۷۶ء) کی ولادت درج ہے۔ صوفی صاحب کی روایت کے مطابق ۲۲ فروری ۱۸۷۳ء میں پیدا ہونے والا لڑکا شیر خواری کی عمر میں فوت ہو گیا۔ اور ۲۹ دسمبر ۱۸۷۳ء کو پیدا ہونے والا لڑکا ہی دراصل علامہ اقبال تھے۔ بہر حال لنکنز ان کے اندراج کے مطابق علامہ اقبال اپنے والد کے دوسرے صاحب زادے تھے، جس سے مراد دوسرے بقید حیات فرزند بھی ہو سکتے ہیں، اور دوسرے نمبر پر پیدا ہونے والے بھی۔ خود علامہ اقبال نے کیمبرج، لندن اور میونخ میں جو تاریخ ہائے پیدائش درج کی ہیں۔ وہ سیالکوٹ میونسپل کمیٹی کے رجسٹر سے مطابقت نہیں رکھتیں۔۲۹۔

دوسری دلچسپ بات یہ ہے کہ ٹرنٹی کالج کیمبرج کے رجسٹر داخلہ سے، علامہ کی اکتوبر ۱۹۰۵ء کی قیام گاہ کا پتا چلتا ہے، یعنی ۱۷ پرتگال پلیس (17 Portugal Place)، کیمبرج۔ یہ جگہ ٹرنٹی کالج سے کوئی دو تین سو گز کے فاصلے پر ہے۔

جناب ائین اسٹیفنز، اور پھر پاکستانی سفارت خانے کے جناب پروفیسر نذیر احمد، اور ٹرنٹی کالج کے خازن ڈاکٹر بریڈ فیلڈ (Dr J. R. G. Bradfield) کی مسلسل کوششوں کے نتیجے میں کارپوریشن نے اس مکان پر انتسابی تختی نصب کرنے کی اجازت دے دی، اور مکان کی نئی مالکہ مسز ہلری ہنسلی (now, Lady Hillary Hinsley) نے بھی (جن کے شوہر پروفیسر ہنسلی (Prof. Sir F. H. Hinsley) ان دنوں سینٹ جانز (St John's) کالج میں بین الاقوامی روابط کی تاریخ کے پروفیسر (Professor of History of International Relations) تھے اور حال ہی میں، یعنی اکتوبر ۱۹۷۹ء سے، سینٹ جانز کالج کے ماسٹر یعنی استاذ اعظم مقرر ہوئے ہیں)☆ ۳۰

☆ died late 1998

اس تجویز پر صاد کیا۔ سفارت خانہ پاکستان کے خرچ پر ایک عمدہ پتھر کی تختی کندہ کرائی گئی اور جمعرات ۲۲ جون ۱۹۷۸ء کو انتسابی تختی کی رونمائی لارڈ بٹلر نے کی۔

یادگاری تختی پر انتسابی الفاظ کا ترجمہ یوں ہے: علامہ محمد اقبال۔ پیدائش ۱۸۷۷ء، وفات ۱۹۳۸ء۔ پاکستان کے فلسفی شاعر، ٹرنٹی کالج کے دوران تعلیم ۱۹۰۵-۶ء میں یہاں مقیم تھے"۔۳۱۔

یہاں اس بات کا ذکر بے جا نہ ہوگا کہ ستمبر ۱۹۷۹ء میں جب ایک Meteoritical کانفرنس کے سلسلے میں میرا ہائیڈل برگ جانا ہوا، تو بالکل انہی دنوں وہاں کی مسند اقبال ۳۲۔ (Iqbal Chair) پر پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر اور گورنمنٹ کالج لاہور کے سابق پرنسپل جناب ڈاکٹر محمد اجمل صاحب ۳۳۔ فائز ہو کر پہنچے تھے، (اور یوں ہائیڈل برگ کیمبرج پر بازی لے گیا)۔ چنانچہ ان کی معیت میں علامہ اقبال کے مکان کی زیارت کی سعادت بھی مجھے نصیب ہوئی۔ میری درخواست پر انہوں نے ہائیڈل برگ یونیورسٹی کے دو پروفیسروں کی مدد سے علامہ کے مکان تک رسائی حاصل کی۔ یہ مکان بڑا خوشنما ہے اور بالکل دریائے نیکر کے کنارے واقع ہے۔ (اسی کے قریب، لیکن دریا کے پار، دریائے نیکر کے کنارے کے اس حصے کا نام Iqbal_Ufer یعنی "ساحل اقبال" رکھا گیا ہے، اور وہاں اس نام کی تختیاں نصب ہیں)۔ اس مکان کا پتا عام طور سے حوالے کی کتابوں میں نہیں ملتا، اس لئے یہاں درج کرتا ہوں۔ یہ ہے: 58 Neuenheimer Landstrasse۔ مکان پر جرمن حکومت نے ۱۹۶۶ء میں بروز ۱۹ ستمبر علامہ کے نام کی انتسابی تختی نصب کر دی تھی۔ ۳۴۔ ان دنوں اس مکان کی مالکہ ایک سن رسیدہ خاتون ہیں مسمی بہ Frau Zwissler (بیگم سوسلر)۔ یہ دو منزلہ مکان ایک سرسبز علاقے میں واقع ہے۔ مکان کے اندر بھی ایک خوبصورت باغ ہے، جس میں دلکشا پھول بوٹے اور گھنی جھاڑیاں بہار دکھا رہی ہیں۔ مکان کے پچھواڑے میں "خیابانِ فلسفیاں" واقع ہے، اور سامنے فرازِ کوہ پر ایک قدیم قلعے کے کھنڈر نظر آتے ہیں۔ خوبصورت معبد، دل فریب حویلیاں، قدیم پل، مستِ خرام دریا، بلند گھنے اور بوقلموں پتوں والے درخت، یہ سب
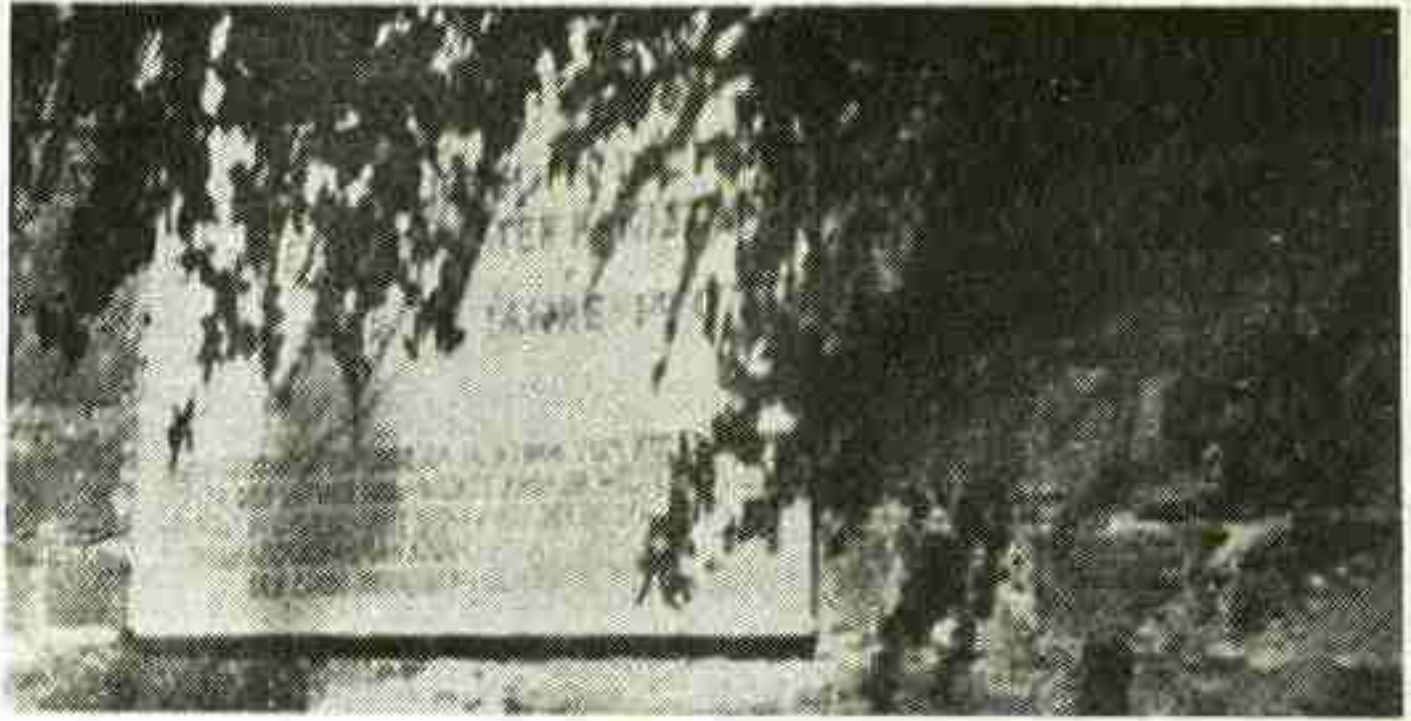
ہائیڈل برگ میں اقبال کی ۱۹۰۷ء والی قیام گاہ ("شیرر منزل" یعنی
(Pension **Scherrer**) واقع 58 Neuenheimer Landstrasse' جہاں حکومت
المانیہ نے بروز ۲۶ ستمبر ۱۹۶۶ء ایک یادگاری تختی نصب کر دی تھی۔ تختی کا متن اور
اس کا انگریزی ترجمہ ساتھ کے صفحے پر ملاحظہ کیجئے۔ (تصویر: درانی' ستمبر ۱۹۷۹ء)
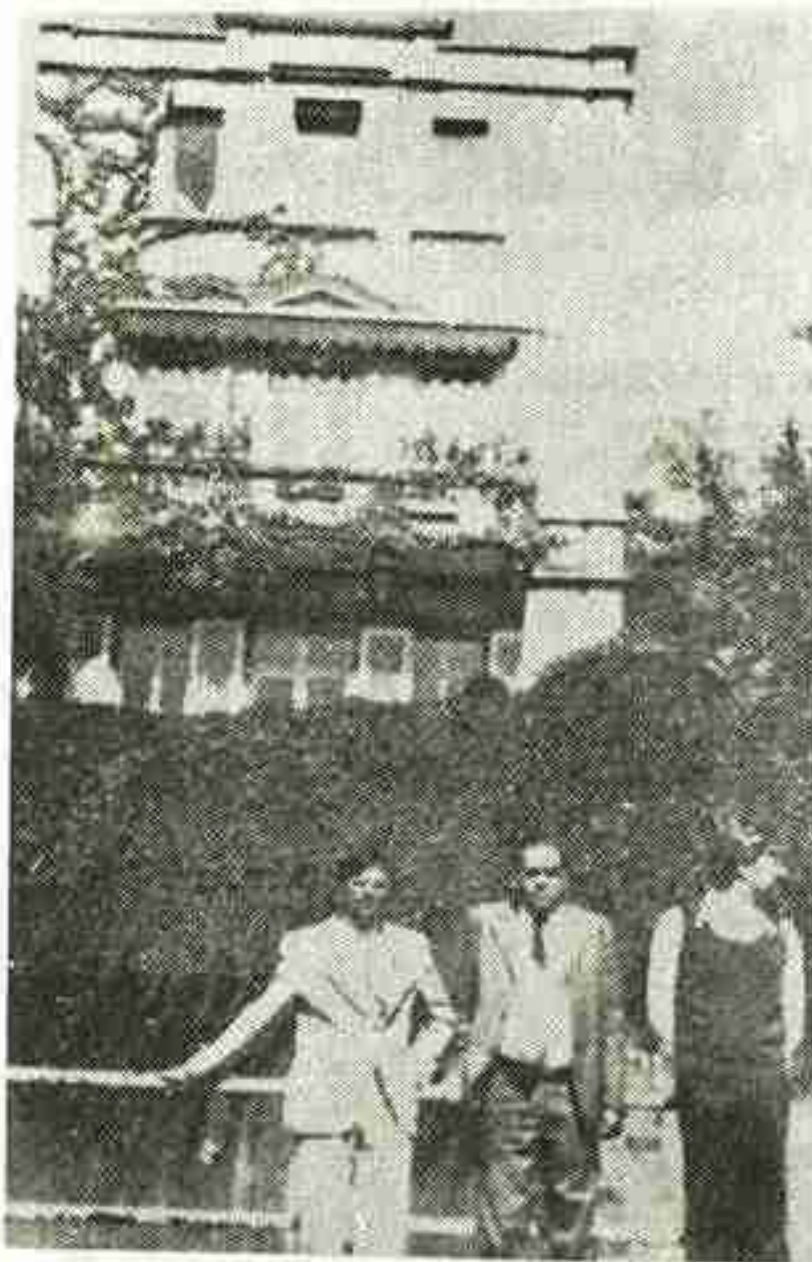
ہائیڈل برگ میں دریائے نیکر کے کنارے واقع اقبال کی دیرینہ اور دلفریب قیام گاہ
(جو اب بیگم سوئیسلر Frau Zwissler کی ملکیت ہے)۔ بائیں سے دائیں: ڈاکٹر
سعید اختر درانی۔ ڈاکٹر محمد اجمل (جو ستمبر ۱۹۷۹ء میں ہائیڈل برگ یونیورسٹی میں نخستیں
اقبال فیلو مقرر ہو کر آئے تھے)۔ اور ڈاکٹر فرائی (جو اسلام آباد یونیورسٹی میں ان
دنوں بین الاقوامی قانون کے استاد تھے)۔ تصویر: درانی' ستمبر ۱۹۷۹ء)

Inscription on the House where Iqbal lived

(58 Neuenheimer Landstrasse, Heidelberg)

MOHAMMAD IQBAL

1877-1938

National-Philosoph Dichter
und Geistiger Vater Pakistans
lebte hier im Jahre1907.

Diese Gedenktafel wurde am 16.9.1966 von Kultursminister des Landes Bad. -Württ. Prof. Dr. Wilhelm Hahn enthüllt in Anwesenheit seiner Exz. des Botschafters von Pakistan Abdurrahman Khan und des I. Bürgermeisters der Stadt Heidelberg Georg Klemm.

Translation*

MOHAMMAD IQBAL

1877-1938

National Philosopher-Poet and the Spiritual Father of Pakistan
lived here in the year 1907.

This memorial plaque was unveiled on 16.9.1966 by the Minister of Culture of the Land Bad. Württ.* Prof. Dr. Wilhelm Hahn, in the presence of His Excellency the Ambassador of Pakistan, Abdurrahman Khan, and the First** Mayor of the City of Heidelberg, Georg Klemm.

* *Translation provided by the author.*

* Baden-Württemberg
** i.e. 'Highest' or 'Lord' Mayor. (*Notes added by the author.*)

مل کر دل پر کچھ عجیب اثر پیدا کرتے ہیں۔ اس منظر کو دیکھ کر عالم تخیل میں، نوجوان اقبال کو یہاں رات کی خاموشی میں دریا کے کنارے ٹہلتے اور وہ ناقابل فراموش نظم کہتے دیکھنا مشکل نہیں، جس کی وجہ سے اردو دان طبقہ پہلے پہل ہائیڈل برگ اور دریائے نیکر کے نام سے روشناس ہوا۔ نظم ہے "ایک شام" (دریائے نیکر، ہائیڈل برگ کے کنارے پر):

خاموش ہے چاندنی قمر کی
شاخیں ہیں خموش ہر شجر کی

وادی کے نوا فروش خاموش
کہسار کے سبز پوش خاموش...

یہ نظم گوئٹے کی حسین و جمیل، مختصر اور اثر آفریں نظموں کی یاد دلاتی ہے۔۳۵

۷۔ متفرق تحریریں اور انتسابی جملے

اس مضمون کے آخر میں علامہ اقبال کی چند متفرق تحریریں اور انتسابی جملے یکجا کر کے پیش کئے جا رہے ہیں:

(الف) مثنوی اسرار خودی کے نسخے پر سر طامس آرنلڈ سے انتساب

مثنوی اسرار خودی کے پہلے ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۱۵ء (در یونین سٹیم پریس لاہور طبع گردید۔ باہتمام حکیم فقیر محمد صاحب چشتی نظامی۔ بار اول۔ تعداد ۵۰۰) کا ایک نسخہ علامہ اقبال نے چھپنے کے جلد بعد اپنے استاد محترم پروفیسر طامس آرنلڈ کو لندن بھیجا۔ یہ اب میرے دوست، اور پروفیسر آرنلڈ کے نواسے، ڈاکٹر لارنس بارفیلڈ صاحب کے ذاتی کتب خانے میں محفوظ ہے اور ان دنوں عاریتاً میری تحویل میں ہے۔ اس کے پہلے صفحے پر علامہ کی دستی تحریر کے جو جملے ثبت ہیں، ان کا اردو ترجمہ یوں ہے (عکس ضمیمہ نمبر ۵ میں دیکھیے):

☆ (اپنا کے ساتھ؟)

"پیشکش بہ پروفیسر آرنلڈ

محمد اقبال۳۶ے

۱۵ ستمبر ۱۹۱۵ء- لاہور"

اس ایڈیشن میں خواجہ حافظ سے متعلق وہ اشعار شامل ہیں' جو ہندوستان میں بہت احتجاج برپا ہونے پر دوسرے ایڈیشن میں حذف کر دیے گئے تھے (دیکھئے: صفحات ۲۲ تا ۲۷- کتاب مذکورہ' طبع اول):

ہوشیار از حافظِ صہبا گسار جامش از زہرِ اجل سرمایہ دار

تا

بے نیاز از محفلِ حافظ گذر الحذر از گوسفنداں الحذر

(ب) "ایران میں مابعد الطبیعیات کا ارتقاء" کے نسخے پر پروفیسر ایف ڈبلیو طامس سے انتساب

علامہ اقبال کے پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالے (Thesis) کا ایک نسخہ برمنگھم یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے' جس پر حضرت علامہ کے دست خاص میں ایک انتسابی تحریر ہے- (اس تحریر کا عکس بھی ضمیمہ ۵ میں دیکھئے)- یہ نسخہ یوں معنون ہے:

"میرے دوست ایف ڈبلیو طامس کے لئے

ایس ایم اقبال

۳ جولائی ۱۹۰۸ء"

یعنی یکم جولائی کو لنکنز ان سے بیرسٹری کی سند پانے کے دو روز بعد (اور جولائی کے آخر میں ہندوستان لوٹنے سے پہلے ۳۷ے) علامہ اقبال اپنی تازہ طبع شدہ کتاب کے نسخے اپنے دوستوں میں تقسیم کرنے میں مصروف تھے-

"The Development of Metaphysics in Persia" کا یہ ایڈیشن لندن میں Luzac and Co. نے ۱۹۰۸ء میں شائع کیا- لیکن اس میں اقبال کے کوائف حیات (Lebenslauf) والا وہ صفحہ شامل نہیں' جو جرمنی میں شائع ہونے والے

ایڈیشن میں موجود تھا- (اس ایڈیشن کی ایک عکسی نقل میں نے حال ہی میں ماربرگ یونیورسٹی جرمنی کے کتب خانے سے پروفیسر رائن ہارڈ برانٹ کی عنایت سے حاصل کی ہے-۳۸ے)

یہ نسخہ ۳۹ے جس پر انتسابی الفاظ تحریر ہیں' برمنگھم یونیورسٹی میں کیسے پہنچا' اس کا مختصر حال یوں ہے- ڈاکٹر بارفیلڈ سے پتا چلا کہ برمنگھم کے ایک سابق پروفیسر کی بیگم صاحبہ غالباً" آکسفورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر طامس کی صاحبزادی تھیں- وہ اب آکسفورڈ میں مقیم ہیں- میں نے ان سے خط و کتابت کی' تو انہوں نے تصدیق کی کہ واقعی ان کے والد ماجد' جناب فریڈرک ولیم طامس (Frederick William Thomas) ۱۹۲۷ء سے ۱۹۳۷ء تک آکسفورڈ یونیورسٹی میں سنسکرت کے پروفیسر (Bodin Professor of Sanskrit) تھے' اور قبل ازآں چوبیس سال تک وہ انڈیا آفس لائبریری کے لائبریرین رہے- اس سے یہ صاف ظاہر ہوا کہ چونکہ سر طامس آرنلڈ بھی ۱۹۰۴ء میں لاہور سے واپسی پر انڈیا آفس کے نائب لائبریرین مقرر ہوئے تھے (جہاں وہ قریب ۱۹۲۱ء تک فائز رہے)' لہٰذا انہی کے توسط سے علامہ اقبال کا فریڈرک طامس صاحب سے تعارف ہوا ہوگا' اور ان سے دوستی قائم ہو گئی ہو گی- پروفیسر طامس کی صاحبزادی اب لیڈی واٹر ہاؤس ہیں- ان کے شوہر محترم پروفیسر سر ایلس واٹر ہاؤس (Sir Ellis Waterhouse) برمنگھم یونیورسٹی میں ایک مدت تک فنون لطیفہ کے پروفیسر رہ چکے ہیں' جہاں سے وہ اس عشرے کے اوائل میں ریٹائر ہوئے- بقول لیڈی واٹر ہاؤس' ان کے والد ماجد نے بھی ٹرنٹی کالج کیمبرج میں تعلیم پائی تھی- آکسفورڈ سے ریٹائر ہونے کے بعد جب ۱۹۵۶ء میں ۸۹ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا' تو ان کی بیشتر کتابیں آکسفورڈ یونیورسٹی نے حاصل کر لیں- باقی ماندہ کتب خانہ پروفیسر واٹر ہاؤس نے خرید لیا' تاکہ یہ قیمتی خزینہ بکھر نہ جائے' اور یہ تمام ذخیرہ برمنگھم یونیورسٹی کو پیش کر دیا- اس مجموعے میں زیادہ تر کتابیں سنسکرت اور ہند قدیم کی تہذیب و تمدن کے متعلق ہیں' لیکن خوش قسمتی سے انہی میں علامہ اقبال کی یورپ میں چھپنے والی اولیں کتاب کا یہ نادر نسخہ بھی شامل ہے- لیڈی واٹر ہاؤس میرے نام اپنے خط مورخہ ۱۰ اکتوبر

۱۹۷۷ء میں یوں رقمطراز ہیں: "سرطامس آرنلڈ میرے والدین کے عزیز ترین دوستوں میں سے تھے۔ ان کی صاحبزادی نینسی (لارنس بارفیلڈ کی والدہ) سے بھی میرے والدین کو بہت لگاؤ تھا"۔

(ج) "پیام مشرق" کے نسخے پر پروفیسر ای جی براؤن سے انتساب

"پیام مشرق" کی اشاعت دوم (مطبوعہ ۱۹۲۴ء۔ تعداد ایک ہزار) کے اس نسخے ۴۰ ۔ پر حضرت علامہ کی یہ تحریر ثبت ہے:

"بحضرت پروفیسر برون تقدیم شد
محمدؐ اقبال لاہور
۱۰ مارچ ۲۴ء"

اور کتاب کی پیشانی پر پروفیسر براؤن کے دستخط ہیں (Edward G. Browne)' اور یہ تحریر بھی کہ (یہ کتاب) مصنف سے ڈاکٹر آر۔ اے نکلسن کے توسط سے موصول ہوئی۔ یکم جولائی ۱۹۲۴ء۔

"پیام مشرق" (طبع دوم' ۱۹۲۴ء) کے متذکرہ بالا نسخے کا عکس سرورق اس مضمون کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے' جس پر یہ اندراجات باسانی پڑھے جا سکتے ہیں۔ (دیکھئے ضمیمہ نمبر ۵)۔

کتاب کے اندر ایک لیبل چسپاں ہے' جس پر لکھا ہے کہ پروفیسر براؤن کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادوں نے ۱۹۳۶ء میں کیمبرج یونیورسٹی کو ان کا جو کتب خانہ عطا کیا' یہ کتاب اس میں شامل ہے۔

پروفیسر براؤن (۱۸۶۲-۱۹۲۶ء) تاریخ ادبیات ایران میں ایک دیوقامت مقام رکھتے ہیں اور کئی مشرقی زبانوں کے ماہر تھے۔ انھوں نے پمبروک کالج کیمبرج میں تعلیم پائی (سائنس اور طب میں)۔ پھر مختلف کارناموں کے بعد ۱۹۰۲ء میں وہ کیمبریونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر☆ (Sir Thomas Adams Professor of Arabic) مقرر ہوئے اور تادم مرگ اس عہدے پر فائز رہے۔

☆ یہ مسند تو عربی کی تھی' لیکن پروفیسر براؤن فارسی کی تعلیم دیتے تھے۔ (درانی، ۱۸ اگست ۱۹۹۹ء)

ان کی چار جلدوں پر مشتمل "تاریخ ادبیات ایران" شہرۂ آفاق ہے۔ وہ اپنے عہد کے سب سے بڑے مستشرق سمجھے جاتے تھے، اور جب علامہ اقبال کیمبرج میں زیر تعلیم تھے، تو پروفیسر براؤن کی شہرت کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔ ان کی کتاب کی پہلی جلد ۱۹۰۲ء میں شائع ہو کر شہرت حاصل کر چکی تھی۔

(و) "خطباتِ مدراس" کے نسخے پر پروفیسر آر۔ اے نکلسن سے انتساب

Six Lectures on the Reconstruction of Religious Thought in Islam (یعنی "خطباتِ مدراس") کی اشاعت اول (کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس لاہور۔ ۱۹۳۰ء) کے اس نسخے ۱۳۱ پر علامہ اقبال کی یہ تحریر ثبت ہے: "پیشکش بہ پروفیسر آر۔ اے۔ رینولڈز (کذا) نکلسن۔ محمد اقبال لاہور۔ ۵ مئی ۱۹۳۰ء" (یہاں رینولڈز میں "ز" زائد ہے۔ پروفیسر صاحب کا صحیح نام Reynold Alleyne Nicholson تھا۔ یاد رہے کہ سر مانٹیگو بٹلر کو اسی کتاب کا نسخہ بھیجتے ہوئے علامہ اقبال نے پہلے مانٹیگو کے ہجے Montague لکھے، لیکن پھر، (غالباً) بدست خود، کاٹ کر ان کو صحیح کر دیا، یعنی Montagu۔ ایک اور دلچسپ بات یہ ہے کہ علامہ نے کتاب بانٹتے ہوئے اپنے استاد کو مقدم رکھا، یعنی انہیں یہ کتاب ۵ مئی ۱۹۳۰ء کو بھیجی اور سر مانٹیگو بٹلر کو ۶ مئی ۱۹۳۰ء کو)۔ اس نسخے کے اندر دو لیبل چسپاں ہیں: ایک کے مطابق یہ کتاب "اڈوارڈ براؤن" کی وصیت کردہ کتابوں میں سے ہے، اور دوسرے لیبل کے مطابق یہ "از کتب خانہ آر۔ اے۔ نکلسن لٹ ڈی۔ پروفیسر آف عربک۔ ۱۹۲۵ء تا ۱۹۳۲ء" ہے (پروفیسر نکلسن کے سوانح حیات میں ان کی پروفیسری کا آغاز ۱۹۲۶ء سے لکھا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پروفیسر براؤن کی ناگہانی وفات کے بعد پروفیسر نکلسن کا تقرر Preceding academic session، یعنی آغاز اکتوبر ۱۹۲۵ء، تک backdate کر دیا گیا ہو)۔

پروفیسر نکلسن اقبال شناسوں کے لئے کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ علامہ اقبال اپنی طالب علمی کے زمانے میں ان سے فیض یاب ہو چکے تھے، ۳۲۔ اور پھر انہی ڈاکٹر

نکلسن نے ۱۹۲۰ء میں علامہ کی مثنوی "اسرار خودی" کا انگریزی ترجمہ کر کے اقبال کو بیرون ہند کی ادبی دنیا سے روشناس کرایا (اس ترجمے کا ایک نسخہ بھی کیمبرج یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔ مطبوعہ میکملن اینڈ کمپنی لندن۔ (حوالہ نمبر 9700. d. 1145- داخل کتب خانہ' ۱۹۲۱ء)۔ لیکن اس پر علامہ یا ڈاکٹر نکلسن کے دستخط نہیں ہیں)۔

ڈاکٹر نکلسن (۱۸۶۸ء-۱۹۴۵ء) نے ٹرنٹی کالج کیمبرج میں تعلیم پائی (وہ السنہ ہند کے ٹرائی پوس امتحان ۱۸۹۲ء میں درجہ اول میں کامیاب ہوئے) اور وہیں ۱۸۹۳ء میں کالج کے فیلو منتخب ہوئے۔ کیمبرج میں انہوں نے پروفیسر براؤن کے ساتھ کام کیا اور ان سے تاثر حاصل کیا۔ ۱۹۲۶ء میں وہ پروفیسر براؤن کے جانشین بنے اور Sir Thomas Adams' Professor of Arabic کے طور سے مسند نشین (یعنی پروفیسر) ہوئے۔ انہیں شروع سے اسلامی تصوف سے بہت لگاؤ تھا' اور علامہ اقبال یقیناً ان کے خیالات اور تعلیم سے بہت متاثر ہوئے ہوں گے۔ تصوف کے میدان میں آج تک پروفیسر نکلسن کی Contributions یا تخلیقات' یورپ کے علماء میں سربر آوردہ ترین سمجھی جاتی ہیں۔ ان کا فیلو شپ حاصل کرنے والا مقالہ (Thesis) مولانا رومی کی منظومات کے انتخاب اور تبصرے پر مشتمل تھا۔ "دیوان شمس تبریز" کا ترجمہ (۱۸۹۸ء) اور تصوف پر ترجمے اور تحقیق کی چار مزید کتابیں' ان کی سب سے اہم تخلیقات سمجھی جاتی ہیں۔ ۴۳۔ علامہ اقبال کو تا دم آخر اپنے استاد' ڈاکٹر نکلسن سے بڑی عقیدت رہی' اور یہ بات ایک شاگرد کے لئے کس قدر باعث ناز ہے کہ خود اس کا استاد اس کی کسی کتاب کا ترجمہ کرے۔ ۴۲۔

جب میں نے یہ مضمون شروع کیا' تو خیال تھا کہ چند تعارفی سطور ہی تحریر کروں گا' لیکن لکھنا شروع کیا تو نفس مضمون پھیلتا چلا گیا۔ "لذیذ بود حکایت' دراز تر گفتنم"۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ مواد جو یہاں پیش کیا جا رہا ہے' وقتاً" فوقتاً" صرف چند ہفتے یا مہینے صرف کرنے سے جمع ہو گیا تھا۔ ابھی نہ جانے یورپ کے کتب خانوں میں اور کس قدر اقبالیاتی ذخیرہ جمع ہے' جو کسی تلاش کرنے والے کا منتظر ہے۔ بقول اقبال:

"گماں مبر کہ بپایاں رسید کار مغاں   ہزار بادۂ ناخوردہ در رگ تاک است"۔۴۴۔

(نوٹ: یہ مضمون مدیر "نقوش" لاہور، جناب محمد طفیل صاحب کی فرمائش پر لکھا گیا تھا، جو علامہ اقبال کی غیر مطبوعہ تحریروں پر مشتمل ایک خاص نمبر نومبر ۱۹۷۹ء میں چھاپنے والے تھے۔ لیکن جہاں تک مجھے علم ہے، نقوش کا یہ خاص شمارہ بوجوہ تاحال شائع نہیں ہو سکا۔ درانی، ۲۳ مارچ ۱۹۸۵ء۔ پس تحریر: اور نہ بظاہر اب تک۔ درانی، ۱۴ اگست ۱۹۹۵ء)

حواشی

۱۔ یہ مضمون اکتوبر ۱۹۷۹ء میں تحریر کیا گیا تھا۔

۲۔ پس تحریر: پیشتر ازیں، اس خط کا ترجمہ کتاب کی طبع اول کے دیباچے میں تھا۔ اب تکمیل و تہذیب مطالب کی خاطر یہ ترجمہ طبع دوم کے زیر نظر باب میں، اور خط کا Transcript ضمیمہ نمبر ۵ میں شامل کیا جا رہا ہے۔ (درانی۔ فرائی برگ، جرمنی۔ ۱۴ اگست ۱۹۹۵ء)۔

۳۔ "اقبال" از عطیہ بیگم (ترجمہ عبدالعزیز خالد)، مطبوعہ آئینہ ادب، لاہور ۱۹۷۵ء۔ ص ۹۳۔

برسر تذکرہ، جناب اکبر حیدری کا پورا نام محمد اکبر نذر علی حیدری تھا۔ ۱۹۱۰ء میں "مخزن" لاہور میں شائع ہونے والی نظم "گورستان شاہی" کی تعارفی سطور میں، جہاں تک مجھے یاد ہے، علامہ نے ان کی طرف نذر علی حیدری ہی کے نام سے اشارہ کیا تھا۔ (درانی، برمنگھم، ۱۹ ستمبر ۱۹۹۶ء)

۴۔ سر طامس آرنلڈ کے نواسے، جو برمنگھم یونیورسٹی میں حیتیات کے استاد ہیں۔

پس تحریر: پروفیسر آرنلڈ کے نام اقبال کے تین نو دریافت شدہ پوسٹ کارڈوں کے لئے دیکھئے میری نئی کتاب "نوادر اقبال یورپ میں" (مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۹۵ء)۔ درانی، اگست ۱۹۹۵ء۔

۵۔ کیمبرج یونیورسٹی لائبریری میں اس کا حوالہ نمبر یہ ہے۔ Moh. 675. d. 3۔ اس کے اندر جو لیبل چسپاں ہے اس میں لکھا ہے "کیمبرج یونیورسٹی لائبریری کو وصیت کردہ از Reuben Levy۔ ایم اے۔ لٹ ڈی۔ فیلو کرائسٹ کالج Christ's College، پروفیسر ایمیریطس فارسی (Emeritus Professor of Persian)۔ وفات ۶ ستمبر ۱۹۶۶ء"۔ اس نسخے پر علامہ کے ہاتھ کی کوئی تحریر موجود نہیں۔

۶ ۔ Kt. یعنی نائٹ' بہ معنی "سر" (Sir)۔

پس تحریر: جناب پیٹر ایوری (Peter Avery)' سابق استاد فارسی' کیمبرج یونیورسٹی' سے استفسار پر آج ہی معلوم ہوا ہے کہ ریوبن لیوی صاحب کی مذکورہ کتاب کا نام ہے: Persian Literature : an introduction (مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس' ۱۹۲۳ء)۔ یعنی یہ کتاب اسی سال چھپی تھی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ یورپ کی علمی تصنیفات سے کس قدر باخبر رہتے تھے۔ ہاں' ان دنوں لیوی صاحب آکسفورڈ یونیورسٹی میں فارسی کے لیکچرار تھے۔ (درانی' بہ منگھم' ۱۲ جون ۱۹۹۶ء)

۷ ۔ پس تحریر: دیکھئے اس کتاب میں ایما ویگے ناسٹ کے نام اقبال کے خطوط' مثلاً خط نمبر ۲۴ مورخہ ۳۰۔ اکتوبر ۱۹۳۱ء' جس میں وہ ہائیڈل برگ کے ان ایام کا ذکر کرتے ہیں (۱۹۰۷ء) جب مس ویگے ناسٹ ان کو گوئٹے کا "فاؤسٹ" پڑھایا کرتی تھیں۔ اور ان تمام خطوط کے "اصول" (Originals) میں بھی اقبال نے گوئٹے کے یہی ہجے' یعنی "Geothe" استعمال کئے ہیں۔ ان دست نوشتہ خطوط کے عکس موجودہ کتاب کی طبع ثانی کے ضمیمہ نمبر ۶ میں شامل ہیں۔ درانی' بہ منگھم۔ ۲۶ نومبر ۱۹۹۵ء

پس تحریر مکرر: اب کہ میں نے اس کتاب (Stray Reflections) کی طبع دوم کو غور سے دیکھا ہے (مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان' لاہور ۱۹۹۲ء)' جس میں جناب جاوید اقبال نے علامہ کی سب تحریروں کی ہیئت اصلی (Facsimiles) بھی شامل کر دی ہیں' یہ صاف نظر آتا ہے کہ اقبال نے تمام نو (۹) جگہوں پر یہی ہجے اختیار کئے ہیں۔ یعنی Geothe۔ (دیکھئے کتاب مذکورہ کے صفحات ۱۷۳' ۲۰۹' ۲۱۶' ۲۱۸' ۲۲۷' ۲۳۲' ۲۳۶' ۲۴۷' ۲۵۰)۔

اسی طرح' جب میں نے اقبال اکادمی پاکستان کی تازہ شائع کردہ کلیات اقبال (فارسی)' طبع اول ۱۹۹۰ء' کا غور سے معائنہ کیا تو معلوم ہوا کہ "پیام مشرق" کے سرورق کے اندرونی صفحے پر تو علامہ نے اپنے ہاتھ سے Goethe کے ہجے صحیح لکھے ہیں' لیکن اس کے چند صفحوں کے بعد جہاں گوئٹے کے دیوان مشرق و مغرب کے بارے میں جرمن شاعر ہائنے کے خیالات علامہ نے اپنی دست نوشت میں درج کئے ہیں۔ وہاں بھی گوئٹے کے ہجے دو مرتبہ Geothe لکھے گئے ہیں۔ بلکہ ہائنے کے ہجے بھی انہوں نے وہاں Heine کے بجائے Hiene تحریر کئے ہیں۔ یہ تسامحات ان معاملات میں علامہ کی بے خیالی اور زود نویسی کی دلیل ہیں۔ (درانی' بہ منگھم' ۲۶ نومبر ۱۹۹۵ء اور ۲۱ ستمبر ۱۹۹۶ء)

۸ ۔ جس نام میں ان دنوں جوائنٹ سیکرٹری تھا۔ پروفیسر آربری کا انتقال ۲۔ اکتوبر ۱۹۶۹ء کو ہوا۔

۹۔ یہ تراشے پاکستان ہائی کمیشن لندن کی جانب سے جاری کیے گئے چھ سائیکلوسٹائل شدہ صفحات تھے' جن میں پاکستان اور انگلستان میں یوم اقبال کے منائے جانے کی تفصیلات تھیں' اور علامہ عبداللہ یوسف علی کے زیر صدارت انگلستان میں "مجلس اقبال" کے قیام کی اطلاع دی گئی تھی۔

۱۰۔ وہ پنجاب کے گورنر رہے۔

۱۱۔ چودھری رحمت علی جنوری ۱۹۳۱ء میں عمانوئیل کالج کیمبرج میں داخل ہوئے اور تا دم مرگ (فروری ۱۹۵۱ء) کیمبرج ہی میں مقیم رہے۔ میں نے اسی سال (۱۹۷۹ء میں) عمانوئیل کالج کی لائبریری میں چودھری رحمت علی کی خود نوشت چار ڈائریوں کا کھوج لگایا ہے' جو انہوں نے ۱۹۳۰ء سے ۱۹۴۰ء یا اس کے کچھ بعد تک لکھی تھیں' اور ان میں لفظ "پاکستان" کا ارتقاء صاف نظر آتا ہے۔ اس موضوع پر میں الگ ایک مضمون لکھ رہا ہوں۔ امریکی سیاح اور آرچ بشپ وغیرہ کا قصہ کسی اخباری خبر کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے' جو سیاق و سباق کے بغیر معنی خیز نہیں۔

پس تحریر: وہ مذکورہ مضمون میں نے اپنے کزن آغا غضنفر کی مدد سے' جو ان دنوں کیمبرج میں تھے' لکھ تو لیا' مگر سفارت خانہ پاکستان کے ایجوکیشن اتاشی عزیز احمد صاحب نے اسے رکوا دیا' کہ چودھری رحمت علی پر جناب کے۔ کے۔ عزیز کی نئی کتاب کا انتظار بہتر رہے گا۔ لیکن جب کچھ عرصے بعد وہ کتاب شائع ہوئی' تو اس میں چودھری صاحب کے غیر مطبوعہ مواد کا احاطہ بالکل نہیں کیا گیا تھا۔ چنانچہ مجھے افسوس ہے کہ ہمارا یہ مضمون شرمندۂ اشاعت نہ ہوا۔ (درانی۔ فرائی برگ' جرمنی۔ ۱۴۔ اگست ۱۹۹۵ء)

۱۲۔ اس وقت مس نینسی کی عمر تقریباً" چودہ سال تھی۔

پس تحریر: ڈاکٹر لارنس بارفیلڈ نے مجھے بتایا ہے کہ ان کی والدہ' نینسی آرنلڈ' کی تاریخ ولادت ۲۸ نومبر ۱۸۹۶ء ہے۔ وہ لندن میں پیدا ہوئی تھیں' جہاں پروفیسر آرنلڈ نے اپنی بیگم کو اس سلسلے میں بھیجا تھا' اور جہاں وہ قریب ایک سال مقیم رہیں۔ اسی دوران پروفیسر طامس آرنلڈ علی گڑھ میں مصروف تدریس رہے۔ (درانی' برمنگھم۔ ۳۰ نومبر ۱۹۹۵ء)

۱۳۔ ہلکے سرخ (اور سفیدی آمیز) رنگ کا ایک خوشبودار پھول۔

۱۴۔ نیلے رنگ کا سنبل نما پھول۔

۱۵۔ گلِ لالہ۔ یہ لفظ "leep" شاید قرأت کی غلطی ہے۔

پس تحریر: اب کہ ڈاکٹر وحید احمد نے از راہِ تلطف علامہ کے اصل خط کا عکس مجھے عطا کر دیا ہے' اس میں

دیکھا جا سکتا ہے (ضمیمہ ۵) کہ اقبال نے اولاً لفظ "Tulips" کا پہلا حصہ غلط لکھ کر اسے کاٹ دیا تھا۔ اور وہ اب کسی حد تک "Leep" نظر آتا ہے۔ (درانی، برمنگھم، ۲۶ جون ۱۹۹۶ء)

۱۶۔ اس زمانے میں پروفیسر آرنلڈ انگلستان میں زیر تعلیم ہندوستانی طلبہ کی مدد کے لئے مشیر تعلیم کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ دیکھئے اس کتاب میں میرا مضمون "اقبال کے استاد مشفق، سر طامس آرنلڈ" (ص ۸۲)

۱۷۔ شاید اس سے مراد سر طامس آرنلڈ کے دوست اور مشہور سیاح اور ماہر آثار قدیمہ Sir Marc Aurel Stein سے ہے۔

پس تحریر: اب علامہ کے اصل خط کے عکس (مشمولہ ضمیمہ نمبر ۵) میں دیکھا جا سکتا ہے کہ وہاں یہ نام بطور Marcus تحریر ہے (یعنی "us" کے ساتھ، نہ کہ "as")۔ جناب آرل سٹائین ہنگری میں پیدا ہوئے تھے۔ چنانچہ ہو سکتا ہے کہ مشہور رومن شاہنشاہ کے نام پر ان کا نام Marcus Aurelius رکھا گیا ہو، اور پھر انگلستان یا ہندوستان آنے کے بعد انہوں نے اسے مختصر کر کے Marc Aurel (Stein) کر لیا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (درانی ۲۶ جون ۱۹۹۶ء)

پس تحریر مکرر: آج ڈاکٹر لارنس بارفیلڈ سے میں نے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ اگرچہ سرمارک آرل سٹائین کا پیدائشی نام تو واقعی Marcus Aurelius تھا، لیکن ان کے دوست انہیں عموماً "آرل" کے نام سے پکارتے تھے۔ ڈاکٹر بارفیلڈ کا خیال ہے کہ اقبال کے خط میں جس Marcus کی طرف اشارہ ہے، وہ غالباً "پروفیسر آرنلڈ کی بیگم صاحبہ کے، (جن کا پیدائشی نام Hickson تھا)، ایک کزن Marcus Hickson تھے۔ اسی طرح Auntie سے اقبال کی مراد غالباً" بیگم آرنلڈ کی ہمشیرہ (یعنی نینسی کی خالہ) Annie Hickson سے تھی۔ (درانی، برمنگھم، ۲ اکتوبر ۱۹۹۶ء)

۱۸۔ کیمبرج یونیورسٹی میں "پنشنر" (Pensioner) سے مراد ایسا طالب علم ہوتا تھا، جسے کالج سے وظیفہ نہیں ملتا تھا، بلکہ جو اپنے خرچ پر یا کسی بیرونی وظیفے پر تعلیم پا رہا ہوتا تھا۔

۱۹۔ انگریزی میں کالج کے اہل کار نے علامہ کا نام Igbal, Muhammed درج کیا ہے۔ علامہ نے محمد کی آخری "e" کو "a" میں بدل دیا ہے۔ لیکن اقبال کے ہجے تبدیل نہیں کئے۔

۲۰۔ Adam Sedgwick (۱۸۵۴ء-۱۹۱۳ء) پروفیسر علم حیوانات (Zoology)۔

۲۱۔ پس تحریر: اور جب اکتوبر ۱۹۰۷ء میں اقبال نے میونخ میں اپنی عارضی قیام گاہ کے رجسٹر برائے مہمانان میں اپنے حالات درج کئے تو وہاں بھی تاریخ ولادت تو ایک نیا شگوفہ تھی (یعنی ۱۰۔ جولائی)، مگر سنہ ولادت وہی تھا،

یعنی ۱۸۷۶ء۔ دیکھئے میری نئی کتاب "نوادر اقبال...." (درانی' فرائی برگ' ۱۳۔ اگست ۱۹۹۵ء)

۲۲۔ اس دستاویز میں اہل کار نے علامہ کے والد کا نام "میر محمد" تحریر کیا ہے۔ اس نام کا انگریزی املا' جو شاید ٹرنٹی کالج کے رجسٹر سے نقل کیا گیا تھا' "نور محمد" سے بہت مشابہ ہے۔

۲۳۔ اہل کار نے دستاویز میں سیالکوٹ کے ہجے Scalkot لکھے ہیں۔

۲۴۔ علامہ اقبال کا پیشہ اس رجسٹر میں مرد شریف (Gentleman) درج ہے۔ یعنی "سفید پوش"۔ مراد یہ ہے کہ وہ نواب یا "سر" وغیرہ نہیں ہیں۔

۲۵۔ اس سوسائٹی" سے مراد ہے : Honourable Society of Lincoln's Inn

۲۶۔ یہ دستخط اس سند میں آسانی سے نہیں پڑھے جا سکتے۔ لیکن ۱۹۸۵ء میں میں نے لاہور میں پنجاب یونیورسٹی کے پرانے سینیٹ ہال میں نصب پرانی تختیوں کا بالخصوص غور سے معائنہ کیا' تو سنہ ۱۹۰۰ء میں چانسلر کا نام W.M. Young نظر آیا۔ (درانی۔ اگست ۱۹۹۵ء)

۲۷۔ .Bart' یعنی بیرونٹ۔

۲۸۔ "کے سی" یعنی کنگز کونسل (وکیل شاہی)۔

۲۹۔ اگر خالد نظیر صوفی صاحب والی باقی تاریخوں کو درست تسلیم کیا جائے' تو ٹرنٹی کالج کیمبرج میں درج "محرم" ۱۸۷۶ء پر قیاس کرتے ہوئے' علامہ کی پیدائش آخر جنوری ۱۸۷۶ء بہ نسبت آخر فروری ۱۸۷۶ء کے زیادہ قرین قیاس ہے۔ (ورنہ اگلی لڑکی کی پیدائش' یعنی ۱۳ نومبر ۱۸۷۶ء تک بمشکل ۹ ماہ کا وقفہ بنتا ہے۔ مقابلہ" دیکھیے ۲۲ فروری ۱۸۷۳ء سے ۲۹ دسمبر ۱۸۷۳ء تک سوا دس ماہ کا وقفہ)۔۔۔ اگرچہ جنوری (یا فروری) ۱۸۷۶ء میں شیخ نتھو کے یہاں کسی بچے کی ولادت کا اندراج سیالکوٹ میونسپل کمیٹی کے رجسٹر میں صوفی صاحب کو نہیں ملا۔

پس تحریر : ایک ممکن بات یہ بھی ہے کہ سیالکوٹ میونسپل کمیٹی کے ریکارڈ کے مطابق ۱۳ نومبر ۱۸۷۶ء کو پیدا ہونے والا بچہ دراصل علامہ اقبال ہی ہوں' اور غلطی سے رجسٹر میں لڑکے کے بجائے لڑکی کے کالم کے ماتحت لفظ "یک" درج ہو گیا ہو۔ (آخر وہاں نتھو ولد محمد رفیع' بجائے محمد رفیق' بھی سہوا" درج ہے۔ دیکھیے صوفی صاحب کی مذکورہ کتاب' ص ۱۵۵)۔ یاد رہے کہ ذی قعدہ ۱۲۹۳ھ کا مہینہ ۱۷ نومبر ۱۸۷۶ء کے لگ بھگ شروع ہوا ہوگا۔ (درانی۔ ۳ فروری ۱۹۹۶ء)

۳۰۔ ۱۹۸۳ء میں وہ کیمبرج یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی متعین ہوئے۔

۳۱۔ اگرچہ علامہ اقبال کی اس مکان میں exact مدت قیام مصدقہ طور سے معلوم نہیں ہے۔

۳۲۔ اس کا قیام پروفیسر انصاری شمل اور جناب منیر احمد شیخ کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

۳۳ پس تحریر: افسوس کہ یہ عالم بے بدل' جو میرے قرابت دار بھی تھے' ۳۰ جنوری ۱۹۹۳ء کے روز وفات پا گئے۔ ان کی شخصیت میں کچھ ایسی شفقت اور دل نوازی تھی کہ دنیا بھر میں اب بھی ہزارہا افراد ان کو یاد کرتے ہیں۔ (درانی۔ فرائی برگ' جرمنی' ۹۔ اگست ۱۹۹۵ء)

۳۴۔ پس تحریر: اس مکان اور "ساحل اقبال" پر تختی کی تنصیب کے بارے میں بہت سی تازہ اور مفصل معلومات کے لئے دیکھئے میری نئی کتاب "نوادر اقبال" ۱۹۹۵ء۔ (درانی' فرائی برگ' جرمنی ۱۳۔ اگست ۱۹۹۵ء)

۳۵۔ یہ ایک حیرت ناک اور خوشگوار توارد ہے کہ اسی سال (۱۹۷۹ء) کیمبرج اور ہائیڈل برگ "ہم زاد شہر" (Twin Cities) قرار دے دیئے گئے ہیں۔ یعنی علامہ اقبال کے علاوہ ایک اور رشتہ ان میں استوار ہو گیا ہے۔

۳۶۔ Mohd. Iqbal-

۳۷۔ لیکن دیکھئے مس ویگے ناسٹ کے نام اقبال کا خط نمبر ۱۱ (مورخہ ۲۷ جون ۱۹۰۸ء) اور اس کے نیچے میرا حاشیہ (ص ۲۲۳) جس کے مطابق وہ لندن سے غالباً" ۸ یا ۱۰ جولائی کے لگ بھگ روانہ ہوئے ہوں گے۔ (درانی۔ ۱۹۸۳ء)

۳۸۔ دیکھئے اس کتاب کا دسواں مضمون (فلسفہ عجم") ص ۲۳۱-۲۰۲)۔

۳۹۔ برمنگھم یونیورسٹی لائبریری۔ کتاب نمبر (41523') حوالہ نمبر sB741۔ یہ نسخہ اب میری تحویل میں ہے۔

۴۰۔ کیمبرج یونیورسٹی لائبریری۔ حوالہ نمبر S 836. d. 92.1

۴۱۔ کیمبرج یونیورسٹی لائبریری۔ حوالہ نمبر 13.7.C.903۔

۴۲۔ پس تحریر: اب' جیسا کہ میری نئی کتاب میں ("نوادر اقبال یورپ میں"۔ جو اقبال اکادمی پاکستان کی جانب سے عن قریب شائع ہونے والی ہے) تفصیل سے بیان ہوا ہے' جناب آر۔ اے نکلسن دراصل ۱۹۰۷ء میں اقبال کے پی اے کے تحقیقی مقالے کے ممتحن مقرر ہوئے تھے۔ اس امر کا میرے پاس ثبوت نہیں ہے کہ آیا اقبال نے جناب نکلسن کے کسی لیکچر کورس میں حاضری دی تھی یا نہیں۔ (درانی' اسلام آباد۔ ۵ فروری ۱۹۹۵ء)

۴۳۔ پس تحریر: ڈاکٹر نکلسن نے مولانا روم کی "مثنوی معنوی" سے متعلق آٹھ ضخیم جلدیں شائع کیں۔ یعنی مثنوی کے معین و محقق متن کی تین جلدیں علی الترتیب ۱۹۲۵ء' ۱۹۲۹ء اور ۱۹۳۳ء میں۔ پھر اس کے انگریزی ترجمے کی تین جلدیں ۱۹۲۶ء' ۱۹۳۰ء اور ۱۹۳۴ء میں۔ اور بالآخر مثنوی پر تشریح و تبصرے کی دو جلدیں ۱۹۳۷ء' اور ۱۹۴۰ء میں۔ یہ تمام کتابیں میں نے بروز ۳ جولائی ۱۹۹۶ء' کیمبرج میں جناب پیٹر ایوری کے ذاتی کتب خانے

میں دیکھیں- پروفیسر نکلسن کا تحقیقی و تنقیدی اڈیشن اب دنیا بھر میں (بہ شمول ایران)' مثنوی معنوی کا..... جس کے سمجھنے اور سمجھانے میں انہوں نے عمر عزیز کا ایک بڑا حصہ صرف کر دیا..... سب سے زیادہ مستند اور معتبر متن گردانا جاتا ہے- (درانی' برمنگھم' ۱۴ جولائی ۱۹۹۶ء)

۲۴- پس تحریر: ۱۹۷۷ء کے لگ بھگ معروف دانشور اور مداح اقبال جناب عاشق حسین بٹالوی مرحوم نے مجھے مشورہ دیا کہ میں کیمبرج یونیورسٹی میں پروفیسر میک ٹیگرٹ اور چوہدری رحمت علی صاحب کے باقی ماندہ کاغذات میں علامہ اقبال کے خطوط وغیرہ کی تلاش کروں' چونکہ ان کا خیال تھا کہ کم از کم پروفیسر میک ٹیگرٹ کے نام اقبال کے خطوط انہوں نے کہیں دیکھے تھے- لیکن ٹرنٹی کالج اور عمانوئیل کالج کیمبرج میں کافی تلاش کے باوجود ایسا کوئی مواد نظر نہ آیا- (ہاں موخر الذکر کالج میں چوہدری صاحب مرحوم کی وہ ڈائریاں ضرور ملیں جن کا اوپر ذکر آیا- دیکھئے حاشیہ ۱۱)- انہی دنوں لگے ہاتھوں میں نے ماڈلین کالج کیمبرج میں سرطامس آرنلڈ کے کاغذات دیکھنے کی کوشش بھی کی' جس کے وہ آنریری فیلو تھے- لیکن وہاں کچھ بھی موجود نہ تھا- پھر ۱۹۸۷ء میں کیمبرج یونیورسٹی لائبریری میں علامہ کے بی اے کے مقالے کے امتحان وغیرہ کے بارے میں میں نے جو "اقبال فائل" دریافت کی (بابت ۱۹۰۵ء تا ۱۹۰۷ء) اس کی تفصیلات کے لئے دیکھئے میری نئی کتاب "نوادر اقبال یورپ میں" (مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان' ۱۹۹۵ء)- اسی سال (۱۹۸۷ء میں) میں نے کیمبرج میں مزید دو اہم دریافتیں کیں' جن کے بارے میں' میں ابھی مضامین شائع نہیں کر پایا- پہلی چیز تو پروفیسر نکلسن کے ترجمہ اسرار خودی کا وہ منفرد و یکتا نسخہ ہے جس پر علامہ نے بدست خاص سیاہ قلم سے ہزاروں نہیں تو سینکڑوں اصلاحات کی ہیں' اور نکلسن صاحب نے اپنے ترجمے کے دوسرے ایڈیشن (مطبوعہ ۱۹۲۵ء) میں ان میں سے قریب نوے فی صد تصحیحات و ترمیمات قبول کر لی ہیں (علامہ کی مدد کی کسی بھی Acknowledgement کے بغیر!)- اور دوسری چیز ہے پروفیسر آربری کا ایک مخطوطہ' جس میں انہوں نے علامہ کے "گلشن راز جدید" کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے' اگرچہ یہ ترجمہ آربری صاحب نے "زبور عجم" کے اپنے شائع شدہ ترجمے Persian Psalms میں شامل نہیں کیا- (درانی، فرائی برگ، جرمنی۔ ۱۴ راگست ۱۹۹۵ء)۔ پس تحریر: میں نے اس نادر نسخے کا ایک توضیحی و تحقیقی اڈیشن کراچی یونیورسٹی پریس سے ۲۰۰۱ء میں شائع کر دیا ہے (درانی، برمنگھم، ۱۷ر اکتوبر ۲۰۰۲ء)۔

پس تحریر: دراصل میں نے یہ دونوں مضامین ۱۹۸۷ء میں اپنے قیام ہسپانیہ کے دوران لکھ تو لیے تھے، مگر ابھی تک انھیں شائع کرنے کا موقع نہیں ملا۔ پہلے مضمون میں تمام جگہوں پر ترجمے کی ہیئت اول، اقبال کی اصلاحات، اور (طبع دوم میں) ہیئت ثانی آمنے سامنے دکھائی گئی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی علامہ کی دست نوشت اصلاحات کے عکس بھی ہوں گے (درانی، برمنگھم، ۹ رجون ۱۹۹۶ء)۔

-۷-

برمنگھم سے ایک خط۱

(مدیر ''افکار'' کے نام)

یہ بات آپ کے لئے دلچسپی کا باعث ہو گی کہ ۲ جنوری ۱۹۸۲ء کو لندن میں میں خاص طور سے جناب ہربرٹ امان ہوبوہم (H. Aman Hobohm) ۲ء سے ملنے ان کے دولت خانے گیا۔ ان سے میرا تعارف میرے ایک عزیز کرنل اسد درانی ۳ء نے کرایا' جو ان سے جرمنی میں کئی مرتبہ مل چکے تھے۔ یہ صاحب جرمن نو مسلم ہیں اور کئی برس تک پاکستان میں گوئٹے انسٹی ٹیوٹ کے عہدہ دار رہ چکے ہیں۔ وہ اب یہاں لندن کے جرمن سفارت خانے میں اتاشی ہیں۔ کرنل اسد درانی نے کافی عرصہ ہوا ۴ء مجھے بتایا تھا کہ ان کے (یعنی ہوبوہم صاحب کے) پاس علامہ اقبال کے کچھ خطوں کی نقلیں ہیں۔ جب میں ۲ جنوری کو ان سے ملا تو انہوں نے مجھے ان میں سے چند خطوط دکھائے۔ ان سب خطوط کی اشاعت کا میں ان کے ساتھ مل کر انتظام کر رہا ہوں۔ یہ خطوط علامہ اقبال نے اسی جرمن خاتون (اور ہائیڈل برگ میں ان کی جرمن زبان کی استانی) کو لکھے ہیں' یعنی Fraülein E. Wegenast' جن کا ذکر عطیہ بیگم نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ وہ خط جو میں نے دیکھے ان میں سے ایک جرمنی سے واپسی پر ۲۷ جون ۱۹۰۸ء کو تحریر کیا گیا ہے' اور دوسرا ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۱ء کو جب علامہ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے سلسلے میں انگلستان آئے تھے۔ ہوبوہم صاحب نے یہ خطوط اور اسی سلسلے کے چند مزید خطوط جناب ممتاز حسن کو بھم پہنچائے تھے۵ء لیکن غالباً'' لاہور کے اقبال میوزیم میں یہ داخل نہیں ہوئے۔ ہاں انہی ہوبوہم صاحب نے ممتاز حسن صاحب کے لئے علامہ کے تحقیقی مقالے Development of Metaphysics in

Persia (ایران میں مابعد الطبیعیات کا ارتقاء) کی دس (یس تحریر- دراصل قریب تیں- درانی) کاپیاں بھی نکلوائی تھیں- اس کی اب صرف ایک کاپی ان کے پاس ہے- آپ سے جیسا کہ میں نے پہلے بھی ذکر کیا تھا' چند سال ہوئے میں نے بہت دوڑ دھوپ کے بعد اس مقالے کے اولیں نسخے کی ایک کاپی کا اپنے دوست اور کرم فرما پروفیسر برانٹ (Reinhard Brandt) کی مدد سے مار برگ یونیورسٹی جرمنی کے کتب خانے میں کھوج لگایا تھا-

اس نایاب مقالے کی اب انہوں نے ایک سو کاپیاں نکلوائی ہیں اور ان میں سے ۹۸ مجھے بھیج دی ہیں کہ انہیں محققین اقبال میں تقسیم کر دوں- میں نے ڈائرکٹر اقبال اکادمی لاہور کو اس امر کی اطلاع دے دی ہے' اور میرا ارادہ ہے کہ ان ۹۸ کاپیوں میں سے بیشتر نسخے اقبال اکادمی کے توسط سے تقسیم ہو جائیں-

فی الحال میں اس بات کا ذکر کرتا چلوں کہ ہوبوہم صاحب کے پاس محفوظ خطوں سے علامہ اقبال کے قیام لندن کے دو پتے دریافت ہوئے ہیں- آپ کو شاید یاد ہو گا کہ ۱۹۷۷ء میں میں نے علامہ اقبال کے قیام کیمبرج ۱۹۰۵ء- ۱۹۰۷ء کے دوران کی ایک اقامت گاہ کا پتا بھی نکالا تھا- یعنی ۱۷ پرتگال پلیس' کیمبرج' جس پر سفارت خانہ پاکستان کی مدد سے انتسابی تختی نصب ہو گئی تھی (اس تقریب کی تفصیل جو میں نے آپ کو بھیجی تھی وہ آپ نے افکار بابت نومبر ۱۹۷۸ء میں شائع کی تھی)- انہی دنوں سفارت خانہ پاکستان' لندن' کے بہت مستعد اور سرگرم تعلیمی اتاشی جناب نذیر احمد صاحب نے علامہ کے قیام لندن کے دوران ان کی رہائش کے پتوں کا کھوج لگانے کی بہت جستجو کی' لیکن انہیں کامیابی نہ ہوئی- اب میں ریکارڈ کے لئے انہیں یہاں درج کرتا ہوں- اس طرح یہ پتے محفوظ ہو جائیں گے' یعنی ریکارڈ پر آجائیں گے- یہ پتے یوں ہیں- ۲۷ جون ۱۹۰۸ء والا خط اس پتے سے لکھا گیا ہے:

49-Elsham Road, Kensington, W. London

اور ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۱ء والا خط:

113 A, St. James' Court, Buckingham Gate, London S W 1.

اب ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت پاکستان علامہ کے قیام کی یادگاری تختی ان مکانوں پر بھی نصب کروانے کی کوشش کرے۔ اور اس سلسلے میں بلدیہ لندن سے رجوع ہو۔ میرے خیال میں پہلا پتا (Kensington والا) بہتر رہے گا۔ کیونکہ وہ شاید وہاں زیادہ عرصہ ٹھہرے ہوں۔ اس لئے کہ وہ چند مہینے کے لئے ان دنوں سر طامس آرنلڈ کے قائم مقام کی حیثیت سے School of Oriental Studies لندن میں عربی کے لیکچرر دے رہے تھے۶۔ اور "لنکنز ان Lincoln's Inn سے بار ایٹ لاء کی ڈگری بھی لینے والے تھے (جو انہیں یکم جولائی ۱۹۰۸ء کو ملی' اور اس کے چند روز بعد وہ ہندوستان واپس چلے گئے)۔

مس ویگے ناسٹ سے علامہ اقبال کی خط و کتابت کی تفاصیل پر ایک علیحدہ مضمون جناب ہوبوہم صاحب کے تعاون سے لکھنے کا ارادہ ہے (یاد رہے کہ ان میں سے پہلا خط مفصل ہے' اور تمام و کمال جرمن زبان میں ہے۔ جب کہ دوسرا خط انگریزی میں ہے)۔

مخلص

ڈاکٹر سعید اختر درانی

حواشی

۱۔ مطبوعہ "افکار" کراچی' بابت مارچ ۱۹۸۳ء۔

۲۔ ان کا صحیح نام دراصل "محمد امان ہربرٹ ہوبوہم" ہے۔ کتاب کی طبع اول میں میں نے غلطی سے اسے "محمد امان اللہ ہربرٹ ہوبوہم" یا "ہربرٹ امان اللہ ہوبوہم" لکھا تھا۔ (درانی ۲ فروری ۱۹۹۶ء)

۳۔ پس تحریر: اب وہ سال گذشتہ سے جرمنی میں پاکستان کے سفیر کبیر کی حیثیت سے متعین ہیں۔ اسد درانی میرے کزن اور برادر نسبتی بھی ہیں۔ وہ فوج سے لفٹننٹ جنرل کے عہدے سے ریٹائر ہوئے تھے۔ (درانی۔ فرائی برگ' جرمنی' ۱۲۔ اگست ۱۹۹۵ء)

۴۔ یعنی ۱۹۶۸ء کے لگ بھگ۔

۵ ۔ پس تحریر : دراصل یہ بات صحیح نہیں ہے۔۔ تفصیل کے لئے دیکھئے اس کتاب کا اگلا مضمون۔ (درانی)

۶ ۔ پس تحریر : یہ عارضی تقرر دراصل قریب ۵ نومبر ۱۹۰۷ء تا اوائل فروری ۱۹۰۸ء تھا۔ اس کے بعد شاید ڈاکٹر صاحب اپنی کتاب ("فلسفہ عجم") کی اشاعت' اور بار کے امتحان کی تیاریوں میں مصروف رہے ہوں۔ (درانی ۱۴۔ اگست ۱۹۹۵ء)

مضمون ہذا ("محمد اقبال اور جرمنی") کے مصنف جناب محمد امان ہربرٹ ہوبوہم کی

ایک تازہ تصویر (اکتوبر ۱۹۹۶ء)۔

صاحب موصوف ہی نے مجھے علامہ اقبال کے خطوط بنام مس ایما ویگے ناسٹ کے متون نومبر

۱۹۸۲ء میں 'اور علامہ کے دست نوشت خطوط کے عکوس اکتوبر ۱۹۹۵ء میں 'عطا کیے تھے۔

(درانی ۔ برمنگھم' ۲۶ مئی ۱۹۹۷ء)۔

-۸-

از: محمدؐ امان ہوبوہم

محمدؒ اقبال اور جرمنی

نامہ و پیام دل کا

(ترجمہ: سعید اختر درّانی)

حرف آغاز از مترجم

یہ مقالہ اس تقریر کا متن ہے جو جناب ہوبوہم صاحب اے نے "لندن اسکول آف اورینٹل اینڈ افریقن اسٹڈیز"" ۲ے میں ۵ مئی ۱۹۸۲ء کو منعقد ہونے والے "یوم اقبال" کے موقع پر فرمائی تھی۔ اس موضوع کی طرف میں نے مدیر "افکار" کے نام ایک خط میں اشارہ کیا۔ (دیکھئے "افکار" کراچی برائے مارچ ۱۹۸۲ء)۔ ۳ے اس یوم اقبال پر مجھے بھی تقریر کی دعوت دی گئی تھی، لیکن بدقسمتی سے میں پاکستان کے سفر کی وجہ سے اس تقریب میں شامل نہ ہو سکا۔ اس مضمون کے مصنف جناب ہوبوہم صاحب ایک جرمن نومسلم ہیں، جو المانوی سفارت خانہ لندن میں نائب اتاشی برائے تجارت ہیں۔ وہ کئی سال تک "پاک جرمن فورم" واقع کراچی کے معتمد عمومی رہ چکے ہیں (وسط عشرۂ ۱۹۵۰ء سے وسط عشرہ ۱۹۶۰ء تک)۔ وہ ۱۹۲۶ء میں جرمنی میں Braunschweig (برنزوک) کے مقام پر پیدا ہوئے تھے، اور قریباً ۱۵ سال کی عمر میں انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کی

مرحومہ بیوی پاکستانی تھیں جو علامہ اقبال کے دوست مولوی انشاء اللہ ایڈیٹر' "وطن" اخبار کی پوتی اور جناب شیخ عظیم اللہ کی صاحبزادی تھیں۔ (یہ خاتون میرے مرحوم دوست اور ہم جماعت' ڈاکٹر شوکت عظیم کی ہمشیرہ تھیں)۔۴۔ جناب ہوبوہم کو اسلام اور علامہ اقبال کے ساتھ والہانہ عقیدت ہے۔ مجھے بھی ہوبوہم صاحب کے ساتھ شرف نیاز حاصل ہے۔ اور اس مقالے کے ترجمے کی اشاعت ان کی اجازت کے ساتھ کی جا رہی ہے۔ (درانی)۔

یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ شاعر و حکیم محمدؐ اقبال کے دل میں جرمنی کے ملک' اس کے مفکروں اور اس کے شاعروں کے لئے بڑے تحسین آمیز جذبات تھے۔ ایسی بے شمار مثالیں ان کی نگارشات' ان کی شاعری' ان کے خطوط' اور ان کے ساتھ گفتگو کے ریکارڈ میں پائی جاتی ہیں جن سے صاف پتا چلتا ہے کہ جرمن حکماء و شعراء کی تصنیفات سے انہوں نے بہت اکتساب فیض کیا تھا۔

ان میں اولیت کا شرف گوئٹے کو حاصل ہے جس کی طرف وہ بار بار اشارہ کرتے ہیں' اور جس کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ "نیست پیغمبر' ولے دارد کتاب" یعنی فاؤسٹ (Faust)۔۵۔ وہ گوئٹے کا غالب کے ساتھ بھی مقابلہ کرتے ہیں' جو انیسویں صدی عیسوی کا ایک عظیم شاعر فارسی و اردو ہے' اور مولانا جلال الدین رومی کے ساتھ بھی' جو ایک تابناک حکیم مشرق تھے۔ "پیام مشرق" کی ایک نظم میں اقبال' گوئٹے اور رومی کی جنت الفردوس میں ایک متخیلہ ملاقات کا نقشہ کھینچتے ہیں۶۔ جہاں گوئٹے انہیں فاؤسٹ پڑھ کر سناتا ہے۔ پیر رومی غور سے سنتے ہیں' اور یہ کہہ کر گوئٹے کی تعریف کرتے ہیں کہ اس نے سر اعظم کو صحیح معنوں میں سمجھ لیا ہے۔

یوں گوئٹے اور رومی کو روبرو لا کر اقبال نے نہ صرف مشرق و مغرب کی دو عظیم ترین روحوں کو یکجا کیا ہے' بلکہ ایسے دو شخصوں کو بھی جنھوں نے اقبال کی حیات فکر و شعر پر کسی بھی اور انسان کی نسبت زیادہ اثر ڈالا ہے۔

اور یہ بات ہمیں کس نے بتائی ہے؟ خود اقبال نے! چنانچہ پیام مشرق کے دیباچے میں (اور یہ وہ کتاب ہے جس میں اقبال کا ہنر غالباً اپنی عظیم ترین بلندیوں اور کمال فن کو چھو لیتا ہے)۔ وہ لکھتے ہیں:

> "پیام مشرق" کی تصنیف کا محرک جرمن "حکیم حیات" گوئٹے کا "مغربی دیوان" ہے۔ جس کی نسبت جرمنی کا اسرائیلی شاعر ہائنا لکھتا ہے: "یہ ایک گلدستۂ عقیدت ہے جو مغرب نے مشرق کو بھیجا ہے۔۔۔۔۔۔ اس دیوان سے اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ مغرب اپنی کمزور اور سرد روحانیت سے بیزار ہو کر مشرق کے سینے سے حرارت کا متلاشی ہے"۔

"پیام مشرق" اقبال کی طرف سے گوئٹے کے دیوانِ مشرق و مغرب (Westöstlicher Divan) کا جواب ہے۔ اور یاد رہے کہ یہ وہ دیوان ہے جس کے صفحہ اول پر گوئٹے نے خود اپنے ہاتھ سے عربی زبان اور رسم الخط میں یوں تحریر کیا ہے۔ "الدیوان الشرقی للمؤلف الغربی"۔ ۷۔

اقبال کے دیباچۂ پیام مشرق میں المانوی ادبیات کی تاریخ کی "تحریک مشرق" کے بڑے دلچسپ حالات بھی پائے جاتے ہیں۔ اس دیباچے میں ہمیں جرمن تمدن کے ساتھ اقبال کی وسیع واقفیت کی جھلکیاں بھی ملتی ہیں۔ اسی طرح اقبال کی فلسفیانہ تحریروں' مثلاً "تشکیل جدید الٰہیات اسلامی" پر چھ خطبات' سے ہمیں یہ پتا چلتا ہے کہ المانوی فکر سے اقبال کو کس قدر آگاہی تھی' اور اس کے لئے ان کے دل میں کس قدر گہرا احساس قدر و منزلت تھا۔ باوصف اس کے کہ انہیں بسا اوقات المانوی مفکرین' مثلاً نطشے' سے اختلاف رائے رہا تھا۔

علامہ کے صاحبزادے جناب جسٹس جاوید اقبال اپنے ایک مضمون "اقبال اور نطشے" میں لکھتے ہیں ۸۔ کہ:

> "اگرچہ اقبال نطشے کو بہت سراہتے تھے اور ان دونوں کے درمیان کئی اقدار مشترک بھی ہیں۔ تاہم ان کے درمیان بنیادی

اختلافات پائے جاتے ہیں۔ یعنی ان کے جذبات محرکہ' اور زندگی کے بارے میں ان کے نظریے اور وجدان کی بنیاد...... تصور یزداں"

اقبال کے ایک نہایت قریبی رفیق' سید نذیر نیازی' جنہوں نے اقبال سے تفصیلی گفتگوئیں کیں (جو وہ وقتاً" فوقتاً" قلمبند بھی کرتے رہتے تھے)' ان کا ایک مضمون "اقبال کے ساتھ گفتگوئیں"۹۔ بھی اقبال کی المانوی تمدن اور تخیل میں گہری دلچسپی سے متعلق اطلاعات کا ایک مخزن ہے۔ ایک مرتبہ پھر گوئٹے ہی ان گفتگوؤں میں خاص طور سے ممتاز نظر آتے ہیں۔ سید صاحب لکھتے ہیں (دیکھئے مضمون متذکرہ در حاشیہ ۹۔):

"زندگی کو سب سے زیادہ جس چیز کی ضرورت ہے وہ غالبا" ایسے افراد ہیں جو اس کی غائتِ قصویٰ کا ادراک رکھتے ہیں۔ گوئٹے ایک ایسا انسان تھا' اور اقبال بھی۔ اور یہ اقبال ہی تھے جنہوں نے ہماری توجہ گوئٹے کی طرف منعطف کی۔ یہ ہماری تاریخ کا ایک بہت قابل ذکر واقعہ ہے کہ اقبال وہ واحد شخص تھے جنہوں نے انگریزی ادب اور تمدن کے ان تمام تر اثرات کی مقاومت کی جو سیاسی بالا دستی کی وجہ سے ہمارے معاشرے پر چھائے ہوئے تھے۔ قرار واقعی میں ہم نے گوئٹے کو قبول کر لیا' بجائے شیکسپئر کے۔ شیکسپئر کی ہم سب قدر کرتے ہیں' لیکن گوئٹے ہم کو محبوب ہے۔ شیکسپئر ایک منفرد ہنر مند ہے' جس کو ہم سب مانتے ہیں۔ لیکن گوئٹے ہمیں میں سے ایک ہے۔ اور اس نے ہمارے دلوں میں جگہ پالی ہے"

اگر ہم اس نکتے کو ذہن میں رکھیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ مرد کامل یا خلیفتہ اللہ یا مومن' اور اس کے کردار و عمل کی جھلک (اقبال کے تصور کے مطابق) ہمیں گوئٹے کی فکری تخلیق فاؤسٹ میں نظر آتی ہے' نہ کہ نطشہ کے مرد برتر یا فوق البشر

(Superman) ہیں۔

وہ مآخذ جہاں سے ہم اقبال کے جرمنی کے ساتھ روابط و تعلقات کا پتا چلا سکتے ہیں' اور ان کی وہ نگارشات جن میں وہ المانوی حکماء اور شعراء کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں' متعدد اور متفرق ہیں۔

یہ امر میرے لئے باعث افتخار ہے کہ آج میں پہلی مرتبہ عامتہ الناس کو اقبال کے ایک ایسے مجموعہ خطوط کے بارے میں اطلاع بہم پہنچا رہا ہوں جس میں میرے ملک جرمنی کے ساتھ ان کے تعلقات' اور اس کے بارے میں ان کے احساسات' پر بڑی صاف روشنی پڑتی ہے۔ اور یوں میں ان ماخذ میں اضافہ کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔ یہ اقبال کے وہ خط اور پوسٹ کارڈ ہیں جو انہوں نے ہائیڈل برگ میں اپنی جرمنی زبان کی استانی' مس ایما وگیے ناسٹ (Miss Emma Wegenast) کے نام تحریر کیے تھے۔ یہ وہ مواد ہے جس کی فوٹو کاپیاں' اور بعض خطوط کے اصل مسودے' میرے قبضے میں ہیں۔

یہ وہ مجموعہ ہے جو ان خطوط کی مکتوب الیہا مس وگیے ناسٹ نے اپنی وفات سے تھوڑا عرصہ پہلے' یعنی ۱۹۶۰ء کی دہائی کے اوائل میں' پاکستان۔ جرمن فورم کو بطور تحفہ عطا کیا تھا۔ یہ تنظیم دونو ممالک کے درمیان ثقافتی تعلقات کی ایک انجمن تھی' جس کے صدر اس وقت جناب ممتاز حسن مرحوم تھے' اور جس کے معتمد عمومی ہونے کا شرف مجھے حاصل تھا۔ چونکہ پاکستان۔ جرمن فورم ایک ایسا ادارہ تھا جس کا مطمح نظر جب بھی اور اب بھی ان دو ملکوں کے ثقافتی روابط کو بڑھانا اور مضبوط کرنا ہے' اس لئے یہ تنظیم اس امر سے بخوبی آگاہ تھی کہ محمدؐ اقبال ایک ایسی شخصیت ہیں جو جرمنی اور پاکستان کے مابین ثقافتی تعلقات کی سب سے اہم کڑی ہیں۔ چنانچہ یہ قدرتی بات ہے کہ جب جناب ممتاز حسن اور اس خاکسار کو موسم گرما ۱۹۵۹ء میں جرمنی جانے کی دعوت ملی تو ہم نے نہ صرف ان شہروں اور یونیورسٹیوں' یعنی ہائیڈل برگ اور میونک' کی زیارت کرنے کی ٹھانی' جہاں اقبال ۱۹۰۵ء اور ۱۹۰۶ء میں ۱۰۔ ٹھہرے اور زیر تعلیم رہے تھے' بلکہ ہم نے اس بات کی سر توڑ کوشش کی کہ تمام ایسے

اشخاص کا کھوج لگایا جائے جو اقبال سے ان کے زمانہ قیام جرمنی میں مل چکے ہوں، اور جو اب تک بقید حیات ہوں۔

چنانچہ یہ اسی تلاش کا نتیجہ تھا کہ دوستوں اور واقف کاروں کی مدد سے ہم مس ایما ویگے ناسٹ کا پتا لگانے اور ان سے رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔ ہاں مس ویگے ناسٹ کی طرف ہماری توجہ علامہ پر عطیہ فیضی کی کتاب کی وجہ سے مبذول ہوئی تھی۔

اگرچہ مس ویگے ناسٹ کے ساتھ ہماری رو برو ملاقات نہ ہو سکی، تاہم جناب ممتاز حسن اور مس ویگے ناسٹ کے درمیان کچھ خط و کتابت رو پذیر ہوئی۔ اور یہ اسی خط و کتابت کا نتیجہ تھا کہ مس ویگے ناسٹ نے اقبال کی طرف سے اپنے نام موصول ہونے والے خطوط فورم کے حوالے کر دیئے اور ساتھ ہی یہ درخواست کی کہ انہیں کسی ایسے تاریخی حفاظت خانے (Archives) تک پہنچا دیا جائے جہاں علامہ کی زندگی اور ان کے کام پر تحقیقات کرنے والے دانشور ان سے بہرہ یاب ہو سکیں۔ جناب ممتاز حسن نے بکمال تلطف اس مجموعے کی ایک مکمل نقل میرے لئے تیار کروائی، اور اس کے ساتھ ہی ساتھ ان میں سے دو خطوں کا اصل مسودہ بھی مجھے عطا کر دیا۔ لیکن چونکہ اس مجموعہ خطوط کے حصول کے جلد بعد ہی میرا پاکستان سے باہر تبادلہ ہو گیا، اس لئے مجھے اس بات کا علم نہیں کہ یہ اصلی خطوط اب کہاں ہیں۔

لیکن اس سے پیشتر کہ ہم ان خطوط کا جائزہ لیں، اگر مجھے اجازت ہو تو میں جرمنی کے اپنے اس دورے کی طرف ذرا دیر کے لئے پھر لوٹوں۔ چونکہ اس سے ہمیں ایک اور پھل بھی حاصل ہوا، اور وہ یہ کہ ہم ایک جرمن ادارے "Inter Nationes" (بین الاقوام) کو، جو مختلف قوموں کے درمیان ثقافتی تعلقات کی نشوونما کے لئے ۱۹۶۳ء میں بون (Bonn) میں قائم ہوا تھا، اس امر پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ وہ اقبال کے میونک یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی حاصل کرنے کے لئے داخل کردہ تحقیقی مقالے (Thesis) کے اصل مسودے کا سراغ لگائے اور "فورم" کی خاطر اس کی نقل تیار کروائے۔ یہ تھیسس دستیاب ہو گیا، اور آنجہانی ڈاکٹر رشارڈ

میونگ (Dr Richard Monnig) کی مدد سے' جو انٹر ناسیونیز (Inter Nationes) کے سربراہ (Director) تھے اور جنہوں نے علامہ اقبال میں بہ نفس نفیس گہری دلچسپی لی تھی' اس مقالے کی تقریباً" تین نقلیں فوٹو میکینیکل ۱۱ے (Photomechanical) ذریعے سے حاصل کر لی گئیں۔

تھیس کے اصل متن سے پہلے اس میں اقبال کے کوائف حیات (Lebenslauf)' جو غالباً" انہوں نے خود ہی مرتب کیے ہوں گے' ان کے دستخط ۱۲ے کے ساتھ درج ہیں۔ ان کوائف میں وہ اپنی تاریخ ولادت ۳ ذوقعد ۱۲۹۴ھ (اور اس کے ساتھ قوسین میں ۱۸۷۶ء) بیان کرتے ہیں۔ اس تطابق کا حساب کرنے میں انہوں نے جو طریقہ اختیار کیا وہ غالباً" وہی ہے جو جرمنی اور دوسرے ممالک کے مستشرقین عموماً" استعمال کیا کرتے تھے۔ اس کا کلیہ یوں ہے : ہجری سال میں سے اس کا تینتیسواں (۱/۳۳) حصہ نکال دیجئے' اور پھر اس میں ۶۲۲ کے عدد جمع کر دیجئے۔ اس کا نتیجہ سال عیسوی ہو گا ۱۳ے

یہ تحقیقی مقالہ اقبال کے نگران تحقیق' یا (جیسا کہ جرمنی میں انہیں کہا جاتا ہے) "ڈاکٹر باوا" (Doctor-father) یعنی پروفیسر ڈاکٹر فریڈرش ہومل ۱۴ے (Professor Dr Friedrich Hommel)' کی منظوری کے ساتھ لڈوگ میکیملین یونیورسٹی Ludwig_ Maximilians- Universität میونک کے شعبہ فلسفہ' سیکشن اول (د دوم) میں داخل کیا گیا۔ یہ ۱۹۰۸ء میں لندن سے لوزاک اینڈ کمپنی ۱۵ے (Luzac & Co) کی طرف سے شائع کیا گیا' اور ای۔ جے۔ بریل (E. J. Brill) کے چاپ خانہ واقع لائیڈن (Leiden)' ہالینڈ' میں چھپا تھا۔ میں یہاں اس بات کا اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ جب اقبال نے میونک سے ڈگری حاصل کی' اس زمانے میں یہ امر جرمن یونیورسٹیوں میں عام طور سے مروج' بلکہ مستلزم تھا' کہ پی ایچ ڈی تھیس' طبع شدہ شکل میں داخل کیا جائے' اور کہ اس "افتتاحی مقالے" Inaugural Dissertation (جیسا کہ جرمنی میں وہ کہلاتے ہیں) کی ایک مقرر شدہ (خاصی بڑی) تعداد بہم پہنچائی جائے تاکہ یہ ملک و بیرون ملک کے اہم کتب خانوں (Libraries) اور

متعلقہ مراکز تحقیق کے درمیان تقسیم کیا جا سکے۔

لیکن اب میں پھر ان خطوط کی طرف لوٹتا ہوں۔ یہ دو پوسٹ کارڈوں کو ملا کر تعداد میں کل ۲۷ ہیں۔ یہ خطوط دو بالکل جدا زمانوں کا احاطہ کرتے ہیں۔ یعنی ۱۹۰۷ء سے لے کر ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم کے آغاز تک' اور پھر ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۳ء تک کے عرصے کا۔ ان دو زمانوں کے درمیان کی طویل خاموشی صرف ایک مرتبہ ٹوٹتی ہے' اور وہ ۱۹۱۹ء میں لکھے گئے ایک خط کے ذریعے۔

اس بات کا خاصا امکان ہے کہ ایک براعظم سے دوسرے تک میں نے جو کئی ایک سفر کیے' ان کے درمیان میری چند فوٹو کاپیاں گم ہو گئی ہوں۔ اور اصل مجموعہ میرے پاس محفوظ تعداد سے زیادہ ہو۔۱۶۔ مجھے کچھ ہلکی سی یاد یوں آتی ہے کہ کل ملا کر چالیس خطوط تھے' اور اس کے علاوہ کچھ تصویریں بھی تھیں۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے' جس شخص کے نام یہ سب خطوط تحریر کیے گئے تھے' وہ مس ایما ویگے ناسٹ ہیں۔ یہ ہائیڈل برگ کی "شیرر منزل" (Pension Sherer) ۱۷ میں اقبال کی جرمن زبان کی ٹیوٹر تھیں۔ اس قسم کے بڑے معزز مہمان خانے جو طالب علموں کے لئے مخصوص تھے اس زمانے میں جرمنی کے یونیورسٹی شہروں میں بہت مقبول تھے' جب کہ طلبہ کے لئے بلند و بالا ہوسٹلوں کا رواج ابھی نہ پڑا تھا۔

"شیرر منزل" ــــــ یا جیسا کہ اقبال ایک خط میں اس کو پکارتے ہیں' "ہائیڈل برگ اسکول" ــــــ بظاہر زیادہ تر غیر ملکی طلبہ کے لئے مخصوص مہمان خانہ تھا۔ اور یہ بات وہاں زبان سکھلانے کے اہتمام کی توجیہہ کرتی ہے۔ جب اقبال مس ویگے ناسٹ سے ملے ہیں تو اس وقت موصوفہ کی عمر بیس اور تیس سال کے درمیان تھی ــــ اور یہ بات ہمیں خود بیگم عطیہ فیضی کے بیان سے معلوم ہوتی ہے کہ مس ویگے ناسٹ ایک بڑی خوش شکل' مہذب اور باسلیقہ نوجوان خاتون تھیں۔

اقبال ان کے بڑے گرویدہ تھے' اور اس بات میں کسی شبہے کی گنجائش نہیں۔ لیکن خطوط سے یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ گرویدگی بالکل پاک اور معصوم تھی۔ میرا ذاتی

خیال یہ ہے کہ اقبال کی نظروں میں مس ویگے ناسٹ ان تمام اشیاء کی نمائندگی کرتی تھیں' جن کو وہ جرمنی میں' محبوب اور قابل تعظیم سمجھتے تھے۔ اور جو انہیں جرمنی کے تمدن' اس کے فکر' اس کے ادب اور شاید اس کے تمام طرز معاشرت میں اس قدر پرکشش معلوم ہوتی تھیں۔

اپنی تمام خط و کتابت میں اقبال انہیں بڑے رسمی طرز تخاطب سے "Mein liebes Fräulein Wegenast" ۱۸ یعنی "میری عزیزہ مس ویگے ناسٹ" کہہ کر پکارتے ہیں' اور صرف ایک لفظ "میری" ان کے لئے اقبال کی گرویدگی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ لیکن اس پسندیدگی میں ادب بھی ملحوظ ہے۔ اور یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ جرمن زبان میں لکھے گئے تمام خطوط' جو اس پہلے زمانے میں تحریر کیے گئے تھے جب اقبال کے دل میں مس ویگے ناسٹ کی یادیں ابھی بڑی تازہ تھیں اور ان کے بارے میں اقبال کے احساسات شدید ترین تھے' ان میں وہ بالالتزام انہیں پُر ادب لقب "Sie" سے' یعنی "آپ" کہہ کر پکارتے ہیں اور ایک مرتبہ بھی بے تکلف "Du" یعنی "تم" یا "تو" کا لفظ استعمال نہیں کرتے۔

ان خطوط سے کسی سنسنی خیز بات کا انکشاف نہیں ہوتا۔ یہ خاصے معمولی سے خطوط ہیں' جیسا کہ دو دوست ایک دوسرے کو لکھتے ہیں۔ ان میں کسی گہری فکر یا شاعری کا وجود نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوصف یہ خطوط اقبال کے بارے میں چند ایسے سوالات کا جواب دیتے ہیں جو اب تک حل نہ ہوئے تھے۔ اور ان سے میرے ملک (جرمنی) کے بارے میں اقبال کے احساسات پر مزید روشنی پڑتی ہے۔

سب سے پہلا سوال جس کا جواب ان خطوط سے ملتا ہے وہ ہے جو سید نذیر نیازی' اقبال کے ساتھ اپنی گفتگوؤں سے متعلق ایک مضمون میں' اٹھاتے ہیں۔ ۹ یعنی جب وہ یوں لکھتے ہیں کہ

> "مجھے ہمیشہ اس بات کے متعلق اچنبھا رہا کہ اقبال نے جرمن زبان کا کہاں تک مطالعہ کیا تھا ــــــ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ انہوں نے جرمن ادب کا اصلی زبان میں کافی گہرا اور دقیق

مطالعہ کیا تھا اور وہ جرمن زبان پر بڑا عبور رکھتے ہوں گے۔
لیکن انھوں نے اپنی بات چیت میں کبھی کوئی جرمن لفظ استعمال
نہیں کیا۔ حتیٰ کہ اس عرصے کے دوران بھی جب ان کے بچے
ایک جرمن گورنس (اتالیق) ١٩ء کے زیر اہتمام تھے' جو ان کے
گھر میں رہتی تھی"۔

بہرحال' اس سوال کا جواب ہمیں ان خطوط سے یقیناً مل جاتا ہے' کیونکہ پہلی جنگ عظیم سے پیشتر لکھے گئے تمام خطوط (باستثنائے دو) جرمن زبان ہی میں ہیں۔ اور اگرچہ اقبال ان خطوط میں بار بار اس بات کا شکوہ کرتے ہیں کہ جرمن زبان سے وہ بڑے ناواقف ہیں اور اس میں وہ اپنے خیالات کا حسب خاطر اظہار نہیں کر سکتے۔ بلکہ اپنی "Schlechtes Deutsch" (ٹوٹی پھوٹی یا بھدی جرمن) کو مکتوب الیہا کے لئے گستاخی سمجھ کر اظہار معذرت بھی کرتے ہیں۔ تاہم میں صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ اقبال ایسا کہنے میں ضرورت سے زیادہ انکسار برت رہے ہیں۔ مجھے تو اس بات پر تعجب ہے کہ وہ اس زبان میں اپنے خیالات کا اظہار کس خوبی کے ساتھ کر سکتے ہیں' کیونکہ آخر اس زبان کی تعلیم انھوں نے ایک بہت ہی مختصر عرصے کے لئے پائی تھی۔ جی ہاں' ان کو جرمن زبان ٹھیک ٹھاک آتی تھی۔٢٠ء جیسا کہ ان خطوط سے عیاں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وقت گذرنے کے ساتھ اس زبان میں ان کی مشق بتدریج زائل ہوتی گئی ہو گی۔ اور یہ قدرتی بات ہے۔

اپنے وطن پہنچنے کے بعد اپنے پہلے تفصیلی خط٢١ء (از لاہور' مورخہ ١١ جنوری ١٩٠٩ء) میں وہ اس پرجوش اور شاندار استقبال کا' جرمن زبان میں' بڑی روانی اور صفائی کے ساتھ پورا حال بیان کرتے ہیں جس کا اہتمام ان کی واپسی پر ان کے ہم وطنوں نے کیا تھا۔

ایک اور گویا نعمت غیر مترقبہ کہیے' جو ان خطوط سے ہمیں حاصل ہوتی ہے وہ ایک ایسی اطلاع ہے جو اس سے پہلے ہمارے حیطۂ علم میں نہ تھی۔ اور وہ ہیں ان مکانوں کے پتے جہاں اقبال ١٩٠٨ء میں' اور بعد ازاں گول میز کانفرنسوں کے دوران

۱۹۳۱ء اور ۱۹۳۲ء میں، لندن میں ٹھہرے تھے۔ ۲۲۔ یعنی ۱۹۰۸ء میں Kensington کے علاقے میں ایلشم روڈ (49 Elsham Road, Kensington)۔ پھر ۱۹۳۱ء میں 113 St. James's Court, Buckingham Gate۔ اور آخر میں ۱۹۳۲ء میں Queen Anne's Mansion, St. James's Park۔ اب کہ ان پتوں کا کھوج مل گیا ہے، بلدیہ لندن کلاں کی عماراتی مجلس مشاورت Buildings Advisory Committee of the Greater London Council سے ہمیں یہ درخواست کرنی چاہئے کہ وہ ان میں سے ایک پتے پر ایک نیلے رنگ کی یادگاری تختی نصب کرے، ۲۳۔ تاکہ پاکستان کے سپوتوں میں سے ایک عظیم ترین (یا شاید سب سے عظیم) سپوت کی یاد اس شہر میں تازہ رہے۔

اگرچہ یہ میری بڑی خواہش تھی، لیکن وقت کی کمی کی وجہ سے آج کی صحبت میں میں ان خطوط کے تفصیلی اقتباسات آپ کے سامنے پیش نہیں کر سکتا۔ لیکن مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ مجھ پر یہ واجب ہے کہ کم از کم ایک ایسا پیراگراف میں آپ کو پڑھ کر سناؤں جو خاص طور پر پُر از جذبات ہے۔

یہ خبر ملنے پر کہ مس وینگیے ناسٹ کے والد کا انتقال ہو گیا ہے، وہ یوں اظہار ماتم کرتے ہیں۔ ۲۴۔

ڈیئر مس وینگیے ناسٹ

مجھے آپ کے والد ماجد کے انتقال کی پر ملال خبر پڑھ کر بے حد صدمہ ہوا ہے۔ اور اگرچہ میرا یہ خط آپ کو اس حادثہ فاجعہ کے رونما ہونے کی کئی روز بعد ملے گا، تاہم نہ وقت نہ فاصلے کا بُعد آپ کے اس صدمے میں آپ کے ساتھ میری ہمدردی کی گرمجوشی کو کم کر سکتا ہے۔ اس اطلاع سے مجھے بڑا گہرا رنج ہوا ہے۔ اور میری دعا ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنی خاص رحمتیں اس قابل تعظیم بزرگ پر برسائے، اور آپ کو یہ صدمہ سہنے کی طاقت عطا فرمائے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ یہ وہ آیت مبارکہ ہے جو ہم کسی کی موت کی خبر سن کر پڑھتے ہیں۔ اور یہ آیت میں نے آپ کا المناک خط پا کر بارہا اور بہ تکرار پڑھی۔ لیکن ایسے حادثات ہر ایک کی زندگی میں روپذیر ہوتے ہیں

اور ان سے ہمیں اسی طور سے نبرد آزما ہونا چاہئے جیسے وہ لوگ ان پر غالب آئے جن کی زندگی ہمارے لئے باعث ہدایت ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ گوئٹے نے اپنی زندگی کے لمحہ آخریں میں کیا کہا۔۔۔۔ "مزید روشنی!"۔ موت ہمارے لئے ایسے باب وا کرتی ہے اور ہمیں ان منزلوں تک پہنچاتی ہے جہاں ہم دائمی حسن و صداقت کے روبرو ہوتے ہیں۔ مجھے وہ زمانہ یاد ہے جب میں آپ کے ساتھ مل کر گوئٹے کا کلام پڑھا کرتا تھا' اور میں امید کرتا ہوں کہ آپ کو بھی وہ خوشیوں بھرے دن یاد ہوں گے جب ہم ایک دوسرے سے اس قدر قریب تھے۔ یہاں تک کہ آج میں آپ کے صدمے میں خود کو روحانی طور سے شریک محسوس کرتا ہوں۔ جب آپ کا جی چاہے تو مجھے ضرور خط لکھیئے گا۔ کاش کہ میں آج جرمنی میں ہوتا اور آپ کو اپنی ہمدردی ذاتی طور سے پیش کر سکتا۔

خدا آپ کا نگہبان ہو۔

ہمیشہ آپ کا

محمد اقبال

"مجھے وہ زمانہ یاد ہے جب میں آپ کے ساتھ مل کر گوئٹے کا کلام پڑھا کرتا تھا۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ آپ کو بھی وہ خوشیوں بھرے دن یاد ہوں گے' جب ہم ایک دوسرے سے (گویا روحانی طور پر) اس قدر قریب تھے"۔ تو سمجھئے کہ اصل بات یہی ہے:

یعنی فرائیلائین (=مس) ویگے ناسٹ ہی گوئٹے اور ہائنے اور کانٹ اور شوپنہاور ہیں' اور اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ ہائیڈل برگ اور دریائے نیکر اور جرمنی بھی ہیں۔ یہی تھے وہ ایام بہجت۔ اور یہی ہے ایما ویگے ناسٹ کے نام اقبال کے خطوط کا بنیادی اور بار بار دہرایا جانے والا پیغام (Leitmotif)۔ "میرا جسم یہاں اور میرے خیالات جرمنی میں ہیں"۔ "یہ بات میرے لئے ناممکن ہے کہ میں آپ کے اس خوبصورت ملک کو بھول جاؤں' جہاں سے میں نے اتنا کچھ سیکھا ہے"۔ "ہائیڈل برگ میں میرا قیام اب سوائے ایک حسین خواب کے کچھ بھی نہیں ہے۔ اے کاش کہ میں اسے

دہرا سکتا!"۔ "میں جرمنی کو بہت چاہتا ہوں۔ اس نے میرے آدرشوں پر بہت گہرا اثر ڈالا ہے' اور میں وہاں اپنے قیام کو کبھی فراموش نہ کروں گا"۔ "میں تا عمر ان ایام کو نہ بھول سکوں گا جب آپ مجھے گوئٹے کا فاوسٹ پڑھاتی تھیں اور میری ہر طرح مدد کرتی تھیں۔ وہ کیا ہی مسرت اندوز دن تھے!"

"میری بڑی آرزو ہے کہ میں آپ سے ہائیڈل برگ یا ہائیل برون (Heilbronn) میں دوبارہ مل سکوں' تا کہ ہم دونو پھر ایک ساتھ وہاں سے اس پیرِ طریقت گوئٹے کے مقدس مزار کی زیارت کو جا سکیں"۔

"اگلے روز میں ہائنے کا مطالعہ کر رہا تھا۔ وہ دن پھر میری نظروں میں گھوم گئے' جب ہم ایک ساتھ اس کا کلام پڑھا کرتے تھے"۔

اور ایک آخری اقتباس: "جرمنی میرے لئے گویا ایک دوسرا روحانی گھر تھا۔ میں نے وہاں سے بہت کچھ سیکھا اور وہاں بہت کچھ سوچا۔ گوئٹے کے وطن نے میری روح میں ایک دائمی جگہ پا لی ہے"۔ جی ہاں' تو گویا فرائیلائین ویگے ناسٹ ہی گوئٹے بھی ہیں اور ہائنے بھی۔ اور کانٹ' شوپنہاور' ہائیڈل برگ' نیکر' جرمنی' اور وہ بہجت انگیز دن بھی------- اور وہ مسرت بھرے دن' اور جرمنی' اور دریائے نیکر اور ہائیڈل برگ اور شوپنہاور اور کانٹ اور ہائنے اور گوئٹے۔ یہ سب کے سب فرائیلائین ویگے ناسٹ کی شخصیت میں مجسم ہو گئے تھے' جیسا کہ اس خط و کتابت سے ظاہر ہوتا ہے' جو نہ ذہنوں کی موافقت ہے' نہ عقل کی' بلکہ دلوں کے نامہ و پیام پر مشتمل ہے۔

(مطبوعہ ماہنامہ "افکار" کراچی' نومبر ۱۹۸۲ء)

حواشی

۱۔ جناب محمد امان ہربرٹ ہوبوہم : Herr Muhammad Aman Herbert Hobohm-

پس تحریر : واضح رہے کہ اس نام کا تلفظ "ہوبوم" (بقافیہ "موم") ہے۔ اور جناب موصوف اپنا نام عربی رسم الخط میں "ہوبوم" ہی لکھتے ہیں۔ اس کتاب کی طبع اول میں میں نے غلطی سے ان کا نام "محمد امان اللہ ہربرٹ ہوبوہم" تحریر کیا تھا۔ (درانی' برمنگھم' ۲ فروری ۱۹۹۶ء)

۲۔ School of Oriental and African Studies ("SOAS"), London.

۳۔ یعنی اس کتاب کا پچھلا مضمون (نمبر ۸)۔

۴۔ ان کا نام محترمہ شمیم آرا تھا' اور وہ ۱۹۷۷ء میں وفات پا گئیں۔ بقول ہوبوہم صاحب' ان کی شادی میں شیخ سر عبدالقادر کی مدد شامل تھی۔ (درانی۔ بون' جرمنی۔ ۳۰ اگست ۱۹۹۵ء)

۵ و ۶۔ پیام مشرق میں "جلال و گوئٹے" کے عنوان سے اقبال کہتے ہیں :

"نکتہ دان المنی را در ارم
صحبتے افتاد با پیر عجم
شاعرے' کو ہمچو آں عالی جناب'
نیست پیغمبر' ولے دارد کتاب
خواند بر دانائے اسرار قدیم
قصہ پیمان ابلیس و حکیم
گفت رومی' اے سخن را جاں نگار
تو ملک صید استی و یزداں شکار
فکر تو در کنج دل خلوت گزید
ایں جہان کہنہ را باز آفرید
سوز و ساز جاں بہ پیکر دیدہ ای
در صدف تعمیر گوہر دیدہ ای

ہر کسے از رمزِ عشق آگاہ نیست
ہر کسے شایانِ ایں درگاہ نیست
"وانکہ آں کو نیک بخت و محرم است
زیرکی ز ابلیس' و عشق از آدم است" (رومی)

(اقتباس از مترجم)

۷۔ پس تحریر: میں نے ایک جرمن دانشور کے مضمون میں پڑھا ہے کہ اواخر عمر میں گوئٹے اپنی ایک عزیزہ کو لکھتا ہے کہ کچھ عرصے سے میری روحانی تسکین کا سب سے بڑا (یا واحد؟) سہارا قرآن کریم ہے۔ اور میں ہر روز اس کا کم سے کم ایک صفحہ ضرور پڑھتا ہوں۔ (یاد داشت سے لکھا گیا۔ ورانی۔ جرمنی' ۱۴۔ اگست ۱۹۹۵ء)

۸۔ دیکھئے کتاب Mohammad Iqbal, Poet and Philosopher (شائع کردہ: Pakistan-German Forum, Karachi, 1960) میں ڈاکٹر جاوید اقبال کا مضمون: Iqbal and Nietzsche ص ۵۶ تا ۶۳۔ (نوٹ از مترجم)

۹۔ دیکھئے سید نذیر نیازی کا مضمون (مترجمہ جناب ممتاز حسن) معنونہ "Conversations with Iqbal" (ص ۱۹۹) جو پاکستان جرمن فورم کراچی کی طرف سے ۱۹۶۰ء میں شائع کردہ کتاب "Mohammad Iqbal, Poet and Philosopher" میں شامل ہے۔ (نوٹ از مترجم)

۱۰۔ یہ بیان صحیح نہیں ہے۔ علامہ اقبال جرمنی صرف ۱۹۰۷ء میں گئے تھے۔ قریب ۲۰ جولائی تا ۵ نومبر ۱۹۰۷ء۔ ہاں ہوبوہم صاحب نے مجھے ایک ملاقات میں یہ بتایا تھا کہ ۱۹۳۱ء کے آخر میں' جب علامہ اقبال نے دوسری گول میز کانفرنس کے موقعے پر مس ویگے ناسٹ کو خط لکھا تھا کہ وہ اس سے ملاقات کے خواہشمند ہیں اور روم اور برلن جانے سے پہلے یا بعد میں اس سے مل سکتے ہیں' تو انھوں نے ہائیڈل برگ میں اپنے لئے ایک ہوٹل بھی بک کرا لیا تھا۔ (پس تحریر: دراصل علامہ نے یہ خط اواخر ۱۹۳۲ء' نہ کہ ۱۹۳۱ء میں لکھا تھا۔ یعنی تیسری گول میز کانفرنس کے موقعے پر۔ دیکھئے موجودہ کتاب میں خط نمبر ۲۶' مورخہ ۲۹ دسمبر ۱۹۳۲ء' ص ۲۱۶)۔ لیکن بالآخر وہ وہاں گئے نہیں اور نہ مس ویگے ناسٹ سے دوبارہ ان کی ملاقات ہو سکی۔ یہ خط انگریزی میں لکھا گیا تھا اور ہوبوہم صاحب کے یہاں میں نے اسے ۲ جنوری ۱۹۸۳ء کے روز بذات خود پڑھا تھا۔ جہاں تک مجھے علم ہے' اپنے زمانہ طالب علمی کے بعد علامہ اقبال کبھی دوبارہ جرمنی نہ جا سکے۔ جس کا انھیں ضرور ملال رہا ہوگا۔ (ورانی' ۱۹۸۳ء)

۱۱۔ مشنری مکاسی۔

۱۲۔ دراصل نام' نہ کہ دستخط۔ (مترجم)

۱۳۔ یہ ایک اندازا" سا طریقہ استخراج ہے۔ اور اس سے عموماً" ایک سال آگے پیچھے کا فرق پڑ جاتا ہے۔ مثلاً ۱۸۷۷ = ۱۲۹۴-۳۹ + ۶۲۲ = ۱۲۹۴ + ۶۲۲ (۱۲۹۴/۳۳)۔ ۱۲۹۴' یعنی اگر یہ کلیہ استعمال کیا جاتا تو اقبال کو چاہئے تھا کہ وہ یا تو ۱۲۹۴ھ مطابق ۱۸۷۷ء لکھتے' یا ۱۲۹۳ھ مطابق ۱۸۷۶ء لکھتے۔ دیکھئے اس کتاب کے پہلے دو مضمون۔ (مترجم)

۱۴۔ پس تحریر۔ اب یہ معلوم ہوا ہے کہ ان کا پہلا (یعنی ذاتی) نام دراصل فرٹس (Fritz) تھا۔ دیکھئے میری تازہ کتاب "نوادر اقبال یورپ میں" جو اقبال اکادمی پاکستان کے یہاں سے زیور طبع سے آراستہ ہو کر عن قریب (اور بالآخر!) شائع ہونے والی ہے۔ (درانی۔ لاہور' ۵ مارچ ۱۹۹۵ء)

۱۵۔ لوزاک اینڈ کمپنی کا کتب خانہ اب بھی لندن یونیورسٹی کے مرکزی حصے میں' برٹش میوزیم کے سامنے واقع ہے۔ (مترجم)

۱۶۔ خوش قسمتی سے یہ بات غالباً" صحیح نہیں ہے' اور کم از کم ۱۹۶۶ء میں بھی ان خطوط کی تعداد ۲۷ ہی تھی۔ تفصیلات موجودہ کتاب (کی طبع اول) کے دیباچے میں ملاحظہ کیجئے۔ (درانی۔ ۲۳ مارچ ۱۹۸۵ء)۔

پس تحریر: اب جناب ہوہوم کے مہیا کئے ہوئے اصل مخطوطوں سے معلوم ہوا ہے کہ دراصل علامہ کا (میڈرڈ سے لکھا ہوا) آخری خط (نمبر ۲۷) ایک پوسٹ کارڈ کی صورت میں تھا' نہ کہ خط کی۔ چنانچہ علامہ نے مس ایما ویگے ناست کو کل ۲۴ خطوط اور تین پوسٹ کارڈ تحریر کئے تھے۔ (درانی' برمنگھم' ۹ جون ۱۹۹۶ء)

۱۷۔ پس تحریر: اس نام کے صحیح ہجے Sherrer ہیں۔ (درانی۔ ۱۹۹۵ء)۔

۱۸۔ اسے انگریزی میں یوں کہہ سکتے ہیں "My dear Miss Wegenast" (نوٹ از مترجم)۔

۱۹۔ پس تحریر: یعنی مسز ڈورس احمد' جنھوں نے علامہ اور ان کے گھرانے سے متعلق ایک کتاب بھی شائع کی ہے (یعنی "Iqbal : As I knew him"۔ مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان' لاہور۔ ۱۹۸۶ء)۔ ان کا انتقال اوائل ۱۹۹۳ء میں لاہور میں ہوا تھا' جہاں وہ اب گل برگ کے قریب ایک قبرستان میں دفن ہیں۔ چند ماہ ہوئے میں نے جناب ڈاکٹر جاوید اقبال کے ساتھ بیگم ڈورس احمد سے متعلق ان کی یادداشتوں پر مشتمل ایک مفصل انٹرویو لاہور میں ٹیپ ریکارڈ کر لیا ہے۔ جو اقبال اکادمی (یو کے) کے اس منصوبے کی ایک کڑی ہے' جس کے ماتحت ہم ان تمام اشخاص کے انٹرویو ریکارڈ کر رہے ہیں جو علامہ اقبال کو جانتے تھے' اور جو تاحال بقید حیات ہیں۔

(درانی- فرائی برگ' جرمنی- ۱۵ اگست ۱۹۹۵ء)-

۲۰ ۔ یہ جناب ہوبوہم کا تلطف ہے- میری بیوی نے' جو جرمن نژاد ہیں' اقبال کے ان خطوط کے اصل متن میں زبان کی بے شمار غلطیاں پائی ہیں- جو ایک فطری امر ہے- (نوٹ از مترجم- نومبر ۱۹۸۳ء)-

۲۱ ۔ دیکھئے اگلے مضمون میں خط نمبر ۱۳ (ص ۲۰۳)-

۲۲ ۔ دیکھئے میرا خط مطبوعہ "افکار" کراچی' بابت مارچ' ۱۹۸۲ء' یعنی کتاب ہذا کا پیش رو مضمون- (درانی)

۲۳ ۔ اس قسم کی ایک یادگاری تختی ۱۹۷۸ء میں علامہ کی اس قیام گاہ پر نصب کی جا چکی ہے' جس کا کھوج راقم الحروف نے لگایا تھا' یعنی 17 Portugal Place, Cambridge- قارئین کو یہ جان کر خوشی ہو گی کہ معروف مستشرق سر سیرل فلپس (Sir Cyril Philips) سابق وائس چانسلر لندن یونیورسٹی نے' جو London School of Oriental and African Studies (SOAS) میں ۵ مئی ۱۹۸۲ء کو منعقد ہونے والے یوم اقبال کی صدارت کر رہے تھے' تقریب کے دوران اس بات کا اعلان کیا کہ لندن یونیورسٹی کی طرف سے بلدیہ لندن کلاں (GLC) پر زور دیا جائے گا کہ لندن میں ان تین مقامات میں سے کم از کم ایک پر علامہ اقبال کا یادگاری کتبہ نصب کیا جائے- یاد رہے کہ میں نے اولاً" اپنے خط مطبوعہ "افکار" کراچی برائے مارچ ۱۹۸۲ء میں اس بات کی تجویز کی تھی- اور لکھا تھا کہ ایسی تختی کے لئے سب سے بہتر جگہ غالباً" Kensington والی اقامت گاہ ہو گی- کہ وہاں وہ ۱۹۰۸ء کے دوران' SO(A)S میں سر طامس آرنلڈ کے قائم مقام عربی لیکچرر کی حیثیت سے' غالباً" زیادہ عرصہ تک مقیم رہے ہوں گے اور یہ جگہ ہے بھی مرکزی لندن میں واقع- (درانی' ۱۹۸۲ء)

۲۴ ۔ یہ ایما کے نام علامہ کا انگریزی میں لکھا ہوا پہلا خط ہے' مورخہ لاہور' ۳۰ جولائی ۱۹۱۳ء- دیکھئے خط نمبر ۱۸' ص ۲۰۷(نوٹ از مترجم)

-۹-

اقبال کے غیر مطبوعہ خطوط
بنام مس ایما ویگے ناسٹ

(۱۹۰۷ء تا ۱۹۳۳ء)

ماخذ خطوط- جناب محمد امان ہربرٹ ہوبوہم اے - (سفارت خانہ المانیہ- لندن)

حرف آغاز

میں نے ان خطوط کے بارے میں ایک ابتدائی اطلاع پہلے پہل جناب صہبا لکھنوی، مدیر "افکار" کراچی، کو جنوری ۱۹۸۲ء میں دی تھی، جو انہوں نے "افکار" (مارچ ۱۹۸۲ء، ص ۹۵-۹۶) میں ایک خط کے طور پر شائع کر دی تھی- ۲- اس کے بعد اسی سلسلے میں جناب محمد امان ہربرٹ ہوبوہم (Herr M. A. H. Hobohm) کی تقریر کا میرا کیا ہوا ترجمہ "محمد اقبال اور جرمنی- نامہ و پیام دل کا" کے عنوان سے "افکار" (نومبر ۱۹۸۲ء، ص ۱۷-۲۴) میں چھپ چکا ہے- ۳- ان دو مضامین سے ان اہم خطوط کے پس منظر پر کچھ روشنی پڑتی ہے-

جناب ہوبوہم نے محولہ بالا تقریر، School of Oriental and African Studies, London (SOAS) کے زیر اہتمام منعقدہ یوم اقبال بروز ۵ مئی ۱۹۸۲ء کے

موقعے پر کی تھی۔ مس ویگے ناسٹ کے نام اقبال کے خطوط کی اشاعت کا اہتمام متذکرہ ادارہ کر رہا ہے، لیکن شائقین اقبال کی بڑھتی ہوئی دلچسپی کے پیش نظر میں ان خطوط کا اردو ترجمہ شائع کرنے کا فخر حاصل کر رہا ہوں۔

جناب محمد امان ہوبوہم صاحب سے جون ۱۹۸۲ء میں یہ طے پایا تھا کہ وہ اور میں مل کر علامہ اقبال کے جرمنی کے قیام، اور بالخصوص مس ویگے ناسٹ کے ساتھ ان کی طویل خط و کتابت کے پس منظر پر، ایک سیر حاصل مقالہ لکھ کر (مع ان تمام خطوط کے اصل مسودوں کے عکوس کے) مفصل کتابی صورت میں شائع کریں گے۔ اس میں مکمل حوالوں اور تعلیقات و تصریحات کا اہتمام ہوگا۔ لیکن ہم دونو کی گوناگوں مصروفیات کے سبب تاحال اس منصوبے پر عمل درآمد نہیں ہو سکا۔ چنانچہ اولین مرحلے کے طور سے جناب ہوبوہم صاحب کی اجازت سے میں ان خطوط کا ترجمہ شائع کر رہا ہوں۔

ان غیر مطبوعہ خطوط کے پس منظر کی طرف یہاں صرف چند ایک مختصر اشارے کافی ہوں گے۔ جیسا کہ جناب ہوبوہم نے اپنے مضمون "نامہ و پیام دل کا" ۳۔ میں بیان کیا ہے، اس مجموعہ خطوط کا کھوج جناب ممتاز حسن مرحوم (جو پاکستان جرمن فورم کے صدر بھی تھے) اور جناب ہوبوہم نے (جو اس ادارے کے معتمد عمومی تھے) موسم گرما ۱۹۵۹ء کے دورۂ جرمنی کے دوران لگایا تھا۔ ان خطوط کی مکتوب الیہا' ہائیڈل برگ میں اقبال کے مختصر قیام (اواخر جولائی تا اوائل اکتوبر ۱۹۰۷ء) کے دوران ان کی جرمن زبان کی اتالیق، مس ایما ویگے ناسٹ (Fräulein (=Miss) Emma Wegenast) تھیں، جن کی طرف ان اصحاب کی توجہ بیگم عطیہ فیضی کی کتاب ("Iqbal", by Atiya Begum) ۴۔ کے ذریعے مبذول ہوئی تھی۔ اگرچہ ۱۹۵۹ء کے اس دورۂ جرمنی کے دوران جناب ممتاز حسن اور جناب ہوبوہم مس ویگے ناسٹ سے ذاتی طور سے نہ مل سکے، تاہم اس دورے کے بعد جناب ممتاز حسن نے مس ویگے ناسٹ کے ساتھ خط و کتابت کی، جس کے نتیجے میں خاتون موصوفہ نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ قبل، یعنی ۱۹۶۰ء کی دہائی کے اوائل میں، اپنے نام اقبال کے سارے خطوط

مس ایما ویگے ناست (۱۸۷۹ء - ۱۹۶۴ء) کے عنفوان شباب کی ایک نادر تصویر۔

بہ شکریہ Frau Edith Schmidt-Wegenast

Prof. Dr Hella Kirchhoff

(نوٹ از مصنف)

پاکستان جرمن فورم کے حوالے کر دیے' اور ساتھ ہی یہ درخواست کی کہ انہیں کسی ایسے تاریخی محافظ خانے (Archives) تک پہنچا دیا جائے' جہاں علامہ کی زندگی اور ان کے کام پر تحقیقات کرنے والے افراد ان سے بہرہ یاب ہو سکیں۔ لیکن تاحال ایسا نہیں ہو سکا' چنانچہ موجودہ ترجمے کی اشاعت مکتوب الیہا کی آخری خواہشات کی تکمیل کا مترادف سمجھی جا سکتی ہے۔

جیسا کہ جناب ہوبوہم نے اپنی تقریر میں (دیکھئے اس کتاب کا مضمون: محمدؐ اقبال اور جرمنی" ص ۱۶۶۔۱۸۲ بیان کیا ہے' جناب ممتاز حسن نے بکمال تلطف اس مجموعہ خطوط کی ایک مکمل فوٹو کاپی ان کے لئے تیار کروائی تھی' اور اس کے ساتھ ہی ساتھ ان میں سے دو خطوں کا اصل مسودہ بھی ہوبوہم صاحب کو عطا کر دیا تھا۔ جناب ہوبوہم کے پاس اس وقت جو خط موجود ہیں' وہ دو پوسٹ کارڈوں کو ملا کر تعداد میں کل ستائیس ہیں۔ بقول ان کے عین ممکن ہے کہ پچھلے اٹھارہ بیس برسوں میں' ان کی نقل مکانی کے سبب جو کئی ایک سفر انہوں نے مختلف براعظموں کے درمیان کیے تھے' ان کے دوران اس مجموعے کی چند فوٹو کاپیاں گم ہو گئی ہوں۔ انہیں کچھ ہلکی سی یاد یوں آتی ہے کہ "کل ملا کر چالیس خطوط تھے" ۵۔ اور اس کے علاوہ کچھ تصویریں بھی تھیں۔

ان خطوط کی موجودگی کی اطلاع مجھے پہلے پہل ۱۹۶۸ء میں اس وقت ملی جب میرے ایک کزن کیپٹن (اب کرنل) ۶۔ اسد درانی نے' جو جرمنی میں ان دنوں ایک اسٹاف کورس کر رہے تھے' برمنگھم میں ایک ملاقات کے دوران مجھے بتایا کہ جرمنی میں وہ ایک نو مسلم جناب ہربرٹ (امان) ہوبوہم صاحب سے کئی دفعہ مل چکے ہیں' جو اس سے پہلے پاکستان جرمن فورم کے ساتھ وابستہ تھے' اور اب جرمنی میں Rothenburg ob der Tauber کے خوب صورت مقام پر گوئٹے انسٹی ٹیوٹ میں جرمن زبان کی تعلیم دے رہے ہیں۔ جہاں میرے کزن بھی ان کے ایک طالب علم تھے۔ جناب موصوف کی بیگم ایک پاکستانی خاتون تھیں (علامہ اقبال کے دوست مولوی انشاء اللہ ایڈیٹر "وطن" کی پوتی اور جناب شیخ عظیم اللہ کی صاحبزادی' محترمہ شمیم آرا'

جن کا ۱۹۷۷ء میں انتقال ہو گیا ہے)۔۷ے تو جناب اسد درانی نے ۱۹۶۸ء میں مجھے بتایا کہ جناب ہوبوہم کے پاس علامہ اقبال کے چند ("رومانوی"؟) خطوط موجود ہیں' جو انہوں نے اپنی جرمن استانی کو لکھے تھے۔

پھر یہ بات آئی گئی ہو گئی۔ ۱۹۷۷ء میں جب میں نے عطیہ بیگم کی کتاب ("اقبال" مترجمہ عبدالعزیز خالد)۸ے پڑھی' اور اس میں مس ویگے ناسٹ کا مفصل ذکر پایا' اور پھر انہی دنوں فقیر سید وحید الدین کی کتاب Iqbal in Pictures۹ے دیکھنے کا اتفاق ہوا' جس میں مس ویگے ناسٹ کے نام اقبال کے ایک پوسٹ کارڈ (زیر نظر مجموعے کا خط نمبر ۴' مورخہ لندن ۲۶ نومبر ۱۹۰۷ء) کا عکس بھی شامل تھا' تو میرے ذہن میں ان خطوط کی یاد تازہ ہو گئی۔

اس سلسلے کی آخری کڑی یہ ہے کہ کرسمس ۱۹۸۱ء کی تعطیلات میں کرنل اسد درانی جرمنی سے ہمارے یہاں آئے (وہ آج کل بون میں پاکستانی سفارت خانے میں ملٹری اتاشی ہیں) تو انہوں نے بتایا کہ ہوبوہم صاحب جرمن سفارت خانہ لندن میں نائب اتاشی برائے تجارت ہیں' اور عنقریب ان سے لندن میں ان کی ملاقات ہو گی۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ وہ مجھے بھی ہوبوہم صاحب سے ملائیں۔ چنانچہ یہ ملاقات ۲ جنوری ۱۹۸۲ء کو جناب ہوبوہم کے دولت خانے پر ہوئی' جہاں انہوں نے کرنل اور بیگم اسد درانی (یعنی میری ہمشیرہ رخشندہ درانی) کو اور مجھے چائے پر مدعو کیا تھا۔ اس ملاقات میں جناب ہوبوہم نے مجھے علامہ کے وہ دو خط دکھائے جن کا اصل مسودہ ان کے پاس محفوظ تھا۔ میں نے ان خطوط کی اہمیت ان پر جتائی اور کہا کہ ان سب خطوں کی اشاعت بے حد ضروری ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مرور زمانہ سے تلف ہو جائیں۔ میں نے کہا کہ عطیہ فیضی بھی تیس پینتیس سال تک اپنے نام اقبال کے خطوط کو پردۂ حجاب میں رکھے رہیں۔ لیکن بالآخر جب انہوں نے یہ خطوط' اور ان کے ساتھ اپنی ڈائری سے پس منظر کے اقتباسات' شائع کئے تو اس سے حیات اقبال کے بعض ایسے اہم گوشے منظر عام پر آئے' جو اس سے پیشتر پوشیدہ تھے۔ اسی طرح یہ بھی بہت ضروری ہے کہ مس ویگے ناسٹ کے نام ان کے خطوط شائع کئے جائیں۔

(جناب ہوبوہم سے میری ملاقات کا مختصر حال "افکار" (مارچ ۱۹۸۲ء) میں میرے مذکورہ بالا خط میں شائع ہو چکا ہے)۔۹۔

مجھے خوشی ہے کہ جناب ہوبوہم نے میری پر زور درخواست کو قابل اعتنا سمجھا اور اس ملاقات کے چار ماہ بعد' مذکورہ بالا تقریر میں اقبال اور جرمنی کے تعلقات پر ("نامہ و پیام دل کا" کے عنوان سے) روشنی ڈالی۔ علامہ کے دو خطوط بھی (زیر نظر مجموعے کے خطوط نمبر ۲ مورخہ ۲۳ اکتوبر ۱۹۰۷ء' اور نمبر ۵ مورخہ ۲ دسمبر ۱۹۰۷ء) وہ "دبستان علوم شرقی و افریقائی لندن" (SOAS) کی تقریب میں منظر عام پر لائے۔ اور جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے' انہوں نے یہ فیصلہ بھی کیا کہ ان خطوط کو کتابی صورت میں شائع کیا جائے۔۱۰۔

اب چند باتیں خطوں کے ترجمے کے بارے میں------ ان ستائیس خطوط میں پہلے سترہ خط جرمن زبان میں ہیں' اور آخری دس انگریزی زبان میں۔ اقبال نے جرمن زبان صرف چار پانچ مہینے میں سیکھی تھی۔ چنانچہ یہ بہت مبتدیانہ تھی' اور انہیں اس کا شدت سے احساس تھا۔ وہ بار بار اپنے خطوں میں لکھتے ہیں (مثلاً دیکھئے خط نمبر ۱۶' مورخہ ۱۱ مئی ۱۹۱۱ء جس میں وہ لکھتے ہیں کہ "میرے خطوط آپ کو اس خوفناک جرمن زبان کی وجہ سے جو میں لکھتا ہوں' کافی دل لگی کا سامان بہم پہنچاتے ہوں گے")۔ ان خطوط کے متن کی بڑے پیمانے پر لسانی تصحیح و تہذیب میری بیوی نے کی ہے' جو جرمن نژاد ہیں۔ اس کے بعد جرمن زبان میں لکھے گئے تمام خطوں کا انگریزی میں ترجمہ میری بیٹی انجم افروز نے کیا ہے' جو جرمن زبان پر مجھ سے زیادہ دسترس رکھتی ہیں۔ آخر میں ان خطوں کو اردو زبان کا جامہ میں نے پہنایا ہے۔ یہاں میں نے اس امر کا لحاظ رکھا ہے کہ اردو ترجمہ سہل ہو' اور تقریباً اسی سطح کا ہو جس پر اقبال نے جرمن میں خطوط لکھے تھے۔ تاہم میں نے بالعموم ان کی زبان و بیان کی غلطیوں سے درگذر کیا ہے۔ کیونکہ اقبال کی جرمن زبان سے نسبتہ" کم واقفیت پر معترض ہونا بالکل نامناسب ہے۔ ہاں میں نے حاشیے میں کہیں کہیں وضاحتی اشارات بھی دے دیئے ہیں۔۱۱۔

آخر میں، میں جناب محمد امان ہوبوہم کی دختر نیک اختر محترمہ شیریں ہوبوہم کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنھوں نے علامہ کے دستی مسودوں کو بڑی دقت نظر کے ساتھ پڑھا، اور ان کو ٹائپ بھی کیا ہے۔ موصوفہ کو جرمن زبان پر کامل عبور حاصل ہے۔ وہ SOAS سے ایم ایس۔ سی کر چکی ہیں، اور اردو بھی جانتی ہیں۔ یہ ٹائپ شدہ مسودہ جناب ہوبوہم نے مجھے نومبر ۱۹۸۲ء میں عطا کیا تھا۔

اب میں قارئین اور اقبال کے خطوط کے درمیان مزید حائل نہیں ہونا چاہتا، اور علامہ کے اس شعر پر اپنی بات ختم کرتا ہوں:

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا
غواص کو مطلب ہے صدف سے کہ گہر سے؟

(راقم الحروف: سعید اختر درانی) ۱۲

حواشی

۱۔ جناب ہوبوہم کا پورا نام Herr Muhammad Aman Herbert Hebohm ہے۔ "ہوبوہم" کا اردو تلفظ "ہوبوم" (بمطابق "دو موم") ہوگا۔ کتاب کی طبع اول میں میں نے غلطی سے محمد امان کے بجائے محمد امان اللہ لکھا تھا۔ (درانی، برمنگھم، ۲ فروری ۱۹۹۶ء)۔

۲۔ دیکھیے اس کتاب کا ساتواں مضمون، ص ۱۶۲ - ۱۶۵۔

۳۔ یہ مضمون زیر نظر کتاب میں بھی شامل ہے۔ (یعنی مضمون نمبر ۸)۔ دیکھیے ص ۱۶۶-۱۸۲۔

۴۔ طبع اول، Victory Printing Press، بمبئی، ۱۹۴۷ء۔ طبع ثانی، Aina-i-Adab، لاہور، ۱۹۶۹ء۔

۵۔ لیکن دیکھیے میرا حاشیہ نمبر ۲۱، مضمون ماقبل، اور دیباچہ کتاب (طبع اول) (درانی۔ ۲۳ مارچ ۱۹۸۵ء)۔

پس تحریر: لیکن اب کہ جناب ہوبوہم نے مجھے علامہ کے اصل خطوط کے عکس بہم پہنچائے ہیں، یہ معلوم ہوا ہے کہ دراصل ۲۷ مکتوبات میں دو نہیں بلکہ تین پوسٹ کارڈ شامل ہیں: یعنی نمبر ۳ (لندن، ۱۹ نومبر ۱۹۰۷ء)، نمبر ۱۷ (لاہور، ۲۳ (نہ کہ ۳) جولائی ۱۹۱۳ء)، اور نمبر ۲۷ (میڈرڈ، ۲۱ جنوری ۱۹۳۳ء)۔ یہ موخرالذکر مکتوب مس ویگے ناسٹ کے نام علامہ کی آخری معلوم تحریر ہے۔ یہ میڈرڈ سے لکھا ہوا ایک "جہازی سائز" کا پوسٹ کارڈ ہے۔

(درانی' برمنگھم' ۱۴ جون ۱۹۹۶ء)۔

۶۔ پس تحریر: جناب اسد درانی' لفٹیننٹ جنرل کی حیثیت سے ریٹائر ہونے کے بعد اب جرمنی میں پاکستان کے سفیر کبیر متعین ہیں۔ (درانی۔ اسلام آباد' ۸ دسمبر ۱۹۹۴ء)۔

۷۔ پس تحریر: یہ خاتون میرے دوست' اور زمانہ لاہور میں میرے ہم جماعت' شوکت عظیم کی ہمشیرہ تھیں۔ شوکت عظیم نے ساؤتھ ہیمپٹن یونیورسٹی' انگلینڈ' سے کیمسٹری میں پی ایچ ڈی حاصل کی۔ میں ان دنوں برطانیہ کے اٹامک انرجی کمیشن کے ساتھ منسلک تھا' اور یورن متھ میں مقیم تھا' جو ساؤتھ ہیمپٹن سے قریب پچیس میل پر واقع ہے۔ چنانچہ گاہے بگاہے (عشرۂ ۱۹۶۰ء کے اوائل میں) ان سے ملاقات رہتی تھی۔ افسوس ہے کہ پاکستان واپسی پر' جہاں وہ ایک مختصر عرصے کے لئے اٹامک انرجی سنٹر لاہور کے ڈائریکٹر مقرر ہوئے تھے' کار کے حادثے میں ان کا عین عالم نوجوانی میں ۱۹۶۳ء کے لگ بھگ انتقال ہو گیا۔ (درانی۔ فرائی برگ' جرمنی۔ ۱۵ اگست ۱۹۹۵ء)

۸۔ مطبوعہ آئینہ ادب' لاہور'۔ ۱۹۷۵ء

۹۔ مطبوعہ Lion Art Press' کراچی' ۱۹۶۵ء۔

۱۰۔ پس تحریر: بدقسمتی سے آج تک ہوبوہم صاحب کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکا۔ اس دوران وہ کئی سال تک سعودی عرب کے المانوی سفارت خانے میں متعین رہے' اور میرا ان سے رابطہ منقطع رہا۔ پھر اگست ۱۹۹۵ء میں جب میری بیوی اور میں جرمنی میں تعطیل منا رہے تھے اور چند روز کے لئے جنرل (ر) اسد درانی اور میری بہن درخشندہ درانی کے یہاں ٹھہرے ہوئے تھے' تو اسد نے بتایا کہ ہوبوہم صاحب ریٹائر ہو کر اب بون ہی میں مقیم ہیں۔ چنانچہ میری درخواست پر جمعہ ۱۸ اگست کی شب کو ہوبوہم صاحب اور ان کی بہت خلیق و جمیل (نو مسلم) جاپانی بیگم رات کے کھانے پر مدعو کئے گئے۔ وہاں میں نے ہوبوہم صاحب سے پوچھا کہ وہ ان اصل خطوط کو کب شائع کرنے والے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ سچ بات یہ ہے کہ اب نہ تو ان کے پاس وقت ہے' نہ طاقت اور نہ تحریک (Motivation) ہی کہ وہ انہیں شائع کریں۔ اس پر میں نے کہا کہ پھر یہ آپ مجھے کیوں عطا نہیں کر دیتے' کہ میری کتاب کا دوسرا ایڈیشن انہی دنوں تیاری کے مراحل میں ہے۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ آپ بخوشی یہ لے لیں' اگرچہ اب یہ بہت بوسیدہ اور سیاہ فام ہو چکے ہیں۔ تو قارئین یہ ہے پس منظر ان اصل خطوط کے اس طبع ثانی میں شائع ہونے کا۔ مزید تفصیل دیباچہ طبع ثانی میں دی جا رہی ہے۔ (درانی۔ برمنگھم' ۲۶ نومبر ۱۹۹۵ء)

۱۱۔ ان خطوط کا جرمن اور انگریزی متن ضمیمہ نمبر۶ میں دیکھئے' جہاں مس ہوہوہم کے ٹائپ شدہ مسودے کے عکس درج کیے گئے ہیں۔ سوائے خطوط نمبر۲ اور ۵' جو میری بیوی نے ٹائپ کیے ہیں' اور جن کے مخطوطوں کے عکس جناب ہوہوہم صاحب نے مہیا کیے تھے۔ (درانی۔ ۲۳ مارچ ۱۹۸۵ء)

۱۲۔ پس تحریر: یہ تمام مضمون اولاً مجلہ "افکار" کراچی بابت سن ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا تھا' اور کتاب ہذا کی طبع اول میں (سوائے تصحیح اغلاط کے) من و عن شامل کیا گیا تھا۔ اس کے بعد مس ویگے ناسٹ اور ان کے خاندان کے بارے میں میں نے اپنے جرمنی کے دورہ ہائے ۱۹۸۳ء و ۱۹۸۸ء کے دوران کافی مفصل تحقیقات کیں۔ جن کے نتائج میں نے "افکار" کراچی میں شائع کر دیئے (دیکھئے شمارہ جات بابت اپریل تا جون ۱۹۸۸ء و نیز نومبر و دسمبر ۱۹۸۹ء)' اگرچہ ۱۹۸۳ء کے دورے کے نتیجے میں اقبال کے ان خطوط کے اصل متون Transcripts کی کتاب ہذا میں اشاعت کے پس منظر کا بیان اس کتاب کے دیباچے (طبع اول) میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ اب یہ تمام حالات و انکشافات (مع کچھ دیگر مضامین کے) میری کتاب "نوادر اقبال یورپ میں" میں شامل کر دیئے گئے ہیں' جو اقبال اکادمی پاکستان کے یہاں سے عن قریب شائع ہونے والی ہے۔ (درانی۔ فرائی برگ' برمنو' ۱۵ اگست ۱۹۹۵ء)

پس تحریر مکرر: یہ کتاب بالآخر ۹ نومبر ۱۹۹۵ء کو لاہور سے شائع ہو گئی۔ اور دسمبر ۹۵ء / جنوری ۹۶ء میں دہلی' راول پنڈی' اسلام آباد' اور لاہور میں اس کی رسوم اجراء سرانجام پائیں۔ اور بعدا" لندن میں (بروز ۱۲ جولائی ۱۹۹۶ء) بھی۔ (درانی۔ برمنگھم' ۶ فروری ۱۹۹۶ء' و ۱۹ ستمبر ۱۹۹۶ء)

ترجمۂ خطوط بنام مس ایماویگے ناسٹ[۱]

خط نمبر۱

اقامت خانہ تھُرنر
۲۱۔ شیلنگ سٹراسے[۲]
میونخ
۱۶ اکتوبر ۱۹۰۷ء

(جرمن سے ترجمہ)

عزیزۂ من فرائیلائین[۳]، ویگے ناسٹ

مجھے آپ کا کارڈ مل گیا ہے۔ یہ بات قابل افسوس ہے کہ جرمن زبان سے میری محدود واقفیت ہمارے درمیان ایک دیوار کی طرح کھڑی ہے۔

اگر میرے خطوط مختصر ہوں، تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ میرے پاس لکھنے کو کچھ نہیں ہے، بلکہ یہ کہ میرا ذریعۂ اظہار ناقص ہے۔ مزید برآں میں نہیں چاہتا کہ اپنی ٹوٹی پھوٹی جرمن سے آپ کی طبیعت خراب کروں۔ لیکن یہ رکاوٹ آپ کے لئے موجود نہیں، چنانچہ مجھے آپ سے مکمل اظہار کی امید ہے۔

میں نے اخبار میں ایک اشتہار دے دیا ہے کہ مجھے ایک اچھی استانی کی ضرورت ہے۔ یہ افسوس کی بات ہے کہ ہائیڈل برگ کے قیام کے دوران میں نے جرمن لکھنے کی مشق نہ کی۔ یہ وہ پہلی تحریر ہے جو میں اس زبان میں لکھ رہا ہوں۔

خزاں کی دھیمی اور نم آلود ہوا بڑی خوشگوار ہے۔ موسم بڑا خوبصورت ہے، لیکن افسوس کہ ہر حسین چیز کی طرح یہ بھی بے دوام[۴] ہے۔

براہ کرم جلد (خط)[۵] لکھیے۔

خدا حافظ
آپ کا دوست
ایس۔ ایم۔ اقبال

۴

اقامت خانہ تھرز ۶ے
۴۱- شیلنگ سٹراسے
میونخ-
۲۳ اکتوبر ۷ء۰

(جرمن سے)

عزیزۂ من فرائیلائن ویگے ناسٹ

یہ آپ کا بڑا کرم تھا کہ آپ نے (خط) لکھا' لیکن بہت مختصر- میں اس وقت تک آپ کو نہیں لکھوں گا' جب تک آپ مجھے وہ خط نہیں بھیجتیں' جو آپ نے پھاڑ ڈالا ہے- یہ بڑی بے رحمی ہے- آپ ہائیڈل برگ میں تو ایسی نہیں تھیں- شاید ہائیل برون (Heilbronn) کی آب و ہوا نے آپ کو بے مہر بنا دیا ہے-

میں زیادہ لکھنا چاہتا تھا' مگر------- وہ خط- آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ میرا خط پھاڑ ڈالیں-۷ے

آپ کا بہت مخلص ۸ے
ایس- ایم- اقبال

نوٹ- لفافے پر یہ پتا لکھا ہے:

Frl. Emma Wegenast
Louisen Strasse
Heilbronn

ڈاک کے ٹکٹ پر میونخ کی مہر ہے-

۳

اقامت خانہ تھرز

۱۴۱۔ شیلنگ سٹراسے

میونخ (جرمن سے)

۲۷ اکتوبر ۱۹۰۷ء

عزیزہ من مس ۹۔ ویگے ناسٹ

میں آپ کے خط کے لئے شکر گزار ہوں۔ مجھے میونخ بڑا پسند آیا ہے۔ جناب رائیز ۱۰۔ نے یہاں اپنی ایک جاننے والی کو لکھا تھا' اور انہوں نے میرے لیے ایک استانی ڈھونڈ لی ہے۔ اگرچہ (اس مکان میں) جرمن زبان بولنے کا کوئی موقع میسر نہیں آتا' تاہم میں اپنی دونو استانیوں کے ساتھ کافی گفتگو کر لیتا ہوں۔ کل ہم لوگ ایک نمائش ہنر ۱۱۔ دیکھنے کے لئے گئے۔ وہاں اتنی بہت خوبصورت تصویریں ہیں کہ انسان خود کو ایک دنیائے خواب میں محسوس کرتا ہے۔ ہم نے وہاں دو گھنٹے گزارے' اور میری استانی' جو آرٹ کی سمجھ رکھتی ہیں' میرے لئے ایسی باتوں کی وضاحت کرتی رہیں' جن سے میں اس سے پہلے بے خبر تھا۔

کل مجھے محترمہ پروفیسر صاحبہ کا خط موصول ہوا' انہیں جناب رائیز سے اطلاع ملی تھی کہ میں اس اقامت خانے سے خوش نہیں ہوں۔ میں نے انہیں لکھا ہے کہ جو شخص اقامت خانہ شیرر ۱۲۔ میں رہ چکا ہو' اسے اور کوئی اقامت گاہ پسند نہیں آسکتی۔

آج میں باہر نہیں نکل سکتا' موسم خوشگوار نہیں ہے۔ براہ کرم میری بھدی جرمن زبان کا برا مت مانیئے' اور نہ اس کا جو میں نے اپنے پہلے خط میں لکھا تھا۔ امید ہے کہ آپ بالکل بخیریت ہوں گی۔ مجھ میں سوچنے اور صحیح زبان لکھنے کی شکیبائی ۱۳۔ نہیں ہے۔

آپ کا دوست

ایس ایم اقبال

۴

لندن

۱۲ نومبر ۷ء ۹ (جرمن سے)

عزیزۂ من مس ویگے ناسٹ

مجھے آپ کا خط مل گیا ہے۔ لیکن میں ابھی تک جم کر نہیں بیٹھ سکا ہوں۔ ۱۱؎
ٹھہر کر لکھوں گا۔

دلی نیک تمنائیں

اقبال ۱۵؎

۵

معرفت طامس کک اینڈ سن ۱۶؎

لڈگیٹ سرکس (جرمن سے)

لندن

۲ دسمبر ۷ء ۹

عزیزۂ من فرائیلائین ایما

مجھے آپ کا خط وصول ہو گیا ہے۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ میں اپنی جرمن زبان بھول گیا ہوں ـــــ میں بہت مصروف تھا۔ اور زیادہ نہ سیکھ سکا۔ ۱۷؎ آپ انگریزی کیوں نہیں سیکھتیں؟ ـــــ میرے لئے آپ کو لکھنا، اور اپنے دل کی بات کہنا بہت آسان ہو جائے گا۔

میرا خیال تھا کہ میں ہائیل برون Heilbronn کے رستے سفر کر سکوں گا۔ ۱۸؎ لیکن یہ ممکن نہ ہوا۔ میرے لئے یہ قطعی لازم تھا کہ میں پانچ نومبر کو لندن میں ہوں۔ پروفیسر آرنلڈ مصر گئے ہیں، اور میں عربی کا پروفیسر مقرر ہوا ہوں۔ میرے ذمے ہفتے میں دو لکچر ہیں۔

میں زیادہ لکھ یا کہہ نہیں سکتا۔۔۔۔ آپ تصور کر سکتی ہیں کہ میری روح (؟) میں کیا ہے۔ میری بہت بڑی خواہش یہ ہے کہ میں دوبارہ آپ سے بات کر سکوں اور آپ کو دیکھ سکوں۔۔۔ لیکن میں نہیں جانتا کہ کیا کروں۔ جو شخص آپ سے دوستی کر چکا ہو' اس کے لئے ممکن نہیں کہ آپ کے بغیر وہ جی سکے۔ براہ کرم میں نے جو لکھا ہے اس کے لئے مجھے معاف فرمایئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ اس قسم کے اظہار جذبات کو پسند نہیں کرتیں۔

براہ کرم جلد لکھیئے اور سب کچھ۔ یہ اچھا نہیں ہے کہ کسی شخص کا کچھ بگاڑا ۱۹۔ (؟) جائے جو آپ کا کچھ نہیں بگاڑتا ۲۰۔ (؟)

آپ کا مخلص ۲۱۔
ایس ایم اقبال

۶

معرفت طامس کک اینڈ سن (جرمن سے)
لڈگیٹ سرکس
لندن ای۔ سی
۲۱ جنوری ۲۲۔ ۰۸ء

میری عزیزہ مس ایما' ۲۳۔

کیا آپ یہ سمجھتی ہیں کہ میں تغافل شعار ہوں؟ یہ بالکل ناممکن ہے۔۔۔۔۔ جب آپ کا پچھلا خط پہنچا تو میں بڑا بیمار تھا' اور اس نے مجھے اور بھی بیمار کر ڈالا۔ کیونکہ آپ نے لکھا تھا کہ آپ نے بڑے طوفانوں میں سے گزرنے کے بعد اپنی طمانیت قلب ۲۴۔ دوبارہ حاصل کر لی ہے۔ میں یہ سمجھا کہ آپ میرے ساتھ مزید خط و کتابت نہیں کرنا چاہتیں' اور اس بات سے مجھے بڑا دکھ ہوا۔ اب مجھے پھر آپ کا خط موصول ہوا ہے' ۲۵۔ اور اس سے مجھے بڑی مسرت ہوئی ہے۔ میں ہمیشہ آپ کے بارے میں سوچتا رہتا ہوں۔ اور میرا دل ہمیشہ بڑے خوبصورت خیالوں سے معمور رہتا

ہے!

ایک شرارے سے ایک شعلہ اٹھتا ہے۔ اور ایک شعلے سے ایک بڑا الاؤ روشن ہو جاتا ہے! لیکن آپ سرد مہر ہیں' غفلت شعار ہیں۔ آپ جو جی میں آئے کیجئے۔ میں بالکل کچھ نہ کہوں گا' اور ہمیشہ صابر و شاکر رہوں گا۔

شاید جب میں ہندوستان کو روانہ ہوں گا' تو آپ سے ملاقات کر سکوں گا۔ میں اپنی جرمن تمام تر بھول چکا ہوں۔ آپ انگریزی کیوں نہیں سیکھ لیتیں؟

آپ کا

اقبال

۷

معرفت طامس کک اینڈ سن (جرمن سے)

لڈگیٹ سرکس

لندن ای سی

۲۵ جنوری ۲۶۔ ۱۹۰۸ء

عزیزۂ من مس ویگے ناسٹ

میں آپ کی تصاویر کے لئے ہزار گونہ شکریہ ادا کرتا ہوں' جو آج شام مجھے موصول ہوئیں۔ یہ آپ کی بڑی کرم فرمائی ہے۔ دونوں تصویریں بڑی خوبصورت ہیں' اور وہ ہمیشہ میرے مطالعے کے کمرے میں میری میز پر رہیں گی۔ لیکن یہ مت باور کیجئے کہ وہ صرف کاغذ ہی پر نقش ہیں۔ بلکہ وہ میرے د-----۲۷ء میں بھی جا پذیر ہیں۔ اور تادوام رہیں گی۔

شاید میرے لئے یہ ممکن نہ ہو گا کہ میں دوبارہ آپ کو دیکھ پاؤں------ لیکن میں یہ ضرور تسلیم کرتا ہوں کہ آپ میری زندگی میں ایک حقیقی قوت بن چکی ہیں۔ میں آپ کو کبھی فراموش نہ کروں گا۔ اور ہمیشہ آپ کے لطف و کرم کو یاد رکھوں گا۔

میں اپنی جرمن زبان بالکل بھول چکا ہوں۔ آپ ہی کیوں انگریزی نہیں سیکھ

لیتیں؟------ یوں ہم ایک دوسرے کی بات بہتر سمجھ سکیں گے۔ براہ کرم جلد خط لکھئے------ جونہی میری فوٹوگراف بنتی ہے' میں بھی آپ کو اپنی تصویر بھیج دوں گا۔
خدا حافظ میری عزیزہ مس ایما۔ اور ہمیشہ جانئے:

آپ کا

ایس۔ ایم۔ اقبال

(لفافے پر پس تحریر: میں دونو تصویریں اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں۔)

۸

معرفت طامس کُک اینڈ سن
لڈگیٹ سرکس
لندن ای۔ سی
۲۶ فروری ۰۸ء

(جرمن سے)

عزیزۂ من مس ویگے ناسٹ

میں ہر چیز کے لئے معذرت خواہ ہوں------ مجھے اس قدر مصروفیت رہی کہ میں آپ کو خط نہیں لکھ پایا ہوں۔ آپ ایسی فرشتہ خصلت ہیں کہ میں امید رکھتا ہوں کہ آپ مجھے معاف کر دیں گی۔ آج شام بھی مجھے ایک لیکچر دینا ہے------ "تصوف"۔ چند روز ہوئے مجھے محترمہ پروفیسر صاحبہ کا خط موصول ہوا۔ ۱۲۔ ان کا ایک فرانسیسی طالب علم لندن میں تھا' اور ہم دونوں نے مل کر محترمہ پروفیسر صاحبہ کو ایک خط لکھا۔ آپ انگریزی کیوں نہیں سیکھ لیتیں؟ مجھے آپ کے کانوں کو اپنی بھونڈی جرمن سے مورد توہین بنانے پر شرم آتی ہے —— بہر حال میں اس خط و کتابت کو جرمن زبان کے سبق لینے کا ایک بہانہ سمجھتا ہوں۔ سو آپ مجھے اب تک درس دے رہی ہیں۔

میں جولائی کے اوائل میں ہندوستان لوٹ رہا ہوں اور میری تمنا ہے کہ اپنے سفر سے پیشتر☆ آپ سے ملنے کا موقع مجھے حاصل ہو سکے گا۔ میں پوری کوشش کروں گا

☆ طبع دوم میں شامل اقبال کے دستی خطوط سے اب واضح ہوتا ہے کہ اس قسم کی زیریں لکیروں (Under lining) کا کیا مطلب ہے۔ یعنی یہ نشان زدہ مواد کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے لیے تھیں۔ (درانی، ۱۸/ اکتوبر ۲۰۰۲ء)۔

کہ چند روز کے لئے ہائیڈل برگ آ سکوں۔ لیکن اگر ممکن ہو تو کیا آپ پیرس میں مجھ سے مل سکتی ہیں؟ آپ ہائیڈل برگ کب آئیں گی؟ ۲۸۔ جناب رائیز (Herr Reiner) کہاں ہیں؟ وہ مجھے بالکل خط نہیں لکھتے۔ میں دو مرتبہ انہیں لکھ چکا ہوں۔ شاید وہ بے حد مصروف ہیں۔ آپ تمام دن کیا کرتی ہیں؟ کیا آپ مطالعہ کرتی ہیں' یا سہیلیوں کے ساتھ وقت گزارتی ہیں؟

آپ کی تصویر میری میز پر رکھی ہے' اور ہمیشہ مجھے ان سہانے وقتوں کی یاد دلاتی ہے' جو میں نے آپ کے ساتھ گزارے تھے۔

ایک تسبیحِ خیالاتِ خوش آیند کے ساتھ
آپ کا
ایس ایم اقبال

۹

معرفت طامس کک اینڈ کمپنی (جرمن سے)
لڈ گیٹ سرکس
لندن ای۔ سی
۳ جون ۱۹۰۸ء

عزیزۂ من مس ویگے ناسٹ

مجھے آپ کا خط پہنچا' اور میں فوراً جواب لکھ رہا ہوں۔ شاید آپ کو میرا جواب موصول نہیں ہوا ہے۔ آپ کے پوسٹ کارڈ کے لئے بے حد شکریہ.....

براہ کرم جلد لکھئے اور مجھے بتایئے کہ آپ کیا کر رہی اور سوچ رہی ہیں؟ آپ میرے خط کا انتظار کیوں کرتی ہیں؟ میں ہر روز آپ سے اطلاع پانے کی آرزو رکھتا ہوں۔ مس فیضی ۲۹۔ اپنی بہن اور برادر نسبتی کے ساتھ یہاں ہیں' جو کہ ایک ہندوستانی نواب ۳۰۔ ہیں۔ میں چند روز ہوئے ان سے ملنے گیا تھا۔ وہ بخیریت اور بڑی خوش و خرم ہیں۔ شاید وہ جرمنی جائیں گی۔

میں بہت مصروف ہوں۔۔۔۔ جلد انگلستان سے رخصت ہو رہا ہوں' آغاز جولائی میں۔۔ مجھے معلوم نہیں کہ آیا میرا جرمنی کے رستے سفر کرنا ممکن ہو گا یا نہیں۔ یہ میری بہت بڑی تمنا ہے کہ میں ہندوستان لوٹنے سے پہلے آپ سے ملاقات کر سکوں۔ بے رحم نہ بنئے۔۔۔ پلیز۳۱۔ جلد خط لکھئے اور تمام احوال بتائیے۔ میرا جسم یہاں ہے' میرے خیالات جرمنی میں ہیں۔ آج کل بہار کا موسم ہے۔ سورج مسکرا رہا ہے۔ لیکن میرا دل غمگین ہے۔ مجھے کچھ سطریں ۳۲۔ لکھئے۔ اور آپ کا خط میری بہار ہو گا۔ میرے دل غمگیں میں آپ کے لئے بڑی خوبصورت سوچیں ہیں' اور یہ خاموشی سے ایک کے بعد ایک آپ کی طرف روانہ ہوتی ہیں۔ یہ ہیں آپ کے لئے میری تمنائیں۔

آپ کا

اقبال

۱۰

معرفت طامس کک اینڈ سن (جرمن سے)

لڈگیٹ سرکس

لندن ای۔ سی

۱۰ جون ۰۸ء

عزیزۂ من مس ویگے ناسٹ

میں آپ کو پہلے لکھ چکا ہوں' اور آپ کے خط کا منتظر ہوں۔ مع ہذا میں اپنی ایک تصویر ملفوف کر رہا ہوں۔ شاید میں ایک اور تصویر آپ کو بھیجوں گا۔

آپ کا

ایس۔ ایم۔ اقبال

پس تحریر: میں ۲ جولائی کو ۳۳۔ ہندوستان روانہ ہو رہا ہوں۔ اور وہاں سے خط لکھوں گا۔

۱۱

(جرمن سے)

۴۹۔ اےلشم روڈ

کینسنگٹن غرب

لندن ۳۴۔

۲۷ جون ۰۸ء

عزیزۂ من مس ایما

میں نے اپنی سی پوری کوشش کی ہے کہ جرمنی کے رستے سفر کر سکوں' لیکن یہ ممکن نہیں ہے۔ میں تین جولائی ۳۵۔ کو انگلستان سے روانہ ہوں گا۔ اور چند روز پیرس میں رکوں گا' جہاں مجھے کچھ کام ہے۔

براہ کرم فوراً" لکھیے۔ میں ہندوستان روانہ ہونے سے پہلے آپ کا خط پانے کا متمنی ہوں۔ میں اگلے سال یورپ واپس آنے اور آپ سے ملنے کی امید رکھتا ہوں۔۳۶۔ مت بھولئے گا کہ اگرچہ کئی ملک اور سمندر ہمیں ایک دوسرے سے جدا کریں گے' پھر بھی ہمارے درمیان ایک غیر مرئی رشتہ قائم رہے گا۔ میرے خیالات ایک مقناطیسی قوت کے ساتھ آپ کی طرف دوڑیں گے' اور اس بندھن کو مضبوط بنائیں گے۔ ہمیشہ مجھے لکھتی رہیے گا' اور یاد رکھیے گا کہ آپ کا ایک سچا دوست ہے' اگرچہ وہ فاصلۂ دراز پر ہے۔ جب دل ایک دوسرے کے قریب ہوں' تو فاصلہ کچھ معنی نہیں رکھتا۔

براہ کرم فی الفور لکھیے۔

آپ کا

ایس۔ ایم۔ اقبال

پس تحریر: مجھے جناب خنفر ۳۷۔ کی بیماری کا سن کر بڑا افسوس ہوا ہے۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ صحت کا خیال رکھیں۔

۱۴

سیالکوٹ شہر ۳۸۔ (جرمن سے)

ہندوستان

۳ ستمبر ۰۸ء

عزیزۂ من مس ویگے ناسٹ

میں یہاں پہنچ گیا ہوں۔ یہ بہت ہی افسوس کی بات ہے کہ میں انگلستان سے رخصت ہونے سے پہلے آپ سے مل نہ سکا۔ براہ کرم جلد لکھئے کہ آپ ان دنوں کیا کر رہی ہیں۔ میں نے اپنے پیشے کا آغاز لاہور میں کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ وہ ایک وکیل کے لئے اچھی جگہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ ہائیڈل برگ میں ہوں گی۔ براہ کرم جناب اور محترمہ پروفیسر صاحبان کو میرا سلام دیجئے گا۔ اور جب آپ لوگ ایک ساتھ ہوں، تو مجھے یاد کیجئے گا۔

یہاں بڑی بارش ہوئی ہے۔۳۹۔ ہر طرف پانی ہی پانی ہے، اور مزید کی توقع ہے۔

میں اپنی ساری جرمن زبان بھول گیا ہوں، لیکن مجھے صرف ایک لفظ یاد ہے----- ایما۔

آپ کا

ایس۔ ایم۔ اقبال

۱۳

(جرمن سے)

لاہور ۴۰؎

(ہندوستان)

۱۱ جنوری ۰۹ء

عزیزہ من مس ایما

آپ کے پر تلطف خط کے لئے بے حد شکریہ۔ یہ آپ کا بڑا کرم ہے کہ آپ نے مجھے لکھا، اور مجھے یاد رکھا، جب کہ میں جرمنی سے اس قدر دور ہوں۔ مجھے ہائیڈل برگ سے آپ کا کوئی خط موصول نہیں ہوا۔ شاید آپ کا خط گم ہو گیا ہے۔ اور مجھے یہ جان کر بڑا افسوس ہوا ہے کہ میرا خط (بھی) راستے میں گم ہو گیا ہے۔

جب میں ہندوستان پہنچا، تو میرے ہم وطنوں نے مجھے بہت بڑا اعزاز بخشا۔ میرے لئے اسے لفظوں میں بیان کرنا ناممکن ہے۔ ملک کے ہر گوشے سے مجھے چالیس کے قریب نظمیں بھیجی گئیں، دوستوں اور دوسرے لوگوں کی طرف سے خوش آمدید کے طور سے۔ جب میں لاہور پہنچا تو لوگوں نے مجھے سونے کا ہار دیا، جو میرے سر پر پہنایا گیا۔ بمبئی سے لے کر لاہور اور سیالکوٹ تک ہر اسٹیشن پر ہزارہا لوگ جمع تھے۔ جہاں میں نے دیکھا کہ بہت سے لڑکے اور بڑے ۴۱؎ رستے کے اسٹیشنوں پر ۴۲؎ میری اپنی نظمیں گا رہے تھے۔

مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ جب میں گھر پہنچا تو میرے والدین بالکل باصحت تھے۔ میری بہن اور والدہ بڑی مسرور ہیں کہ اب میں ان کے پاس ہوں۔

میں اب لاہور میں ہوں۔ اور یہاں ایڈووکیٹ کے طور سے کام کر رہا ہوں۔ یہ میرے لئے ممکن نہیں کہ میں کبھی آپ کے خوبصورت وطن کو بھول سکوں، جہاں میں نے بہت کچھ سیکھا۔ اور ــــــــ براہ کرم ہمیشہ مجھے لکھتی رہئے گا..... شاید ہم دوبارہ جرمنی یا ہندوستان میں ایک دوسرے سے مل سکیں۔ کچھ عرصے بعد جب میرے پاس کچھ پیسے جمع ہو جائیں گے تو میں یورپ میں اپنا گھر بناؤں گا۔ یہ میرا تصور ۴۳؎ ہے۔

اور میری تمنا ہے کہ یہ سب پورا ہو گا۔ ۴۴؎

جناب خاؤبال ۴۵؎ کے انتقال کی خبر سن کر بڑا افسوس ہوا۔ شاید آپ کو یاد ہو گا کہ میں نے ان کی صحت کے بارے میں ان سے کئی بار تذکرہ کیا تھا۔

براہ کرم اپنے اس دوست کو مت بھولئے جو آپ کو ہمیشہ اپنے دل میں رکھتا ہے ۴۶؎ اور جو آپ کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ ہائیڈل برگ میں میرا قیام مجھے ایک خوبصورت خواب سا لگتا ہے' اور میں اس خواب کو دہرانا چاہتا ہوں۔ کیا یہ ممکن ہے؟ آپ خوب (بہتر؟) جانتی ہیں۔

دلی نیک خواہشات کے ساتھ

آپ کا

ایس۔ ایم۔ اقبال

بار۔ ایٹ۔ لاء

(لاہور)

(ہندوستان)

۱۴

لاہور　　　　جرمنی بالائے کُل ۴۷؎　　　　(جرمن سے)

(ہندوستان)

۲۰ جولائی ۹ء

عزیزۂ من فرایلائین ۴۸؎ ایما

یہ آپ کی بڑی نوازش ہے کہ آپ نے مجھے لکھا ہے۔ مجھے آپ کا خط پا کر (ہمیشہ) بہت ہی مسرت ہوتی ہے۔ اور میں بے تابی سے اس وقت کا منتظر ہوں' جب میں دوبارہ آپ کے وطن میں آپ سے مل سکوں گا۔ براہ کرم مجھے پتہ ہمیشہ لکھتی رہئے۔ مجھے جرمنی بہت پسند ہے۔۔۔۔ اس نے میرے آدرشوں ۴۹؎ پر بہت اثر کیا ہے۔ اور میں جرمنی میں اپنا قیام کبھی فراموش نہ کروں گا۔ میں یہاں بالکل اکیلا رہتا

ہوں' اور خود کو بڑا غمگین پاتا ہوں۔ ہماری تقدیر ہمارے اپنے ہاتھوں میں نہیں ہے۔ ایک ایسی عظیم قوت ہے جو ہماری زندگیوں کو منظم کرتی ہے۔ محترمہ پروفیسر صاحب' جناب پروفیسر صاحب' اور تمام خواتین و حضرات کو میں ہمیشہ اپنے دل میں رکھتا ہوں۔ آہ! وہ دن جب میں جرمنی میں تھا!

مس فیضی بمبئی میں ہیں۔ ان کی والدہ انتقال کر گئی ہیں' اور وہ بہت غم زدہ ہیں۔ اب وہ کچھ بہتر ہیں۔ بعض اوقات میں خود کو بالکل تنہا محسوس کرتا ہوں۔ اور میرے دل میں یورپ' اور بالخصوص جرمنی کو دوبارہ دیکھنے کی بڑی آرزو پیدا ہو جاتی ہے۔ براہ کرم مجھے اپنے دل اور اپنی یادوں میں ایک چھوٹی سی جگہ دیجئے گا۔

آپ کا دوست

ایس۔ ایم۔ اقبال

بار۔ ایٹ۔ لاء

۱۵

لاہور (جرمن سے)

ہندوستان

۲۲ ستمبر ۱۰ء

عزیزہ من مس ویگے ناسٹ

مجھے آپ کا نوازش نامہ موصول ہو گیا ہے' جس کے لئے میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آج ڈاک کا دن ہے۔۵۰۔ لیکن بد قسمتی سے میں بہت مصروف ہوں۔

اگلے ہفتے میں آپ کو ایک طویل (ت) خط لکھوں گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ممکن ہو گا۔

یہ پوستین ایک تبتی بھیڑ کی ہے۔۵۱۔ یہ دراصل ایک اوور کوٹ کے کالر اور بازوؤں کے لئے ہے۔

دلی نیک تمناؤں کے ساتھ

محمد اقبال

بار ایٹ لاء

لاہور (ہندوستان)

۴۷

لاہور (جرمن سے)

۱۱ مئی ۱۹۱۱ء

عزیزہ من فرائیلائین ۵۲۔ ویگے ناسٹ

آپ کا خوبصورت، پوسٹ کارڈ مجھے مل گیا ہے اور اس کے لئے میں آپ کو اپنے دلی تشکرات بھیجتا ہوں۔ میری بڑی تمنا ہے کہ جرمنی کو دوبارہ سفر کروں تاکہ آپ سے مل سکوں۔ اور (=مگر) میں نہیں جانتا کہ یہ کس دن ممکن ہو سکے گا۔ "لیکن میرے خطوط آپ کو اس "ظالم" ۵۳۔ جرمن زبان کی وجہ سے' جو میں لکھتا ہوں' کافی دل لگی کا سامان بہم پہنچاتے ہوں گے۔

وہ خوبصورت ثائیاں ۵۴۔ مجھے مل گئی تھیں۔ اور میں بے حد شرمندہ ہوں کہ میں اس قدر مصروف تھا کہ آپ کو لکھ نہ سکا' اور اپنا شکریہ نہ بھیج سکا۔

جب آدمی کوئی زبان نہیں لکھ سکتا' تو اس کا قلم ۵۵۔ بہت دل شکستہ ۵۶۔ ہوتا ہے۔ اور ایسے انسان کے لئے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ اپنے شکریے کا پورا اظہار کر سکے۔ میرے پاس بالکل وقت نہیں ہے کہ اپنی جرمن صحیح کر سکوں۔ براہ کرم میری غلطیوں کو معاف فرمایئے' لیکن مہربانی کر کے ایک طویل خط لکھئے۔ مجھے امید ہے کہ محترمہ پروفیسر صاحبہ بخیریت ہوں گی۔

آپ کا دوست

محمد اقبال

۱۷

(جرمن سے)

آپ کے خط کے لئے بہت شکریہ۔ براہ کرم مجھے لکھئے کہ آپ کیسی ہیں؟ ان دنوں لاہور میں بے حد گرمی ہے۔ ہم ایک دوزخ میں رہ رہے ہیں۔ میں جرمنی کو کبھی نہ بھول سکوں گا۔

اقبال

۲۴ جولائی ۱۹۱۲ء

محترمہ پروفیسر صاحبہ کا کیا حال ہے؟ میرے خیال میں گھر بھرا ہوا ہوگا ۵۷۔ یہ دلی کی جامع مسجد ہے۔۵۸۔

۱۸

لاہور (انگریزی سے ترجمہ ۵۹۔)

۳۰ جولائی ۱۳ء

ڈیر مس ۶۰۔ ویگے ناسٹ

مجھے آپ کے والد صاحب کی وفات کی پر ملال خبر سن کر بے انتہا صدمہ ہوا ہے۔ اور اگرچہ میرا خط اس افسوس ناک سانحے کے بہت دنوں بعد آپ تک پہنچے گا' تاہم اس اندوہناک نقصان میں آپ کے ساتھ مجھے جو ہمدردی ہے' اس کی شدت کو نہ وقت کم کر سکتا ہے' نہ فاصلہ۔ اس خبر سے مجھے حقیقتہً" بے حد دکھ ہوا ہے' اور میں خدائے تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس بزرگ اور قابل احترام ہستی پر اپنے انعام و اکرام کی بارش کرے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔۶۱۔ یہ وہ آیتِ مقدسہ ہے' جو ہم کسی کی وفات کی خبر سن کر پڑھتے ہیں۔ اور آپ کا غم اندوز خط پڑھ کر میں نے یہ آیت بار بار دہرائی۔ ایسے سانحات ہر شخص کی زندگی میں ضرور رو پذیر ہوتے ہیں۔ اور یہ لازم ہے کہ ہم اپنے مصائب کا مقابلہ اسی پامردی سے کریں' جیسا کہ ان لوگوں

نے کیا جن کی زندگیاں ہمارے لئے شمع ہدایت ہیں۔

آپ کو یاد ہو گا کہ گوئٹے نے اپنے لحہ موت میں کیا کہا تھا: "مزید روشنی"۔ موت مزید روشنی کی طرف ایک نئی راہ وا کرتی ہے' اور ہمیں ان مقامات تک لے جاتی ہے جہاں ہم ابدی حسن و صداقت کے روبر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مجھے وہ وقت بخوبی یاد ہے' جب میں نے گوئٹے کی شاعری آپ کے ساتھ پڑھی۔ اور مجھے امید ہے کہ آپ کو بھی وہ ایامِ خوش یاد ہوں گے' جب ہم روحانی طور سے ایک دوسرے کے اس قدر قریب تھے۔ اور میں محسوس کرتا ہوں کہ ہم اب بھی ایک دوسرے کے قریب ہیں۔۔۔ یہاں تک کہ میں روحانی لحاظ سے آپ کا شریکِ غم ہوں۔

جب آپ کا خط لکھنے کو جی چاہے' تو براہ کرم مجھے ضرور لکھئے۔ کاش کہ میں جرمنی میں ہوتا' تاکہ اپنی ہمدردی میں ذاتی طور سے آپ تک پہنچا سکتا۔

فی امان اللہ ۶۲؎

ہمیشہ آپ کا ۶۳؎

محمد اقبال' ایڈووکیٹ

لاہور

۱۹

(انگریزی سے)

لاہور

۷ جون ۱۹۱۴ء

عزیزہ من فرائیلائین ۶۴؎ ویگے ناسٹ

کچھ عرصہ ہوا مجھے آپ کا خط ملا تھا۔ جسے پا کر مجھے بے حد خوشی ہوئی تھی۔ بدقسمتی سے علالت کی وجہ سے میں اس سے پہلے' اس کے جواب سے عہدہ برآ نہیں ہو سکا۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ میں آپ کو آپ کی خوبصورت جرمن زبان میں نہیں لکھ سکتا ہوں' جو مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ میں اب بالکل بھول چکا ہوں۔ سوائے اس کے کہ میں اپنے جرمن احباب کے خطوط پڑھ اور سمجھ سکتا

ہوں۔ اگلے روز میں ہائنے ۶۵؎ کا مطالعہ کر رہا تھا' اور مجھے وہ پر مسرت دن یاد آ گئے جب ہائیڈل برگ میں محترمہ پروفیسر صاحبہ کے یہاں ہم دونو اس کو ایک ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ وہ کیا اچھی بزرگ خاتون ۶۶؎ تھیں! امید ہے کہ وہ بخیریت ہوں گی۔ اگر آپ کی ان سے کہیں ملاقات ہو تو میرا سلام انہیں دیجئے گا۔

مجھے یہ جاننے کا بڑا اچنبھا ہے کہ آپ ان دنوں کیا کر رہی ہیں۔ اور آپ کے کیا ارادے ہیں (اگر ہیں تو)۔ ہو سکتا ہے کہ میں اگلے سال یورپ آؤں۔ لیکن اس کا کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ یہ سب حالات پر منحصر ہے۔ ۶۷؎ اگر میں واقعی یورپ آیا' تو یقیناً اس دیارِ قدیم جرمنی کا بھی پھر سفر کروں گا' اور آپ سے دوبارہ ہائیڈل برگ یا ہائل برون (Heilbronn) میں ملاقات کو آؤں گا' جہاں سے ہم دونو ایک ساتھ اس عظیم فن کار ۶۸؎ گوئٹے کے مزارِ مقدس کی زیارت کو جائیں گے۔

اگرچہ مجھے آپ کے بھائی اور بہنوں کے ساتھ ملاقات کا کبھی شرف حاصل نہ ہوا تھا' پھر بھی بالضرور میرا سلام ان کو دیجئے گا۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

۲۰

لاہور (ہندوستان) (انگریزی سے)

۱۰ اکتوبر ۱۹۱۹ء

عزیزۂ من فرائیلائین ویگے ناسٹ

آخر کار وہ ہولناک جنگ اب ختم ہو گئی ہے۔ ۶۹؎ اور چار سال کی طویل خاموشی کے بعد مجھے دوبارہ آپ کو خط لکھنے کا موقع حاصل ہوا ہے۔ آپ کا ملک ایک عظیم آزمائش میں سے گزرا ہے۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ جلد ہی وہ اپنے ان نقصانات کو پورا کر سکے گا' جو اس جنگ سے اسے پہنچے ہیں۔ اس تمام عرصے میں میں آپ کی اور آپ کے عزیزوں' اور بالخصوص آپ کے بھائیوں ۷۰؎ کی سلامتی کے

متعلق بہت تشویش مند رہا ہوں۔ براہ کرم جلد از جلد مجھے اپنے اور اپنے بھائیوں کے حالات کے بارے میں تفصیل سے لکھئے۔ جرمن قوم کو واقعی بہت بڑی قربانیاں دینی پڑی ہیں۔ا۔ے۔

میں یہ خط انگریزی میں لکھنے کے لئے بڑا معذرت خواہ ہوں' لیکن میں اس بات کو ترجیح دیتا ہوں کہ آپ کو اس خط کا ترجمہ کروانے کی زحمت اٹھانی پڑے' بہ نسبت اس کے کہ میں اپنی غلط سلط اور بھونڈی جرمن سے آپ کے کان دکھاؤں۔

براہ کرم ہائیڈل برگ والی محترمہ پروفیسر صاحبہ کے بارے میں بھی اطلاع دیجئے۔ کیا آپ کو جناب رائنر (Herr Reiner) صاحب کی طرف سے بھی کوئی خبر وغیرہ ملتی رہی ہے؟ وہ کہاں ہیں' اور کیا کر رہے ہیں؟

آپ کا مخلص

محمد اقبال

بیرسٹر ایٹ لاء

لاہور

۲۱

(انگریزی سے)

۱۱۳۔ اے' سینٹ جیمزز کورٹ

بکنگھم گیٹ

ایس ڈبلیو۔۱

۱۵ اکتوبر ۱۹۳۱ء ۲۳ے۔

عزیزۂ من فرائیلائین ویگے ناسٹ

یہ جناب مشروتھ (Herr Metzroth) ۲۳ے۔ کی بڑی کرم فرمائی تھی کہ انہوں نے مجھے آپ کا حالیہ پتا بہم پہنچایا' جو مجھے آج صبح موصول ہوا۔ اور یوں میں آپ کو موجودہ خط لکھنے کے قابل ہوا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ یہ خط آپ کو ان پُر مسرت دنوں کی یاد دلائے گا' جو ہم نے ہائیڈل برگ اسکول..... یعنی "شیرر منزل" (Pension

Scherer) ۷۴ء میں ایک ساتھ بسر کیے تھے۔

براہ کرم مجھے خط لکھئے' اور ان سارے برسوں کے دوران اپنی مصروفیات اور حالات سے مطلع کیجئے۔ مجھے آپ کا جواب پا کر بہت مسرت ہو گی۔ فی الحال ہمیں ۷۵ء کافی عرصہ لندن میں رکنا پڑے گا۔ اور جب لندن کی گول میز کانفرنس ختم ہو جائے گی' تو اس کے بعد میرا ارادہ برلن کے رستے روم جانے کا ہے' جہاں مجھے کچھ روز ٹھہرنے اور چند پرانے دوستوں سے ملاقات کرنے کا موقع ملے گا۔ اتنے سالہا سال کے بعد آپ سے مل کر مجھے بے اندازہ خوشی ہو گی۔ مجھے اطلاع دیجئے کہ کیا ابھی کچھ عرصہ آپ ہائیڈل برگ ہی میں قیام رکھیں گی؟

آپ کے خط کا منتظر

محمد اقبال

۲۲

(انگریزی سے)

۱۱۳۔ اے' سینٹ جیمرز کورٹ
بکنگھم گیٹ' ایس ڈبلیو۔ ۱
۲۰ اکتوبر ۱۹۳۱ء

عزیزۂ من فرائیلائین ویگے ناسٹ

یہ آپ کا غایت درجہ تلطف تھا کہ آپ نے مجھے خط لکھا۔ مجھے آپ کا خط آج صبح سویرے اس وقت ملا جب میں ابھی بستر ہی میں تھا۔ میں نے اسے ایک سے زیادہ مرتبہ پڑھا۔ کچھ تو اس وجہ سے کہ میں اسے پا کر بہت خوش ہوا تھا' اور کچھ اس لئے کہ میں اسے پوری طرح سمجھ سکوں۔ ۷۶ء مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ باوجود ان تمام آلام و مصائب کے جن سے آپ کو دوچار ہونا پڑا ہے' آپ زندگی سے خندہ پیشانی کے ساتھ عہدہ برآ ہو رہی ہیں۔ میں ہائیڈل برگ کے وہ ایام کبھی فراموش نہ کر سکوں گا' جب آپ نے مجھے گوئٹے کا "فاؤسٹ" پڑھایا' اور دیگر کئی طرح سے میری مدد کی تھی۔ وہ کیا ہی بہجت افزا دن تھے! مجھے آپ کے خط سے معلوم ہوا ہے کہ

آپ اپنے وقت پر مختار نہیں ہیں-۲۷- چنانچہ میں اپنی سی پوری کوشش کروں گا کہ میں ہائیڈل برگ آؤں' اور آپ سے اسی پرانے مقام پر ملاقات کروں- مجھے اب تک دریائے نیکر یاد ہے' جس کے کنارے پر ہم دونو ایک ساتھ گھوما کرتے تھے- لیکن فی الحال کوئی بات پختہ نہیں ہے- میرا خیال ہے کہ جلد ہی میں آپ کو اطلاع دے سکوں گا کہ آیا میں روم جاتے ہوئے رستے میں جرمنی سے گزر سکتا ہوں یا نہیں- مجھے روم سے ایک دعوت موصول ہوئی ہے' اور میں بالاخر ہندوستان کی واپسی سے پہلے وہاں جانا چاہتا ہوں-

مجھے یہ کہنے کی بالکل ضرورت نہیں کہ میری یہ بڑی ہی آرزو ہے کہ میں پھر آپ سے ملوں اور ان پُر مسرت دنوں کی یادیں تازہ کروں جو افسوس کہ اب ہمیشہ کے لئے گذر چکے ہیں-

دریں اثنا' مجھے تاکید سے خط لکھئے گا-

آپ کا مخلص

محمد اقبال

پس تحریر: اب میں پروفیسر نہیں ہوں-

۲۳

(انگریزی سے)

۱۱۳- اے' سینٹ جیمزز کورٹ

بکنگھم گیٹ

این ڈبلیو-۱ (کذا) ۸۷-

۱۹ نومبر ۱۹۳۱ء

مائی ڈیئر مس ویگے ناسٹ

یہ آپ کی بڑی کرم فرمائی تھی کہ آپ نے مجھے خط لکھا' اور میں آپ سے ہائیڈل برگ میں ملنے کے لئے منتظر تھا- لیکن مجھے بڑے افسوس کے ساتھ آپ کو اطلاع دینی پڑتی ہے کہ میرے پروگرام میں بعض ایسے ضروری تغیرات یکایک نمودار

ہو گئے ہیں کہ جن کے پیش نظر اب میرے لئے جرمنی کے رستے سفر کرنا ممکن نہیں رہا-۷۹ میں سیدھا روم جا رہا ہوں- جہاں جناب مارکونی ۸۰ نے مجھے مدعو کیا ہے- اور وہاں سے میں ۷ دسمبر کو منعقد ہونے والی مؤتمر عالم اسلامی میں شرکت کرنے کے لئے یروشلم روانہ ہو رہا ہوں-۸۱ اس امر سے مجھے بے اندازہ خوشی ہوتی کہ میں زندگی میں ایک مرتبہ پھر آپ سے مل سکتا اور پرانی صحبتوں کو پھر زندہ کر سکتا- لیکن یہ بڑی بدقسمتی ہے کہ یہ بات ناممکن ہو گئی ہے- ہاں یہ ممکن ہے کہ میں شاید اگلے سال پھر یورپ آؤں- اگر ایسا ہوا تو میں امید کرتا ہوں کہ آپ سے ملنے کے لئے ہائیڈل برگ آنے کی پوری کوشش کروں گا- براہ کرم میرا صمیم قلب سے بھیجا ہوا سلام قبول کیجئے' اور یہ اپنی ان سہیلیوں کو بھی پہنچایئے جن سے آپ نے ہائیڈل برگ میں میرا تعارف کرایا تھا- گاہے بگاہے تاکید سے مجھے میرے لاہور' ہندوستان' کے پتے پر خط لکھا کیجئے- جیسا کہ فارسی کی ایک ضرب المثل ہے..... "خط نصف ملاقات ہے"-

امید ہے کہ آپ ہر طرح سے بخیریت ہیں-

آپ کا مخلص

محمد اقبال

۲۴

ڈاکٹر سر محمد اقبال- بیرسٹرایٹ لاء ۸۲

لاہور ۸۳ (انگریزی سے)

۱۷ جنوری ۱۹۳۲ء

عزیزہ من فرائیلائین ویگے ناسٹ

مجھے آپ کا خط کل موصول ہوا' اور میں نے اس کے مندرجات بڑی مسرت کے ساتھ پڑھے- مجھے بے حد افسوس ہے کہ میں جرمنی نہ آ سکا اور ان سہانے دنوں کی یادیں تازہ نہ کر سکا' جو میں نے آپ کی اور کچھ دیگر احباب کی معیت میں ہائیڈل

برگ میں بسر کیے تھے۔ میرے یہ کہنے کی شاید ضرورت نہیں ہے کہ ان تمام برسوں میں میں نے آپ کو کبھی فراموش نہیں کیا' اور میرے دل میں ہمیشہ یہ تمنا زندہ رہی ہے کہ میں دوبارہ آپ سے ملوں گا' لیکن بختِ تیرہ کو جو منظور ہوا: اے بسا آرزو کہ خاک شدہ! ان دنوں کی یاد' جب ہم گوئٹے کا "فاؤسٹ" ایک ساتھ پڑھا کرتے تھے' ہمیشہ ایک غم انگیز مسرت ۸۴ے کے ساتھ میرے دل میں آتی رہتی ہے۔ آپ چاہتی ہیں کہ میں آپ کو بتاؤں کہ ان تمام سالہا سال کے دوران مَیں کیا کرتا اور سوچتا رہا ہوں' تو سنیئے: میں نے بہت کچھ لکھا ہے۔ اور وہ تمام چیزیں جو میں نے بطور شاعری اور فلسفے کے لکھی ہیں' وہ میں نے شائع کر دی ہیں۔ تاہم' میرے ذہن نے ہمیشہ ایک کمی سی محسوس کی ہے' اور خود کو اپنے ان ہندی گرد و نواح میں تنہا سا پایا ہے۔ جوں جوں میری عمر بڑھ رہی ہے' اس تنہائی کا احساس بھی فزوں تر ہوا جاتا ہے۔ لیکن سوائے تسلیم و رضا کے ہمارے لئے اور کوئی چارۂ کار نہیں' اور میں نے بھی پوری تسکین دل کے ساتھ اپنی قسمت کو قبول کر لیا ہے۔

یہ بات باعث تاسف ہے کہ میں جرمن زبان کے ساتھ اپنا رابطہ قائم نہیں رکھ سکا ہوں۔ لیکن میں ہمیشہ آپ کے خطوط کو جرمن لغت کی مدد سے پڑھنے اور سمجھنے کے قابل ہو جاتا ہوں' بجائے اس کے کہ کسی اور سے ان کا ترجمہ کراؤں۔۸۵ے اپنے خطوط کسی اور کو دکھانا اچھا نہیں ہوتا۔ آپ کا خط ختم کرنے میں خواہ تین دن لگیں' پھر بھی میں اپنے طور پر انہیں لغت کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ یہ کسی اور کو دکھاؤں۔ اور میں نے ہمیشہ یہی پیرایہ عمل اختیار کیا ہے۔

مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی ہے کہ آپ اپنی بہن کے ساتھ رہ رہی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ان کی تصویر دیکھی تھی' جو آپ نے مجھے دکھائی تھی۔ براہ کرم انہیں اور اپنے ان دوسرے دوستوں کو میرا سلام دیجئے' جن سے میں ضرور جرمنی میں ملا ہوں گا۔ مجھے امید ہے کہ میں دوبارہ یورپ آؤں گا' اور اگر میں آیا تو میں بالالتزام آپ سے اور آپ کی ہمشیرہ سے ہائیڈل برگ ملنے آؤں گا۔

جرمنی میرے لئے ایک طرح سے دوسرا روحانی وطن تھا۔ میں نے اس ملک میں بہت کچھ سیکھا، اور بہت کچھ سوچا تھا۔ گوئٹے کے وطن نے میری روح کے اندر ایک دائمی گھر حاصل کر لیا ہے۔

امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گی۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

۲۵

۱۲ دسمبر ۱۹۳۲ء
(انگریزی سے)

کوئین اینز مینشنز ۸۶۔ب

لندن، ایس ڈبلیو۔۱

عزیزۂ من فرائیلائین ویگے ناسٹ

میں ایک مختصر عرصے کے لئے دوبارہ انگلستان میں ہوں ۸۷۔ب، اور یہ خط یہ دریافت کرنے کے لئے لکھ رہا ہوں کہ کیا آپ تا حال ہائیڈل برگ..... شٹاؤبن سٹراسے نمبر ۱۴ ہی میں ۸۸۔ب مقیم ہیں؟ امید ہے آپ ہر طرح سے بخیریت ہوں گی۔ از راہِ کرم جلد خط کا جواب دیجئے گا۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

۲۶

۲۹ دسمبر ۱۹۳۲ء
(انگریزی سے)

کوئین اینز مینشنز

سینٹ جیمزز پارک

لندن ایس ڈبلیو۔۱

عزیزہ من فرائیلائین ویگے ناسٹ

آپ کے خط کے لئے شکریہ۔ میں لندن سے ۳۰ دسمبر کو روانہ ہوں گا۔ میرے موجودہ پروگرام کے مطابق میں ہائیڈل برگ ۱۸ جنوری ۱۹۳۳ء کو رات کے دس بج کر تئیس منٹ پر (۲۳-۱۰ شب) پہنچوں گا' اور بائرشرہوف ۸۹۔ ہوٹل میں ٹھہروں گا۔

ہائیڈل برگ میں میرے قیام کا واحد مقصد آپ سے اتنے سال گزرنے کے بعد دوبارہ ملنا ہے۔

میں آپ سے ملاقات کا بڑے اشتیاق کے ساتھ منتظر ہوں۔۹۰۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

۲۷

(انگریزی سے)

میڈرڈ ۹۱۔

۲۱ جنوری ۱۹۳۳ء

میں جنوبی ہسپانیہ کے دورے کے بعد آج میڈرڈ واپس پہنچا ہوں۔ افسوس کہ میرے لئے اس مرتبہ ہائیڈل برگ آنا ناممکن ہوگا۔ مجھے وہ سارے ٹکٹ منسوخ کرنے پڑے جو میں نے لندن میں خریدے تھے' کیونکہ میرے لئے لازمی ہے کہ میں وینس سے دس فروری ۱۹۳۳ء کو روانہ ہونے والا جہاز کونتے وردی ۹۲۔ پکڑوں۔ ہو سکتا ہے کہ میں اپریل میں پھر انگلستان آؤں۔

آپ کا

محمد اقبال

حرفِ آخر

تیسری گول میز کانفرنس کے خاتمے کے بعد علامہ اقبال دسمبر ۱۹۳۲ء کے آخر میں ٹرین کے ذریعے لندن سے پیرس گئے' جہاں وہ برگساں سے ملے۔ اس کے بعد وہ سیدھے میڈرڈ چلے گئے اور وہ نہ جانے ہائیڈل برگ کے راستے کیوں نہ گئے' جو پیرس

سے اتنا دور نہ تھا۔ شاید کانفرنس کے کچھ اور مندوبین ان کے ساتھ ہوں، ۹۳۔ جن کے ساتھ انہیں اپنا پروگرام منطبق کرنا پڑا۔ ۹۴۔ میڈرڈ کے بعد، بقول ڈاکٹر عبدالسلام خورشید (سرگذشتِ اقبال، مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۷۷ء۔ ص ۴۱۹۔ ۴۲۳) علامہ اقبال روم بھی گئے جہاں وہ مسولینی سے ملے۔ لیکن خورشید صاحب کو مغالطہ ہوا ہے، چونکہ علامہ ۲۷ نومبر ۱۹۳۱ء کو (یعنی دوسری گول میز کانفرنس کے خاتمے کے بعد) مسولینی سے مل چکے تھے۔ دیکھیے: "سفرنامہ اقبال" (از محمد حمزہ فاروقی۔ مطبوعہ مکتبہ معیار، کراچی، ۱۹۷۳ء۔ ص ۱۲۱۔ ۱۲۶)۔ بہرحال، علامہ اقبال وینس سے دس فروری ۱۹۳۳ء کو جہاز سے روانہ ہو کر ۲۲ فروری کے روز بمبئی، اور پھر ۲۵ فروری ۱۹۳۳ء کو لاہور پہنچ گئے۔ اس کے بعد وہ اپریل میں دوبارہ لندن نہ گئے اور نہ اس کے بعد وہ کبھی یورپ جا سکے۔ انہیں ۱۹۳۲ء کے اواخر میں لارڈ لوتھئین کی طرف سے آکسفورڈ یونیورسٹی میں Rhodes Lectures دینے کی دعوت ملی تھی۔ (اور ہو سکتا ہے کہ علامہ کا خیال ہو کہ اسی سلسلے میں شاید ان کا اپریل ۱۹۳۳ء میں دوبارہ انگلستان جانا ہو۔) ۱۹۳۵ء میں ان لیکچروں کا انعقاد بھی طے پا گیا تھا، لیکن علامہ اقبال اپنی طویل بیماری کی وجہ سے انگلستان نہ جا سکے، اور یہ لیکچر منسوخ کرنے پڑے۔ اس طرح علامہ کو باوجود اپنی تمام تر خواہش کے، زندگی بھر دوبارہ جرمنی جانے اور مس ویگے ناسٹ سے ملنے کا موقع نہ مل سکا۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!

(سعید اختر درانی)

(مطبوعہ ماہنامہ "افکار" کراچی، مئی ۱۹۸۳ء)

مصنف کتاب ہائیل برون (Heilbronn)، مغربی جرمنی، میں مس ایما ویگے ناسٹ
کی قبر پر (۳۰ ستمبر ۱۹۸۳ء)

مس ایما ویگے ناسٹ کی قبر کا کتبہ (ان کی مدت حیات: ۲۶ اگست ۱۸۷۹ء تا ۱۶
اکتوبر ۱۹۶۳ء)۔ یہاں ان کے پہلو میں ان کے والدین اور ایک بھائی بھی دفن ہیں۔
اس قبر کی نشان دہی محترمہ Frau Elsa Wegenast نے کی (نوٹ از مصنف۔
تصویر: درانی، ستمبر ۱۹۸۳ء)۔

حواشی

۱۔ تمام خطوط کے اصل (جرمن اور انگریزی زبان کے) متون اور عکوس کے لئے دیکھئے ضمیمہ نمبر۶۔

پس تحریر: اب میں نے جناب ہوبوہم کے عطا کئے ہوئے دست نوشت خطوط کے ساتھ مقابلہ کرنے کے بعد محترمہ شیرین ہوبوہم صاحب کے ۱۹۸۲ء والے Transcripts میں جہاں کہیں قرات کی غلطیاں مجھے نظر آئیں، انہیں درست کر دیا ہے۔ اور طبع ثانی کے ضمیمہ نمبر۶ میں میں نے ان سب خطوں کے متون کو دوبارہ ٹائپ کروا کے شامل کیا ہے (درانی، برمنگھم، ۵ر اکتوبر ۱۹۹۶ء)۔ مگر اردو تراجم عموماً طبع اول کے مطابق ہی رہے ہیں۔ (درانی، ۱۳ر جنوری ۱۹۹۹ء)

۲۔ Pension Thurner, Schelling Str. 41, Munchen — (Pension = منزل، پرائیویٹ ہوٹل)۔ یاد رہے کہ اگرچہ میں نے ان خطوط میں ہر جگہ Strasse کو "سٹراسے" لکھا ہے، تاہم جب کسی جرمن لفظ کے Syllable کے آغاز میں حرف S کے بعد حرف T آتا ہے، تو "س" کو "ش" کے طور سے ادا کیا جاتا ہے۔ چنانچہ Strasse کا صحیح تلفظ "شٹراسے" ہوگا (= سڑک)۔ یہی حال آئین شٹائین (Einstein) وغیرہ کا ہے۔

۳۔ Mein liebes Frl. Wegenast — (Fraulein=Frl.۔ فرالائین یعنی Miss = مس)۔ واضح رہے کہ جب جرمن زبان میں a (دو نقطوں کے ساتھ) اور u یک جا ہوتے ہیں، تو ان کا باہمی تلفظ "آئے" کا ہم قافیہ ہوتا ہے۔ چنانچہ Fräulein کا تلفظ "فرائے لائین" ہوتا ہے۔ (اگرچہ Frau کو فراؤ، بمطابق جزاؤ، ہی پکارا جائے گا)۔

۴۔ kurzweilig۔ کوتاہ عمر، زود گذر، مستعجل۔

۵۔ اقبال ان خطوط میں عموماً یوں ہی تحریر کرتے ہیں۔ مثلاً: "مجھے ضرور لکھئے"۔ میں نے اس کے ترجمے میں عموماً "خط" کا اضافہ کر دیا ہے۔

۶۔ اصل خط کے عکس کے لئے دیکھئے ضمیمہ نمبر۶۔

پس تحریر: طبع ثانی میں ہوبوہم صاحب کے فراہم کئے ہوئے تمام مخطوطوں کے عکس ضمیمہ نمبر۶ میں، شامل کر دیئے گئے ہیں۔ (درانی، برمنگھم، ۹ فروری ۱۹۹۶ء)

۷۔ جس سے غالباً مراد (ایما کا) اقبال کی طرف لکھا ہوا خط ہے۔

۸۔ یہ انگریزی میں لکھا ہے (Yours very sincerely)۔

۹۔ اصل خط میں .Fraulien) Frl کا اختصار) ہے' یعنی مس (Miss)۔ یہ طرز تخاطب اقبال نے اپنے تقریباً سب خطوط میں ملحوظ رکھا ہے' چاہے وہ جرمن میں ہوں یا انگریزی میں۔ (دیکھئے ضمیمہ نمبر۹)۔

۱۰۔ Herr Reiner-

۱۱۔ Kunst Ausstellung= Art exhibition- (شاید میونخ کی آرٹ گیلری؟Alte Pinakothek)-

۱۲۔ Pension Scherer- یہ ہائیڈل برگ میں واقع ہے' جہاں اقبال جرمن زبان سیکھنے کے لئے مقیم تھے۔

پس تحریر: "شیرر" کے صحیح جرمن ہجے دراصل Scherrer ہیں۔ اقبال اسے غلط spell کرتے رہے ہیں۔

پس تحریر مکرر: بقول محترمہ عطیہ فیضی' "سو سے زیادہ طلبہ اور اساتذہ (Professors) کا (یہ) یونیورسٹی ہوسٹل ایک ستر سالہ بوڑھی قابل احترام خاتون فراؤ پروفیسر ہیرن (Frau Prof. Herren) چلاتی تھیں' جو اس عمر میں ہائیڈل برگ میں ہوشیار ترین شمار ہوتی تھیں۔ اور ایک عظیم مغنیہ کی حیثیت سے معروف تھیں" ("اقبال" از عطیہ بیگم۔ ترجمہ عبدالعزیز خالد۔ آئینہ ادب' لاہور' ۱۹۹۵ء۔ ص ۳۲)۔ یہی وہ خاتون ہیں جن کی طرف اقبال نے کئی ایک خطوط میں اشارہ کیا ہے۔ ہاں یہ معلوم نہیں کہ وہ واقعی پروفیسر تھیں (کیونکہ اس زمانے میں عورتیں یونیورسٹی پروفیسر نہیں ہوتی تھیں)' یا اقبال اور عطیہ فیضی انہیں از راہ ادب یہ لقب دیتے تھے۔ ویسے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ خاتون' پروفیسر شیرر (یا کسی اور پروفیسر صاحب) کی بیگم ہوں' کیونکہ اس صورت میں ایسی خواتین کو جرمنی میں عموماً "فراؤ پروفیسر" ہی پکارا جاتا ہے۔ ویسے اس بات کا امکان بھی ہے کہ عطیہ فیضی نے (جنہوں نے اپنی ڈائری میں متعدد جرمن ناموں کو miss-spell کیا ہے) غلطی سے Scherrer کو Herren لکھ دیا ہو...... لیکن اس صورت میں اقبال اپنے خطوط میں انہیں کہیں تو "فراؤ پروفیسر شیرر" لکھتے ہی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ایک ایسی ہی عمر رسیدہ خاتون کی تصویر (اقبال سمیت) ہائیڈل برگ کے کچھ طالب علموں کے ساتھ فقیر سید وحید الدین کی کتاب Iqbal in Pictures (مطبوعہ Lion Art Press' کراچی۔ ۱۹۶۵ء) میں دیکھی جا سکتی ہے۔ (درانی' برمنگھم' ۹ فروری ۱۹۹۶ء)

۱۳۔ Geduld=Patience- حوصلہ' صبر' یارا۔

۱۴۔ angesiedelt=settled (یہ بامحاورہ زبان نہیں ہے۔ جرمن میں اس لفظ کے معنی تقریباً "بستی بسانا" یعنی "نو آبادکاری" کے ہیں۔ غالباً" اقبال نے کوئی لغت دیکھ کر ترجمہ کیا ہے)۔

۱۵۔ اس پوسٹ کارڈ کا عکس فقیر سید وحید الدین کی کتاب Iqbal in Pictures (مطبوعہ Lion Art Press' کراچی۔ ۱۹۶۵ء) میں موجود ہے۔ اس کتاب میں پوسٹ کارڈ کی پشت کی تصویر بھی دکھائی گئی ہے اور وہاں پتا

یوں درج ہے : 'Frl. Emma Wegenast---16, Louisa (کذا) Str. Heilbronn (Germany)' یعنی Louisa نہ کہ Louisen (دیکھئے خط نمبر ۲ کا پتا)۔ دراصل اس گلی کے نام کے صحیح ہجے Luisenstrasse ہیں۔ اس پوسٹ کارڈ کا عکس ضمیمہ نمبر ٦ میں ملاحظہ کیجئے۔ یہاں اس چیز کا ذکر شاید قابل دلچسپی ہو کہ یہ پوسٹ کارڈ ۱۶ نومبر ۱۹۰۷ء کو Hammersmith لندن سے سوا بجے بعد از ظہر پوسٹ کیا گیا' اور ۱۷ نومبر کو ہائیل برون ((برلب) نیکر) پہنچ بھی گیا!

پس تحریر : خط نمبر ۲ کے عکس (ص ۲۷۷) کو غور سے دیکھنے پر معلوم ہوگا کہ وہاں اقبال نے Breife لکھا ہے' جو ہجوں کے لحاظ سے غلط ہے۔ یہ یا تو Briefe (خطوط) ہونا چاہئے' یا Brief (خط)۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ ایما نے اقبال کو اس دوران میں ایک ہی خط لکھا ہوگا (یعنی ۵ یا ٦ نومبر کو اقبال کی میونخ سے روانگی' اور ۱۶ نومبر کے زیر نظر خط کے درمیان)۔ ویسے ایما اور اقبال کے مابین ان دنوں خط و کتابت کافی گرم رو تھی۔ مثلاً اقبال کا پہلا خط ہی دیکھئے۔ (از میونخ' ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۷ء)' جس میں وہ لکھتے ہیں "مجھے آپ کا کارڈ مل گیا ہے"' جبکہ میرا اندازہ ہے کہ اقبال ہائیڈل برگ سے میونخ چند ہی روز پہلے پہنچے ہوں گے (یعنی ۱۰ اکتوبر کے لگ بھگ)' جہاں آتے ہی وہ اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے کی پیروی میں مصروف ہو گئے ہوں گے۔ (دیکھئے میری نئی کتاب "نوادر اقبال یورپ میں"' جہاں ان کے نگران تحقیق پروفیسر ہومل کے' اس مقالے کے بارے میں' ایک لمبے نوٹ مورخہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۷ء کا عکس دکھایا گیا ہے' جس میں وہ..... غالباً" اقبال کے بہم پہنچائے ہوئے..... اس خط کا ذکر کرتے ہیں جو مذکورہ مقالے کی تعریف میں پروفیسر طامس آرنلڈ نے ۲ اکتوبر ۱۹۰۷ء کو تحریر کیا تھا)۔ خط نمبر۱ مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۷ء میں اقبال یہ بھی لکھتے ہیں کہ "میں نے اخبار میں (ایک اچھی استانی کے لئے) اشتہار دے دیا ہے"' یعنی وہ چند روز پہلے میونخ پہنچ چکے ہوں گے۔ اگر ایما نے پہلا خط ۱۲ یا ۱۳ اکتوبر کو لکھا ہوگا تو یہ ۱۴ اکتوبر تک اقبال کو مل گیا ہوگا' جس کا جواب انہوں نے ۱۶ اکتوبر کو دیا۔ میرا ذاتی قیاس (Guess) ہے کہ ایما نے اقبال کے نام میونخ اور لندن میں اپنے اولین خطوط شاید دونوں شہروں میں واقع Thomas Cook & Son کے پتے پر لکھے ہوں گے' جن کے یہاں Poste Restante (انتظاریہ ڈاک) کا انتظام ہوتا تھا۔ یہ بات باعث دلچسپی ہے کہ دونو شہروں کو خط بھیجنے میں پہل ایما نے کی تھی (اگر ظاہر ہے کہ پہلے سے طے شدہ Plan کے مطابق)۔ (درانی' ۹ فروری' ۱۹۹٦ء)

۱٦۔ c/o Messrs Thomas Cook and Son, Ludgate Circus London, 2nd Dec 07۔

۱۷۔ یہ لفظ صاف نہیں پڑھا جا سکا۔ lernen (سیکھنا) ہے یا lesen (پڑھنا)۔ مگر غالباً" اول الذکر ہے۔ اصل

کے عکس کے لیے ضمیمہ نمبر ۶ دیکھئے۔ پس تحریر طبع دوم میں lesen صاف نظر آتا ہے۔

۱۸ ۔ یعنی میونخ سے۔

۱۹ ۔ verderben یعنی بگاڑنا =to spoil یا to ruin ۔ (اگر verbergen ہوتا تو اس کا مطلب to conceal یعنی چھپانا ہوتا)۔ نوٹ از مترجم۔

۲۰ ۔ verdirbt=spoils or ruins ۔ جبکہ verbirgt=conceals ۔ مترجم۔

۲۱ ۔ یہ انگریزی میں لکھا ہے (Yours Sincerely)۔

۲۲ ۔ پس تحریر : کتاب کی طبع اول کے فٹ نوٹ میں میں نے لکھا تھا کہ گزشتہ خط (جس پر وہاں شیرین ہوبوہم صاحبہ نے غلطی سے ۲۰ جنوری ۱۹۰۸ء کی تاریخ درج کی تھی) "کے بعد موجودہ خط کی تاریخ (یعنی ۲۱ جنوری) کچھ صحیح نہیں لگتی۔ یا ہو سکتا ہے وہ پہلی تاریخ غلط ہو"۔ اب جناب محمد امان ہوبوہم کے عطا کردہ عکس مخطوطات سے ظاہر ہوا ہے کہ مذکورہ خط دراصل ۲۵ جنوری ۱۹۰۸ء کو تحریر کیا گیا تھا۔ چنانچہ میں نے اب (طبع دوم میں) ان دو خطوں کی ترتیب بدل دی ہے' اور موجودہ خط (مورخہ ۲۱ جنوری) کو نمبر ۶ قرار دیا ہے' اور ۲۵ جنوری والے خط کو نمبر ۷۔ چنانچہ اب ان خطوں میں درج معاملات کی صورت واضح تر ہو گئی ہے۔ (درانی۔ بر منگھم' ۱۰ فروری ۱۹۹۶ء)

۲۳ ۔ Emma

۲۴ ۔ Friede=Peace (آشتی۔ امن و سکون)

۲۵ ۔ یعنی اس دوران میں ایما کا ایک خط آ چکا تھا' جس کا اقبال نے جواب نہ دیا تھا۔ اب ایما کا یہ دوسرا خط پہنچا' اور صلح ہو گئی۔ (درانی۔ ۱۰ فروری ۱۹۹۶ء)

۲۶ ۔ پس تحریر : جیسا کہ حاشیہ نمبر ۲۲ میں ذکر ہوا' کتاب کی طبع اول میں اس خط کا نمبر شمار ۶ دیا گیا تھا' اور شیرین ہوبوہم صاحبہ کی قرأت کے مطابق اس کی تاریخ تحریر ۲۰ جنوری ۱۹۰۸ء درج کی گئی تھی۔ اب اصل مخطوطے کے عکس کے ذریعے موجودہ خط کی تاریخ ۲۵ جنوری ۱۹۰۸ء متعین ہوئی ہے۔ اور دونو خطوں کی ترتیب الٹ دی گئی ہے۔ یعنی موجودہ خط اب نمبر ۷ قرار پایا ہے۔ (درانی۔ ۱۰ فروری ۱۹۹۶ء)۔

۲۷ ۔ اقبال نے صرف z--- تحریر کیا ہے اور ظاہر کہ یہ حرف Herz (جرمن = دل) کا آخری حصہ ہے۔

۲۸ ۔ مس ویگے ناسٹ ان دنوں شاید Heilbronn میں رہتی تھی۔ جو ہائیڈل برگ کے جنوب مشرق میں قریب تیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

۲۹۔ مس عطیہ فیضی۔

۳۰۔ اقبال نے انہیں ہندوستانی شہزادہ لکھا ہے۔ (مس فیضی اپنے بھائی ڈاکٹر فیضی کے ساتھ اگست ۱۹۰۷ء کے اواخر میں اقبال سے ملنے ہائیڈل برگ جا چکی تھیں۔ جہاں وہ مس ویگے ناسٹ سے متعارف ہوئی تھیں۔ (دیکھئے "اقبال" از عطیہ بیگم۔ مترجمہ عبدالعزیز خالد۔ آئینہ ادب' لاہور۔ ۱۹۷۵ء)

۳۱۔ Bitte=Please' میں آپ سے درخواست کرتا ہوں۔

۳۲۔ worter=Worte=words / phrases' الفاظ / جملے۔

۳۳'۳۵۔ میرے اندازے میں اقبال جولائی کی آٹھ یا دس تاریخ کے لگ بھگ انگلستان (یا پیرس؟) سے روانہ ہوئے ہوں گے۔ (کیم جولائی کو انہیں بار ایٹ لاء کی ڈگری ملی۔ ۳ جولائی کو انہوں نے جناب F.W. Thomas صاحب کے نام اپنے مطبوعہ تھیسس ("ایران میں علم مابعد الطبیعیات کا ارتقاء") کا ایک نسخہ (لندن میں) معنون کیا۔ جو اب میرے پاس ہے)۔ وہ ۲۷ جولائی ۱۹۰۸ء کو لاہور پہنچے۔ اٹلی یا فرانس سے بمبئی تک کے جہاز کے سفر میں گیارہ سے تیرہ دن لگتے تھے۔ وہ بمبئی شاید ۲۴ یا ۲۵ جولائی کو پہنچ گئے ہوں گے۔

۳۴۔ پس تحریر: اقبال غالباً" اس خط کے جواب کی توقع نہیں رکھتے تھے' چونکہ وہ ہندوستان کے سفر کو پابہ رکاب تھے۔ چنانچہ وہ اس خط میں اپنے گھر کا پتا تحریر کر دیتے ہیں' جہاں وہ اس سے پہلے غالباً" ایما کے خطوط موصول نہ کرنا چاہتے تھے۔ (درانی' برمنگھم' ۱۱ فروری ۱۹۹۶ء)۔

۳۶۔ اقبال نے مس فیضی کو بھی لاہور سے کئی خط لکھے (مثلاً ۱۹۰۹ء اور ۱۹۱۰ء میں) کہ عنقریب میں بمبئی کا سفر کروں گا' اور آپ سے ملوں گا۔ لیکن مصروفیات (اور اپنے معروف تساہل) کی وجہ سے وہ اپنا وعدہ پورا نہ کر سکے۔ جہاں تک مجھے علم ہے اقبال عمر بھر دوبارہ جرمنی نہ جا سکے (اس مجموعے کے خطوط نمبر ۲۱ تا ۲۷ بھی دیکھئے)۔

۳۷۔ Herr Chanfer-

۳۸۔ Sialkot City, India. 3rd Sep. 08

۳۹۔ geregelt (geregnet? = has rained)- تحریر کردہ لفظ سیاق و سباق کے لحاظ سے بے معنی ہے۔

۴۰۔ Lahore (India), llth Jan. 09.

۴۱۔ Erwachsene (erwachsenen=)= بالغان۔ نوٹ از مترجم: صحیح اسم جمع Erwachsene ہے۔

۴۲۔ aus der Bahnhof uber dem weg- یہ جملہ بامحاورہ نہیں ہے۔

۴۳۔ Ansicht=view' مطمحِ نظر؟

۴۴۔ es alles gut sein wurden= یہ جملہ بامحاورہ نہیں ہے۔

۴۵۔ Herr Chaubal۔ شاید یہ خط نمبر ۱۱ (مورخہ ۲۷ جون ۱۹۰۸ء) والے جناب Chaufar یا Chanfer ہی ہیں۔ اگرچہ ان دو جگہوں پر لکھائی میں ہجے مختلف ہیں۔

پس تحریر: جناب ہوبوم کے عطا کردہ اصل مخطوطوں کے عکوس کو غور سے دیکھنے سے اب معلوم ہوا ہے کہ دونو جگہوں پر نام کا اول حصہ یکساں ہے' اور غالباً" Chaub ہے۔ لیکن خط نمبر ۱۱ میں آخری حصہ کچھ er کا سا دکھائی دیتا ہے۔ (یعنی Chauber?)' جبکہ خط نمبر ۱۳ میں صاف al پڑھا جاتا ہے (یعنی Chaubal)۔ لیکن میرا گمان ہے کہ یہ ایک ہی نام ہے۔ (درانی' برمنگھم' ۱۷ جولائی ۱۹۹۶ء)۔

۴۶۔ خط میں جرمن زبان کا یہ فقرہ خلاف محاورہ ہے۔

۴۷۔ Deutschland über alles=Germany above all ("جرمنی سب سے اونچا" یا "جرمنی کا بول بالا")۔ یہ الفاظ جرمن قومی ترانے کا حصہ ہیں۔

۴۸۔ یہاں پورا لفظ Fraulein (=مس) لکھا ہے۔

۴۹۔ Idealen=Ideale (=Ideals)۔ نوٹ از مترجم: صحیح اسم جمع Ideale ہے۔

۵۰۔ اگر اقبال اتنی باقاعدگی سے تقریباً" ہفتہ وار مس ویگے ناسٹ کو خط لکھتے تھے' تو ظاہر ہے ان میں سے بہت سے خطوط محفوظ نہیں رہے۔

۵۱۔ غالباً" اس خط کے ساتھ اقبال نے ایک پوستین تحفتہ" بھیجی ہو گی۔

پس تحریر: جیسا کہ میں نے اپنی نئی کتاب ("نوادر اقبال یورپ میں"- مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان' لاہور- ۱۹۹۵ء) میں بیان کیا ہے' علامہ کے ایما کو بھیجے ہوئے چند تحفے تا حال مس ویگے ناسٹ کے خاندان میں محفوظ ہیں۔ (درانی- برمنگھم' ۱۱ فروری ۱۹۹۶ء)

۵۲۔ یہاں پورا لفظ Fraulein (=مس) لکھا ہے۔

۵۳۔ terrible=schrecklich= خوفناک' بدنما۔

۵۴۔ Cravaten (=Krawatte)=ties, scarves۔ نوٹ از مترجم: صحیح جرمن Krawatte ہے۔

۵۵۔ Fader (=Feder)' قلم۔

۵۶۔ اقبال نے یہاں miserable لکھا ہے' جو جرمن زبان کا لفظ نہیں ہے۔

۵۷۔ گھر سے غالباً" اقبال کی مراد ہائیڈل برگ کے ہوسٹل Pension Scherrer سے ہے (دیکھئے : خط نمبر ۳۔)

۵۸۔ اس خط پر اقبال کا پتا درج نہیں ہے۔ غالباً" یہ تحریر ایک پوسٹ کارڈ پر ہے۔ جامع مسجد دہلی کا ایک ایسا ہی (غیر مطبوعہ مخطوطہ) پوسٹ کارڈ میرے پاس عاریتہ" موجود ہے' جو اقبال نے اپریل ۱۹۰۹ء میں اپنے استاد پروفیسر طامس آرنلڈ کی صاحبزادی نینسی کو لندن بھیجا تھا۔ (یہ میں نے کچھ عرصہ ہوا ڈاکٹر لارنس بارفیلڈ کو لوٹا دیا تھا۔ درانی' ۱۹۹۵ء)۔

پس تحریر : کتاب کی طبع اول میں میں نے اس حاشیے میں مندرجہ بالا خیالات کا اظہار کیا تھا۔ اب جناب محمد امان ہوبوہم کے عطا کردہ عکسی مخطوطات سے اس بات کی تصدیق ہوئی ہے کہ یہ خط واقعی ایک پوسٹ کارڈ تھا' جس کی پشت پر جامع مسجد دہلی کی تصویر موجود ہے۔ یہ پوسٹ کارڈ انار کلی لاہور سے پوسٹ کیا گیا تھا۔ ہاں' کتاب کی طبع اول میں محترمہ شیریں ہوبوہم کی قرأت کے مطابق اس خط پر "چہارم جولائی ۱۹۱۳ء" کی تاریخ درج کی گئی تھی۔ اب اصل مخطوطے سے اس کی تاریخ تحریر ۲۴ جولائی ۱۹۱۳ء معلوم ہوئی ہے۔ عکس کے لئے دیکھئے ضمیمہ نمبر۹۔ (درانی' ۱۱ فروری ۱۹۹۶ء)

۵۹۔ غالباً" اپنی شدت جذبات کے اظہار کے لئے اقبال نے یہ خط انگریزی میں لکھا ہے۔ اور ایک دفعہ انگریزی شروع کی تو پھر بعد کے سارے خطوط اسی زبان میں تحریر کیے ہیں۔

۶۰۔ یہاں پہلی مرتبہ Miss لکھا ہے۔ (یعنی Dear Miss Wegenast)۔

۶۱۔ اقبال نے یہ آیت انگریزی ترجمے میں لکھی ہے : "Verily we are for God and to God we return."

۶۲۔ May God be with you۔

۶۳۔ Yours ever۔

۶۴۔ اگرچہ یہ اور اس کے بعد کے سب خطوط انگریزی میں ہیں' تاہم اقبال نے عموماً" طرز تخاطب جرمن زبان ہی کا برقرار رکھا ہے۔ یعنی My dear Frl. Wegenast۔

۶۵۔ انیسویں صدی کا جرمن شاعر۔ "پیام مشرق" میں اقبال کا مشہور قطعہ معنونہ "زندگی و عمل" ہائنے ہی کی ایک نظم موسوم بہ "سوالات" کے جواب میں لکھا گیا ہے۔

۶۶۔ Good old Lady!۔

۶۷۔ اس خط کے چند ہفتوں بعد ہی (یعنی آغاز اگست ۱۹۱۴ء میں) جنگ عظیم چھڑ گئی۔ اور نہ صرف علامہ اقبال

کے منصوبے پایہ تکمیل تک نہ پہنچ سکے' بلکہ ان کی خط و کتابت مس ویگے ناسٹ کے ساتھ پانچ سال کے لئے منقطع ہو گئی۔ چونکہ حکومت ہند نے جنگ کے دوران جرمنی کے ساتھ ڈاک کا سلسلہ بند کر دیا تھا۔

۶۸ ۔ Master = استاد' مرشد' صاحب ہنر' استاد فن۔

۶۹ ۔ پہلی جنگ عظیم نومبر ۱۹۱۸ء میں بند ہو گئی تھی۔ مگر انگلستان اور جرمنی میں صلح نامے پر دستخط ۲۸ جون ۱۹۱۹ء کو ہوئے تھے۔

۷۰ ۔ یہاں Brothers (برادران) لکھا ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے خط میں انہوں نے صیغہ واحد میں بھائی لکھا ہے۔ اور کسی ابہام کی گنجائش نہیں' کیونکہ علامہ کے یہ خطوط انگریزی میں ہیں۔

پس تحریر : دراصل' ایما کے چار بھائی تھے (یعنی کارل' ایڈولف' البرٹ اور فریڈرش) اور صرف ایک (بڑی) بہن (صوفی) تھی۔ ایما بہن بھائیوں میں چوتھے نمبر پر تھیں۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے میری نئی کتاب "نوادر اقبال....." (۱۹۹۵ء)۔ (درانی۔ دوران سفر' فرائی برگ تا بون۔ ۲۶ اگست ۱۹۹۵ء)۔

۷۱ ۔ پس تحریر اور اہم نوٹ : جناب ہوبوہم کے عطا کئے ہوئے علامہ اقبال کے خطوط کے سالخوردہ اصول (Originals)' جن میں میں امسال (ماہ اگست ۱۹۹۶ء میں)' یونان کے حسین جزیرے Crete پر تعطیلات کے دوران بڑی عرق ریزی کے ساتھ صاف کرنے اور اجالنے میں مصروف رہا' تو ان میں ایک عجیب انکشاف ہوا۔ اور وہ یہ کہ جناب ہوبوہم کی صاحبزادی شیریں ہوبوہم' جنہوں نے اقبال کے خطوط کے Typescripts تیار کئے تھے' موجودہ خط کا ایک پورا دست نوشت صفحہ غلطی سے حذف کر گئیں! یہ محذوف تحریر اس خط کے پہلے پیراگراف کے آخری جملے' یعنی sacrifices indeed : (قربانیاں دینی پڑی ہیں۔) کے بعد شروع ہو کر' خط کے موجودہ دوسرے پیراگراف' یعنی ...Please excuse me (مجھے یہ خط انگریزی میں لکھنے..)' تک پھیلی ہوئی تھی۔ کتاب ہذا کی طبع دوم میں یہ تحریر پہلی مرتبہ شائع کی جا رہی ہے' اور اس سے علامہ کے' پہلی جنگ عظیم کے خاتمے کے موقعے پر' کچھ حیرت انگیز سے خیالات منظر عام پر آتے ہیں۔ اس نو دریافت تحریر کا ترجمہ میں نیچے درج کرتا ہوں۔ (درانی برمنگھم' ۱۹ ستمبر ۱۹۹۶ء)

ترجمہ : لیکن زندگی ہیچ ہے اگر وہ کسی ایسی شے کے لئے قربان نہیں کی جا سکتی جسے ہم ایک مقصدِ اعلیٰ تصور کریں۔ میری بڑی آرزو ہے کہ میں جنگ کے بعد (کے) جرمنی کو دیکھ سکوں' اور مجھے امید ہے کہ میں آیندہ سال ایسا کرنے کے قابل ہو سکوں گا۔ میرا ایک مقصد یہ ہوگا کہ میں ان تازہ تجارتی امکانات کا جائزہ لوں جو جرمنی اور ہندوستان کے درمیان غالباً" اب وا ہونے والے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ کے احباب اس معاملے

میں میری مدد کریں گے۔

میں آپ کے خط کا بڑے اشتیاق سے منتظر ہوں۔ شاید آپ کو مجھے ایک سے زیادہ خط لکھنے پڑیں' تاکہ جرمنی پر جو کچھ گذری ہے' اور اس نے جو کچھ حاصل کیا ہے' اس کے بارے میں آپ مجھے تفصیلاً" بتا سکیں۔

میں یہ خط انگریزی میں لکھنے..... الخ

۷۲۔ علامہ اقبال ان دنوں دوسری گول میز کانفرنس کے سلسلے میں لندن میں قیام پذیر تھے' جہاں وہ ۲۷ ستمبر ۱۹۳۱ء کو پہنچے تھے۔ یہ خط S.W.1' یعنی لندن' جنوب مغرب ا سے لکھا تھا۔

۷۳۔ غالباً" انہی صاحب کا نام Atiya Begum کی کتاب "Iqbal" (طبع ثانی "Aina-i-Adab" لاہور ۱۹۶۹ء ص ۱۶) میں ملتا ہے' جہاں اس کے ہجے Metztroth ہیں۔

پس تحریر: دراصل عطیہ بیگم کی کتاب والے ہجے صحیح نہیں ہیں۔ اقبال کے اصل خطوط (عطائے ہوبوہم صاحب' اگست ۱۹۹۵ء) کے مجموعے میں، (خط نمبر ۱۱' مورخہ ۲۷ جون ۱۹۰۸' کے ساتھ منسلک) ایک تصویر شامل ہے جس میں "شیرر منزل" ہائیڈل برگ میں اقبال اپنے دوستوں کے ساتھ کھڑے ہیں۔ یہ تصویر مٹسروتھ صاحب نے ۱۷ ستمبر ۱۹۰۷ء کو ایما ویگے ناسٹ کو بھیجی تھی' اور اسکے ساتھ جو پیغام انہوں نے منسلک کیا اس پر انہوں نے دستخط یوں کئے تھے--- F. Metzroth ہائیڈل برگ 17.IX.07 (درانی' برمنگھم۔ ۲۷ نومبر ۱۹۹۵ء)

پس تحریر مکرر: واضح ہو کہ یہی تصویر فقیر سید وحید الدین کی کتاب Iqbal in Pictures (مطبوعہ Lion Art Press' کراچی۔ ۱۹۶۵ء) میں بھی موجود ہے۔ بر سر تذکرہ: اس امر سے کہ سید صاحب کی کتاب میں یہ تصویر' اور مزید برآں اقبال کے خط نمبر ۳ بنام ایما کا عکس' موجود ہے' میرے دل میں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ کہیں ممتاز حسن صاحب نے یہ سب مجموعہ خطوط و تصاویر (جو اب لا پتہ ہے) سید وحید الدین کی فرمائش پر انہی کے حوالے نہ کر دیا ہو' اور یہ اب تک اسی خانوادے کے کاغذات میں نہ دبا ہوا ہو۔ اس بارے میں لاہور میں کچھ مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔ (درانی۔ ۱۱ فروری ۱۹۹۶ء)

۷۴۔ پس تحریر: اس کے صحیح ہجے Scherrer ہیں۔ یعنی درمیانی ر (r) کی تشدید کے ساتھ۔

۷۵۔ یعنی گول میز کانفرنس کے مندوبین کو۔

۷۶۔ پس تحریر: علامہ کے اس فقرے سے معلوم ہوتا ہے کہ اتنے برس کے بعد بھی (یعنی ۱۹۳۱ء میں) انہیں اس قدر جرمن ابھی یاد تھی کہ وہ ایما کے اس زبان میں لکھے ہوئے خط کو (چاہے بمشکل ہی) سمجھ سکیں۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ لندن کے اس مہمان خانے کی خوابگاہ میں ان کے پاس جرمن / انگلش کی ڈکشنری کہاں ہوگی۔

(درانی' برمنگھم' ۱۶ جون ۱۹۹۶ء)۔

۷۷۔ پس تحریر: مس ویگے ناسٹ ان دنوں غالباً" ہائیڈل برگ میں ایک ریڈکراس نرس کی حیثیت سے ہسپتال میں ملازم تھیں۔ (درانی۔ دوران سفر' بالمقابل ہائیڈل برگ' ۱۶ اگست ۱۹۹۵ء)

۷۸۔ N.W.1 یعنی شمال مغربی لندن ا۔ یہ سہو قلم ہے۔ S.W.1 ہونا چاہئے تھا۔

۷۹۔ دوسری گول میز کانفرنس کے خاتمے سے چند روز پیشتر ہی علامہ ۲۱ نومبر ۱۹۳۱ء کو لندن سے ٹرین کے ذریعے براہ پیرس روم روانہ ہو گئے' جہاں وہ ایک ہفتہ ٹھہرے۔

۸۰۔ Signor Marconi۔

۸۱۔ رستے میں علامہ قاہرہ میں رکتے ہوئے یروشلم پہنچے۔

۸۲۔ خط کی پیشانی پر علامہ کا نام اور پتا تحریر ہے۔

۸۳۔ علامہ ۲۸ دسمبر ۱۹۳۱ء کو بمبئی پہنچے تھے' جہاں بیگم عطیہ فیضی نے ان کے اعزاز میں اپنے یہاں ("ایوان رفعت" میں) ایک دعوت کا اہتمام کیا تھا۔ مختصر قیام کے بعد وہ اسی شام ٹرین سے لاہور روانہ ہو گئے تھے' جہاں وہ ۳۰ دسمبر کی صبح کو پہنچے۔

۸۴۔ Painful happiness۔

۸۵۔ پس تحریر: اگرچہ علامہ اقبال' مثال کے طور سے مسز ڈورس احمد سے' جو ان کے بچوں کی گورنس کی حیثیت سے مئی ۱۹۳۶ء سے (تا دم مرگ اقبال) ان کے یہاں مقیم تھیں' ان جرمن خطوط کے مشکل حصوں کا ترجمہ کروا سکتے تھے۔ (درانی۔ ڈارم شٹاٹ' جرمنی۔ ۱۶ اگست ۱۹۹۵ء)

۸۶۔ Queen Anne's Mansions, St James's Park, London S.W.1۔

۸۷۔ علامہ اقبال تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے آئے تھے۔ وہ بمبئی سے جہاز پر وینس تک سفر کرنے کے بعد وینس سے ٹرین کے ذریعے پیرس روانہ ہوئے' اور پھر وہاں رکنے کے بعد گاڑی سے اوائل نومبر ۱۹۳۲ء میں لندن پہنچے۔ یہ کانفرنس ۱۷ نومبر کو شروع ہوئی تھی۔

۸۸۔ 14 Stauben Str.۔ نوٹ از مترجم۔ اس گلی کے صحیح ہجے Steuben Str. ہیں۔

پس تحریر: اب اقبال کے اصل خطوط (عطائے ہوبوہم صاحب' اگست ۱۹۹۵ء) سے معلوم ہوا ہے (جن کے ساتھ ایما نے سب لفافے بھی محفوظ رکھے تھے) کہ یہ پتا دراصل نمبر ۱۴ شتائبن سڑاسے ہے۔ اور اقبال نے ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۳ء تک لکھے ہوئے تمام خطوں پر اصل میں یہی پتا (یعنی نمبر ۱۴) تحریر کیا ہے' سوائے خطوط نمبر

۲۵ (زیرِ نظر) اور ۲۶ کے --- جن پر انھوں نے اولاً" نمبر ۱۳ ڈالا ہے مگر پھر کسی نے (غالباً" ڈاکئے نے) اس نمبر کو تبدیل کر کے ۱۲ بنا دیا ہے (عکوس کے لئے ضمیمہ نمبر ۶ ملاحظہ کیجئے)۔ ہاں' اس مجموعے کے باقی لفافے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ پہلی جنگ عظیم کے اطراف اقبال نے جو دو خط ایما کو ۱۹ لویزن سڑاسے بائیکل بردن کے پتے پر بھیجے تھے (یعنی خط نمبر ۱۹ مورخہ ۷ جون ۱۹۱۳ء' اور خط نمبر ۲۰ مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۱۹ء)' ان کو ہائیڈل برگ (Heidelberg, Redirect کرتے ہوئے ڈاکئے نے پرانا پتا کاٹ کر جو نیا پتا تحریر کیا وہ ۱۲ مٹل سڑاسے Mittelstr. 12) تھا۔ جولائی ۱۹۸۸ء میں ایما کی بھتیجی مسز ایڈتھ شٹ وگے ناسٹ مقیم ڈسل ڈورف نے مجھے بتایا تھا کہ جنگ عظیم اول کے لگ بھگ اس گلی کا یہی نام ہوتا تھا۔ پھر ناتسیوں (Nazis) کے زمانے میں اس کا نام بدل کر شالیں سڑاسے سے رکھ دیا گیا۔ (درانی' ۲۷ نومبر ۱۹۹۵ء و ۱۳ فروری ۱۹۹۶ء)

۸۹۔ Bayerischer Hof یعنی انگریزی کے مطابق Bavaria Court Hotel۔ پس تحریر: علامہ کی موعودہ تاریخ' یعنی ۱۸ جنوری ۱۹۳۳ء سے ظاہر ہے کہ ان کا ارادہ ہائیڈل برگ میں میڈرڈ سے واپسی کے سفر پر رکنے کا تھا' نہ کہ پیرس سے میڈرڈ کے رستے میں۔ (درانی' برمنگھم' ۱۳ فروری ۱۹۹۶ء)

۹۰۔ لیکن اگلا خط بھی دیکھئے۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!

۹۱۔ پس تحریر: اقبال کے اصل خطوں کے عکوس (عطائے ہوبوہم صاحب' اگست ۱۹۹۵ء) دیکھنے سے معلوم ہوا ہے کہ یہ آخری خط دراصل ایک پوسٹ کارڈ تھا (جو بہت بڑے سائز کا معلوم ہوتا ہے)۔ اس کی پشت پر کسی ہسپانوی شہر (غالباً میڈرڈ) کی ایک بڑی سڑک کی تصویر ہے' جہاں دو رویہ عظیم الشان عمارتیں اور کاریں وغیرہ نظر آتی ہیں۔ (عکس کے لئے دیکھئے ضمیمہ نمبر ۶)

۹۲۔ Conte Verdi۔ (جس کا اردو ترجمہ ہوگا: "نواب وردی")۔

۹۳۔ سید امجد علی علامہ کے ساتھ اسپین جانا چاہتے تھے۔ لیکن ایک روایت کے مطابق ان کی ناک میں پھنسی نکل آئی اور وہ نہ جا سکے۔ ہاں اس سفر ہسپانیہ میں ایک لیڈی سیکرٹری ضرور علامہ کے ہمراہ تھی۔ (دیکھئے اس کتاب میں میرا مضمون نمبر ۱۱: "ہسپانیہ میں علامہ کے نقش قدم پر"۔ ص ۲۷۳)۔

پس تحریر: بقول ڈاکٹر عبداللہ چغتائی (دیکھئے "اقبال کی صحبت میں" مطبوعہ مجلس ترقی ادب' لاہور' ۱۹۷۷ء۔ ص ۲۶۹-۲۷۰) دراصل ناک میں پھوڑا علامہ اقبال کے نکلا تھا' اور سید امجد علی اکیلے آسٹریا وغیرہ گئے۔ (درانی۔ الجزائر۔ ۱۷ اگست ۱۹۸۶ء)۔

۹۴۔ پس تحریر: میرا ذاتی خیال ہے کہ اگر علامہ اقبال واقعی شدت سے ہائیڈل برگ کا سفر کرنا چاہتے تو

میڈرڈ سے واپس لندن جاتے ہوئے (جہاں وہ ۲۶ جنوری ۱۹۳۳ء کو پہنچے)' یا پھر لندن سے وینس کے سفر کے دوران (جہاں انہیں ۱۰ فروری کے روز جہاز پکڑنا تھا)' وہ غالباً" کسی نہ کسی طور ہائیڈل برگ میں ضرور رک سکتے تھے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ ۲۶ برس کی مدت کے بعد' جب وہ دونو خاصے عمر رسیدہ ہو چکے تھے' علامہ مس ویگے ناسٹ سے ملنے سے ہچکچاتے ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب (درانی۔ لاہور' ۸ مارچ ۱۹۹۵)۔

-۱۰-

"فلسفہ عجم" کے اصل مسودے کی دریافت
اور
اس کے متن کا تقابلی جائزہ

جیسا کہ اس کتاب میں ذکر آ چکا ہے' میں کئی سال سے علامہ کے تحقیقی مقالے The Development of Metaphysics in Persia ("فلسفۂ عجم" یا "ایران میں علم مابعد الطبیعیات کا ارتقاء") کے اصل نسخے کی تلاش میں تھا۔ یہ مقالہ مطبوعہ صورت میں' چند ابتدائی صفحات کے حذف کے ساتھ' عام طور سے دستیاب ہے۔ مگر جب میں نے ۱۹۷۶ء میں میونخ یونیورسٹی میں اس مقالے کے اصل کی تلاش کی' تو یونیورسٹی لائبریری کے ڈائریکٹر جناب بوزاش صاحب (Dr L. Buzās) نے بتایا کہ چند سال قبل صد سالہ جشن ولادت اقبال کے سلسلے میں لائبریری کی کاپی حکومت ہند کو تحفتہً" دے دی گئی تھی۔ اور جہاں تک انہیں علم تھا یا ان کا خیال تھا' شاید جرمنی بھر میں اس کی اور کوئی کاپی موجود نہ تھی' اور یونیورسٹی کی فوٹو کاپی بھی غائب ہو چکی تھی۔ لیکن اس سے اگلے سال جناب منیر احمد شیخ ا۔ کی تحقیقات پر یہ حقیقت کھلی کہ میونخ یونیورسٹی لائبریری والی کتاب دراصل مطبوعہ صورت ہی میں تھی۔ پھر محترمہ پروفیسر انیماری شمل نے بھی یہ بات بتائی ۲۔ کہ اس زمانے میں جرمنی کی یونیورسٹیوں میں داخل کئے جانے والے .Ph.D کے تحقیقی مقالوں کی بالعموم کافی تعداد میں کاپیاں (بعد میں) طبع کی جاتی تھیں (شاید ایک یا دو سو تک)' اور یہ جرمنی کی کئی ایک یونیورسٹیوں میں داخل کی جاتی تھیں۔ بقول جناب منیر احمد شیخ' علامہ اقبال کے تھیسس (Thesis) والی کتاب کا ایک نسخہ جرمنی کی Münster یونیورسٹی میں بھی

موجود تھا۔ اور اس سے پیشتر ایک جرمن دانشور جناب ڈاکٹر رشارڈ مونگ (Dr Richard Mönnig) نے بھی جناب ممتاز حسن کی فرمائش پر اس کی تیس (اور ایک دوسری روائت کے مطابق پچاس) کاپیاں نکلوائی تھیں۔ (تفصیل کے لئے دیکھیے جناب محمد امان ہوبوہم کا مضمون "محمد اقبال اور جرمنی" جس کا ترجمہ اس کتاب میں شامل ہے۔)

مارچ ۱۹۷۹ء میں جب ایک سائنس کانفرنس کے سلسلے میں میرے ایک جرمن دوست جناب پروفیسر رائن ہارڈ برانٹ (Prof. Reinhard Brandt) اور میں اسلام آباد میں مجتمع تھے تو میں نے ان سے اقبال کے تھیسس کا تذکرہ کیا۔ پروفیسر برانٹ جرمنی کی ماربرگ یونیورسٹی (Marburg University) میں نیوکلیئر کیمسٹری (Nuclear Chemistry) کے استاد ہیں (اور رسالہ Nuclear Tracks سے بھی وابستہ ہیں، جس کا میں مدیر اعلیٰ ہوں)۔ انہوں نے کہا کہ ماربرگ یونیورسٹی کی لائبریری تاریخی (یعنی قدیم) کتابوں اور تحقیقی مقالوں کے مجموعے کے لئے مشہور ہے۔ اور وہ جرمنی واپس جا کر اس مقالے کا کھوج لگانے کی کوشش کریں گے۔ اس کے جلد بعد انہوں نے مجھے خوش خبری دی کہ مقالے کے پہلے ایڈیشن کا (یعنی جس میں ابتدائی صفحات موجود تھے) ایک نسخہ اس لائبریری میں مل گیا ہے۔ اس کتاب کی ایک عکسی نقل تو انہوں نے مجھے ۱۹۷۹ء کے اواخر ہی میں روانہ کر دی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ اس مقالے کی مزید پچاس یا سو کاپیاں وہ اپنی یونیورسٹی کے خرچے پر نکلوانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ پھر ایک دوسرے خط میں انہوں نے لکھا کہ لائبریری کے منتظمین اس کی کاپیاں نکلوانے کی اس وقت تک اجازت نہ دیں گے، جب تک اس کے کاپی رائٹ کا مسئلہ حل نہیں ہو جاتا۔ ان کے کہنے کے مطابق برطانوی نو آبادیاتی (Colonial) عہدِ حکومت کے قوانین اور کاپی رائٹ ایکٹ دونو کی الجھنیں اس کی راہ میں حائل تھیں۔

میں نے پروفیسر برانٹ کو مشورہ دیا کہ انہی دنوں ڈاکٹر محمد اجمل صاحب (سابقہ پرنسپل گورنمنٹ کالج لاہور اور وفاقی ایجوکیشن سیکرٹری) ہائیڈل برگ یونیورسٹی میں

مختیں Iqbal Fellow مقرر ہو کر آئے تھے۔ (جہاں میں حال ہی میں ان سے مل چکا تھا ۳۔)۔ چنانچہ پروفیسر برانٹ کو چاہئے کہ ڈاکٹر اجمل صاحب سے رابطہ قائم کریں کہ وہ حکومت پاکستان کی نمایندگی کرتے ہیں' اور اس طرح وہ شاید حکومت کی طرف سے کاپی رائٹ کی قدغن کے دور کرنے کا انتظام کر سکیں۔ اس کے چند ماہ بعد پروفیسر برانٹ نے مجھے لکھا کہ انہوں نے ڈاکٹر صاحب موصوف کو دو خط لکھے ہیں۔ لیکن ان کی طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا (بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ بد قسمتی سے ڈاکٹر صاحب کی صحت خراب تھی' اور بہت سے دیگر مسائل ان کے آڑے آ رہے تھے)۔

اتفاق سے جب یہ خط مجھے ملا۔ تو اس کے چند روز بعد ہی میں (اور میری بیوی) چین کے سائنسی دورے پر روانہ ہونے والے تھے' اور ہمیں رستے میں پاکستان رکنا تھا۔ یہ اپریل ۱۹۸۰ء کے وسط کی بات ہے۔ حسن اتفاق سے ۲۱ اپریل کو میں لاہور میں تھا' اور پنجاب یونیورسٹی کے سینیٹ ہال میں اقبال اکادمی کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے بڑے جلسے میں شامل ہوا۔ وہاں جناب جسٹس جاوید اقبال صاحب بھی موجود تھے۔ وقفے کے دوران مَیں ان کے پاس گیا' صورت حال کی وضاحت کی' اور پروفیسر برانٹ کا خط انہیں دکھایا۔ انہوں نے بڑی توجہ سے بات سنی' اور کہا کہ حضرت علامہ اپنی کتابوں کے کاپی رائٹ کے بارے میں بہت محتاط تھے۔ لیکن یہ تحقیقی مقالہ ہی ایک ایسی واحد کتاب تھی' جس کا علامہ نے کبھی کاپی رائٹ حاصل نہ کیا تھا۔ اور اسی وجہ سے یہ بزم اقبال لاہور کی طرف سے بھی شائع ہو چکی تھی۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ پروفیسر برانٹ بے جھجک اس کی کاپیاں نکلوا لیں۔ اور اگر وہ ضروری سمجھیں تو مجھے ایک خط لکھ دیں' میں فوراً" اس کی اجازت دے دوں گا۔ ۴۔

اور ایسا ہی ہوا۔ پروفیسر برانٹ نے خط لکھ کر جسٹس جاوید اقبال سے اجازت لے لی' اور ۱۹۸۰ء کے آخر تک انہوں نے اس مقالے کی ابتدائی مطبوعہ صورت کی ایک سو کاپیاں نکلوا لیں۔ ایک کاپی انہوں نے جناب جاوید اقبال کی خدمت میں پیش کی۔ ایک دو خود رکھ لیں۔ اور باقی تمام کاپیاں مجھے بھیج دیں' کہ جہاں مناسب

THE DEVELOPMENT OF METAPHYSICS IN PERSIA:

A CONTRIBUTION TO THE HISTORY OF MUSLIM PHILOSOPHY

BY

SHAIKH MUHAMMAD IQBAL
B. A. (Cantab) M. A. (Pb.) Ph. D. (Munich).

LONDON
LUZAC & CO 46, GREAT RUSSELL STREET W. C.
1908

"ایران میں مابعد الطبیعیات کا ارتقاء"۔ ("فلسفۂ عجم") کے "نسخۂ برمنگھم" کا صفحۂ عنوان۔ یہاں اقبال کی اس وقت تک کی تمام ڈگریاں درج ہیں۔

THE DEVELOPMENT OF METAPHYSICS IN PERSIA

INAUGURAL-DISSERTATION

DER

PHILOSOPHISCHEN FAKULTÄT SEKT I
(RESP II)

DER

Ludwig-Maxmilians-Universität, München.

BY

S. M. IQBAL M. A.

LONDON
LUZAC & CO. 46, GREAT RUSSELL STREET W. C.
1908

"ایران میں مابعد الطبیعیات کا ارتقاء" ("فلسفہ عجم") کے "نسخہ ماربرگ" کا صفحہ
عنوان- یہ لڈوگ میکسیملین یونیورسٹی میونک کے شعبہ فلسفہ قسمت اول (یا "دوم")
میں (انگریزی زبان میں) پیش کیا گیا تھا-

Genehmigt auf Antrag

des

Herrn Professor Dr. Fr. HOMMEL.

Printed by E. J. BRILL — LEIDEN (Holland).

اس کی پشت پر مندرج عبارت کا ترجمہ یوں ہے :

Approved at the proposal of Prof. Dr.Fr. Hommel

(جناب پروفیسر ڈاکٹر (فرز) ہومل کی تجویز پر منظور کیا گیا)۔۔ شاہی یونیورسٹی ماربرگ

کے کتب خانے کی مہر بعد کی ہے۔ (نوٹ از مصنف)

LEBENSLAUF.

I was born on the 3rd of Dhū Qaʿd 1294 A. H. (1876 A. D.) at Sialkot—Punjab (India). My education began with the study of Arabic and Persian. A few years after I joined one of the local schools and began my University career, passing the first Public examination of the Punjab University in 1891. In 1893 I passed the Matriculation and joined the Scotch Mission College Sialkot where I studied for two years, passing the Intermediate Examination of the Punjab University in 1895. In 1897 and 1899 respectively I passed my B. A. and M. A. from the Lahore Government College. During the course of my University career I had the good fortune to win several gold and silver medals and scholarships. After my M. A. I was appointed Mc Leod Arabic Reader in the Punjab University Oriental College where I lectured on History and Political Economy for about 3 years. I was then appointed Asst. Professor of Philosophy in the Lahore Goverment college. In 1905 I got leave of absence for three years in order to complete my studies in Europe where I am at present residing.

S. M. IQBAL.

"فلسفۂ عجم" کے "نسخۂ ماربرگ" میں مندرج کوائف حیات (Lebenslauf) جو
اقبال نے خود مہیا کیے تھے۔ یہاں دی گئی تاریخ ولادت پر بحث کتاب کے کئی
مضامین میں آ چکی ہے۔

سمجھوں، انہیں تقسیم کر دوں۔ چنانچہ ۱۹۸۲ء میں، جب میں اقوامِ متحدہ کے ایک سائنسی مشن پر پاکستان میں تھا، تو اس ماربرگ والے نسخے کی چند ایک کاپیاں میں نے گورنمنٹ کالج لاہور، اقبال اکادمی پاکستان اور اقبال میوزیم (جاوید منزل)، لاہور کو ہدیہ کر دیں۔ ارادہ ہے کہ باقی بیشتر نسخے اقبال اکادمی لاہور کے حوالے کر دوں کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق انہیں پاکستان اور بیرون پاکستان کے موزوں اداروں اور دانشوروں کے درمیان تقسیم کر دے۔ بزم اقبال لاہور اور Luzac & Co. کے شائع کردہ ایڈیشنوں کے مقابلے میں ماربرگ والے نسخے میں سرورق کے اختلاف، اور موخرالذکر نسخے میں علامہ کے سوانح حیات (Lebenslauf) کے اضافے، کے علاوہ اور کوئی قابل ذکر اختلاف نہیں ہے۔ ہاں لوزاک اینڈ کمپنی (اور بزم اقبال) والے نسخوں میں پروفیسر ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ کے نام کتاب کا انتساب بڑھا دیا گیا ہے۔

اوپر کے چند پیراگراف موجودہ مضمون کی ایک طرح سے تمہیدی سطور ہیں، جو اس کے پس منظر کو واضح کرتی ہیں۔ اب میں اس سلسلے کی اگلی کڑی کی طرف آتا ہوں، جو ۱۹۸۲ء کے موسم گرما میں اقبال کے تحقیقی مقالے کے اصل نسخے کی کیمبرج یونیورسٹی لائبریری میں دریافت ہے۔

اس دریافت میں دو چیزیں میری مددگار ہوئیں۔ پہلی تو ٹرنٹی کالج کیمبرج کے لائبریرین جناب فلپ گیسکل (Philip Gaskell) کا وہ مراسلہ ہے جو انہوں نے ۱۷ فروری ۱۹۷۷ء کو مجھے بھیجا تھا۔ اس میں انہوں نے لکھا تھا کہ "رجسٹری نے اس امر کی توثیق کی ہے کہ اقبال کو ایک Advanced Student (ترقی یافتہ، یا درجہ اعلیٰ کے طالب علم) کی حیثیت سے داخلہ ملا تھا۔ اور انہوں نے ایک Dissertation (تحقیقی مقالہ) پیش کیا تھا، (جو بظاہر "Moral Sciences" یعنی علومِ اخلاق کے کسی موضوع پر تھا)۔ یہ بی اے کی ڈگری کے لئے ۷ مارچ ۱۹۰۷ء کو خاص اجازت سے منظور کیا گیا تھا۔۵۔ اور انہوں نے اسی سال ۱۳ جون کے روز یہ ڈگری حاصل کر لی۔۔۔۔"۔

دوسری بات عطیہ بیگم کی کتاب "اقبال" کے پڑھنے سے مجھ پر اجاگر ہوئی۔ عطیہ بیگم (جو ۱۹۰۷ء میں مس عطیہ فیضی تھیں) اپنی کتاب میں لکھتی ہیں (صفحات ۲۵

تا ۲۷' مترجمہ عبدالعزیز خالد- آئینہ ادب' لاہور- ۱۹۷۵ء) کہ ۱۳ سے ۱۵ جولائی ۱۹۰۷ء تک وہ اور اقبال لندن میں ایک ساتھ مطالعۂ فلسفہ میں مصروف تھے- ۱۶ جولائی کو اقبال نے اپنے چند مسودے عطیہ فیضی کو دیئے' اور پھر ۲۳ جولائی ۱۹۰۷ء کو لندن ہی کی ایک محفل میں انہوں نے (یعنی مس فیضی نے) اپنے نام اقبال کا ایک خط پڑھ کر سنایا' جو انہیں جرمنی سے موصول ہوا تھا "جہاں اقبال پہلے ہی پہنچ چکے تھے"- اس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اقبال ۱۸ یا ۲۰ جولائی ۱۹۰۷ء کے لگ بھگ ہائیڈل برگ جا چکے ہوں گے-۶- پھر اس بات پر غور کیجئے (جو کئی ذرائع سے ہمیں معلوم ہے) کہ اقبال نے میونخ سے پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لئے زبانی امتحان ۴ نومبر ۱۹۰۷ء کو دیا تھا- (اس کی تصدیق میں نے ۱۹۷۶ء میں میونخ یونیورسٹی کے ریکارڈ میں بھی دیکھی تھی' اور مس ویگے ناسٹ کے نام اقبال کے خط مورخہ ۲ دسمبر ۱۹۰۷ء سے بھی اس کی توثیق ہوتی ہے- دیکھئے اس کتاب کے متعلقہ مضمون میں خط نمبر ۵)-

ان دو باتوں پر غور کرنے سے یہ نتیجہ ناگزیر ہے کہ اس تین' ساڑھے تین ماہ کی مدت میں (قریب ۲۰ جولائی تا آغاز نومبر ۱۹۰۷ء) یہ ممکن نہیں ہو سکتا کہ جرمن زبان سیکھنے اور ہائیڈل برگ اور میونخ وغیرہ میں تفریح کرنے کے علاوہ (جس کا ذکر عطیہ بیگم کی کتاب میں ہے) کوئی انسان فلسفے کے موضوع پر قریباً" دو سو صفحے کا ایک نیا اور مکمل تھیسس لکھ سکے- سو یہ لازمی امر ہے کہ اقبال نے مارچ ۱۹۰۷ء میں جو مقالہ Advanced Student کے طور پر پیش کیا ہوگا' ضرور اسی کی نوک پلک درست کر کے اسے اکتوبر ۱۹۰۷ء کے اواخر تک میونخ یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لئے داخل کر دیا ہوگا- ایسا کرنے میں اقبال حق بجانب بھی تھے' کیونکہ جیسا کہ فلپ گیسکل صاحب نے فروری ۱۹۷۷ء میں میرے سوال کے جواب میں (کہ اقبال نے کیمبرج یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کیوں حاصل نہ کرلی؟) مجھے بتایا تھا: "(کیمبرج یونیورسٹی کے) پی ایچ ڈی کے قواعد پہلے پہل مئی ۱۹۲۰ء میں منظور کئے گئے تھے' اور اس ڈگری کا اولین امیدوار ۱۹۲۱ء میں پیش ہوا"- (اس سے پہلے کیمبرج کے ہونہار طلبہ کو جرمنی سے پی ایچ ڈی لینے کی تشویق کی جاتی تھی- اور اسی لئے بیسویں صدی کے اوائل میں

ہندوستانی دانشوروں میں اتنی تعداد میں جرمنی کے اعلیٰ سند یافتہ لوگ پائے جاتے تھے۔ اقبال کو غالباً" ان کے ٹیوٹر پروفیسر میک ٹیگرٹ' یا اپنے پرانے استاد پروفیسر طامس آرنلڈ' نے جرمنی سے پی ایچ ڈی لینے کا مشورہ دیا ہوگا۔ یاد رہے کہ' جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا' لوزاک اینڈ کمپنی کے شائع کردہ نسخے میں اقبال نے اپنی کتاب کا انتساب پروفیسر آرنلڈ ہی کے نام کیا ہے)۔

بہرحال یہ خیال تو ایک عرصے سے میرے ذہن میں تھا کہ ہو نہ ہو میونخ والا تحقیقی مقالہ ("فلسفۂ عجم") یا اس کا بیشتر حصہ اقبال نے کیمبرج ہی میں مکمل کر لیا ہوگا' اور اس میں شاید کچھ اضافے یا نئے حوالے جرمنی میں شامل کئے ہوں گے' لیکن کسی وجہ سے مجھے یہ خیال پہلے نہ آیا کہ ہو سکتا ہے کہ ان کا کیمبرج والا مقالہ اب تک کیمبرج میں کہیں محفوظ ہو۔ کیونکہ میں نے کئی مرتبہ کیمبرج یونیورسٹی کی لائبریری میں اقبال کے نام کے تحت درج شدہ ان کی ساری کتابیں دیکھی تھیں' اور ان میں کہیں ان کے تحقیقی مقالے کا ذکر نہ تھا۔

پھر یکایک ۱۹۸۱ء کے دوران یہ خیال میرے تحت الشعور سے شعور میں ابھر آیا کہ ان کے بی اے والے Dissertation کی تلاش کیمبرج میں کرنی چاہئے۔ اتفاق سے جمعہ ۱۸ جون ۱۹۸۲ء کو میں Meteoritical Society (انجمن شہابیات) کی ایک میٹنگ کے سلسلے میں کیمبرج گیا۔ (یہاں' میں کہتا چلوں' کہ میں نے اس سے تین ماہ قبل خانۂ کعبہ میں حجر اسود کے دیکھنے کا ذکر کیا' کیونکہ بعض ماہرین شہابیات کے نزدیک یہ سب سے پرانا محفوظ شدہ آسمانی پتھر (Meteorite) ہے)۔ اس رات میں اپنے چند پرانے دوستوں کے یہاں کیمبرج میں ٹھہرا' کیونکہ اگلے روز میرے ذہن میں تین کام کرنا تھے۔ ایک' مشہور تاریخ نگار اور صحافی جناب ائین اسٹیفنز صاحب سے ملنا' جو میرے پرانے کرم فرما تھے۔ دوسرے' کیمبرج یونیورسٹی میں آثار عتیقہ کے پروفیسر جناب آلچن (F.R.Allchin) صاحب سے ملاقات' تاکہ کیمبرج میں اس اقبال فیلو شپ کے بارے میں تازہ ترین معلومات حاصل ہوں' جن کے قیام کے لئے اسٹیفنز صاحب اور میں ۱۹۷۶ء سے تگ و دو کر رہے تھے۔ (اور جس پر بعد ازاں جناب ڈاکٹر

معز الدین صاحب، سابق ڈائریکٹر اقبال اکادمی، ستمبر ۱۹۸۲ء میں فائز ہو کر آئے ہیں)۔ آیلجن صاحب کلیتہ العلوم شرقی (Faculty of Oriental Studies) کے اس بورڈ کے صدر تھے جو اس فیلو شپ کے انتظام اور فیلو (Fellow) کے انتخاب کے لئے ذمہ دار تھا۔ اور تیسرے، کیمبرج یونیورسٹی میں اقبال کے تحقیقی مقالے کی تلاش۔

اسٹیفنز صاحب سے بات چیت میں دیر لگ گئی۔ ایک اور ستم یہ ہوا کہ اسی صبح ایک اور صاحب سے، جن کو میں جانتا تھا اور جو اورینٹل فیکلٹی ہی میں ریڈر (Reader) ہیں، اتفاق سے ٹیلی فون پر بات ہوئی، تو انہوں نے بڑے وثوق سے کہا کہ آج ہفتہ ہے، اس لئے آج یونیورسٹی لائبریری بند رہے گی۔ میں نے کہا کیا آپ کو یقین ہے؟ کہنے لگے کامل یقین ہے، میں لائبریری میں بہت وقت گزارتا ہوں۔ چنانچہ میں نے اسٹیفنز صاحب کے یہاں سے اٹھنے میں کوئی خاص جلدی نہ کی۔ بہرحال، چونکہ آیلجن صاحب کیمبرج سے چند میل دور شہر کے دوسری طرف ایک بہت ہی خوبصورت پرانے گاؤں (Barrington) میں رہتے ہیں۔ اور وہاں جاتے ہوئے مجھے کیمبرج کے وسط سے بہرحال گزرنا تھا۔ اس لئے میں نے سوچا کہ احتیاطاً" لائبریری کو دیکھ ہی لیا جائے کہ شاید کسی معجزے کے ماتحت آج کھلی ہو۔ وہاں جا کر کار کھڑی کی تو دیکھا کہ بہت سے لوگ لائبریری میں آ جا رہے ہیں۔ اندر جا کر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ہفتے کے روز لائبریری ساڑھے بارہ بجے تک کھلی رہتی ہے۔ اس وقت بارہ بج کر چند منٹ ہو چکے تھے۔ خوش قسمتی سے میرا کیمبرج یونیورسٹی لائبریری کا ممبر شپ کارڈ (جو میں نے جولائی ۱۹۷۷ء کے اوائل میں بنوایا تھا، اور جو پانچ سال کے لئے کار آمد ہوتا ہے) ابھی مزید چند روز کے لئے قابل استعمال تھا۔ ورنہ نیا کارڈ بنوانے میں کافی وقت لگ جاتا۔

میں خدا کا نام لے کر لائبریری کے اندر داخل ہوا، اور سیدھا ایک نوجوان لائبریرین کے پاس گیا، جو زائرین کی مدد کے لئے مامور ہے۔ میں نے پوچھا کہ کیا بی اے کے Dissertation بھی لائبریری میں محفوظ کئے جاتے ہیں، بالخصوص جب کہ وہ ستر، اسی سال پرانے ہوں۔ (یعنی Ph.D. Theses کے علاوہ)۔ اس نے کہا کہ بہتر یہ

ہے کہ میں مخطوطات (Manuscripts) کے شعبے میں جاؤں اور وہاں اس کے متعلق استفسار کروں۔ یہ شعبہ لائبریری کی ایک اور منزل پر، اور ایک دور دراز کونے میں، واقع ہے۔ میں جب وہاں پہنچا تو بارہ بج کر بیس منٹ ہو چکے تھے، اور لائبریری کے بند ہونے میں صرف دس منٹ باقی تھے۔ اگر اس روز یہ کام سرانجام نہ پا جاتا، تو نہ جانے میں پھر کب کیمبرج جاتا۔

بہرحال، میں نے مخطوطات کے شعبے میں جاتے ہی اپنا تعارف کرایا، اور شعبے کے نگران صاحب کو بتایا کہ ایک مشہور شاعر اور فلسفی محمد اقبال، جنہیں حکیم مشرق کے نام سے پکارا جاتا ہے، کیمبرج میں ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۷ء تک تعلیم پا رہے تھے، اور ٹرنٹی کالج سے Advanced Student کی حیثیت سے انہوں نے ایک تحقیقی مقالہ (Dissertation) مارچ ۱۹۰۷ء میں داخل کیا تھا، جس پر انہیں جون ۱۹۰۷ء میں بی اے کی ڈگری ملی تھی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ان کا یہ تحقیقی مقالہ اس لائبریری میں محفوظ ہو؟ جناب نگران شعبہ نے (جن کا نام Mr P. J. Gautrey ہے، اور جو شعبہ مخطوطات میں انڈر لائبریرین ہیں)، فوراً" ایک رجسٹر نکالا جس میں پرانے تحقیقی مقالوں (Theses اور Dissertations) کی فہرستیں تھیں، اور چند لمحوں بعد خوش خبری دی کہ یہ مقالہ موجود ہے۔ میں نے پوچھا، کیا میں اسے دیکھ سکتا ہوں؟ اس پر وہ ایک کمرے میں گئے اور چند ہی منٹوں بعد واپس آئے تو ان کے ہاتھ میں ایک فائل نما سی کتاب تھی، جس پر سے برسوں کی جمع شدہ گرد وہ جھاڑ رہے تھے---- اور یہ کتاب انہوں نے میرے ہاتھوں میں تھما دی۔

مجھے اپنی خوش قسمتی پر یقین نہیں آ رہا تھا، کہ کیسے اس قدر جلد وہ گوہرِ نایاب میرے ہاتھوں میں آ گیا ہے، جس کی مجھے برسوں سے تلاش تھی۔ اور جو پچھلے پچھتر سال سے زمانے کی نگاہوں سے پوشیدہ اس کتب خانے میں دُرِ مکنون کی طرح محفوظ تھا۔ بقول شاعر

ویں سعادت بزورِ بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اگلے چند منٹوں میں میں نے بہت جلد اس کے صفحات کی ورق گردانی کی۔ یہ

قریب "12"x8 کا ایک ٹائپ شدہ مسودہ تھا۔ جس پر گتے کی جلد منسلک تھی۔ اس کے پہلے صفحے کی پیشانی پر لائبریری والوں نے یہ قلمی جملہ اور نمبر لکھ دیا تھا۔

Advanced Students Dissertation.

(65)

اور مقالے کے عنوان کے نیچے یہ مہر ثبت کر دی تھی:

University Library

Cambridge

D MY 17, 1907

مقالے اور مصنف کا نام اس سرورق پر یوں تحریر تھا:

DEVELOPMENT OF METAPHYSICS

in

PERSIA.

S.M.Iqbal.

مقالے کے آخری صفحے پر ٹائپ کرنے والی ایجنسی کا نام اور پتا بھی درج تھا:

5 King's Parade, Cambridge

Typewriting Bureau

بس ان آخری پانچ منٹوں میں میں یہی نوٹ لے سکا۔ لیکن رخصت ہونے سے پہلے میں نے اس مقالے کی فوٹو کاپی حاصل کرنے کی درخواست کے کاغذات پر کر کے گاٹری صاحب کے حوالے کر دیے، جن میں یہ یقین دہانی بھی موجود تھی کہ یہ نقل میں صرف ذاتی تحقیق کے لئے استعمال کروں گا۔

اس درخواست کے بعد میں واپس برمنگھم آ گیا۔ اور تعجب کر رہا تھا کہ یہ بات تو "بچہ بغل میں، ڈھنڈورا شہر میں" کا مصداق ہوئی۔ جس چیز کی تلاش مَیں میونک اور ماربرگ میں کر رہا تھا، وہ یہیں کیمبرج میں نکل آئی۔ اس چند منٹ کی ورق گردانی میں میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ کیمبرج والا یہ مقالہ ہوبہو وہی معلوم ہوتا ہے جو میونخ

Advanced Students Dissertation.

DEVELOPMENT OF METAPHYSICS

in

P E R S I A.

S. M. Iqbal.

"فلسفۂ عجم" کے مسودۂ کیمبرج کا صفحۂ عنوان۔ اقبال کے تحقیقی مقالے کا یہ مسودہ کیمبرج یونیورسٹی کی لائبریری میں محفوظ ہے۔ اس مقالے کی ایک مکمل نقل مصنف کتاب نے نومبر ۱۹۸۳ء میں لاہور کی دوسری عالمی اقبال کانگریس کے دوران جناب ڈاکٹر جاوید اقبال کے توسط سے اقبال میوزیم لاہور کو پیش کر دی تھی۔

یونیورسٹی میں پیش ہو کر .Luzac & Co کی طرف سے ۱۹۰۸ء میں چھپ چکا تھا۔ ابواب کے عنوانات وہی معلوم ہوتے تھے' حوالہ جات اور فہرست مندرجات بھی (جہاں تک میرے حافظے میں تھا) بعینہٖ وہی تھے۔ لیکن میں بے تابی سے مقالے کی فوٹو کاپی کے انتظار میں رہا' اور یہ وہی بات ہوئی کہ

ع   کہ عشق آساں نمود اول' ولے افتاد مشکلہا

۲۸ جون ۱۹۸۲ء کو جناب G. Waller, (Superintendent of the Manuscripts Reading Room) کی طرف سے یہ معذرت نامہ موصول ہوا کہ جب تک مصنف یا اس کے ورثاء کی طرف سے ایک تحریری اجازت نامہ میرے نام جاری نہ ہو' وہ اس مقالے کی نقل مجھے مہیا نہیں کر سکتے' کیونکہ یہ مقالہ کاپی رائٹ ایکٹ کے ماتحت آتا ہے۔ (کیمبرج یونیورسٹی لائبریری ملک کی چار کاپی رائٹ لائبریریوں میں سے ایک ہے)۔ انہوں نے یہ بھی لکھا کہ "غیر مطبوعہ مسودوں کا کاپی رائٹ تاریخ تحریر کے ایک سو سال بعد تک' یا مصنف کی وفات کے پچاس سال بعد تک' جو بھی ان میں سے طویل تر مدت ہو' قائم رہتا ہے"۔

اس کے بعد ہمارے درمیان بہت سی خط و کتابت رہی۔ قصہ مختصر یہ کہ جناب D. J. Hall, Under-Librarian (Administration) کے ۲۲ جولائی ۱۹۸۲ء کے تحریر کردہ خط سے معلوم ہوا' جس کے ساتھ انہوں نے یونیورسٹی کی ایک دستاویز معنونہ Copyright and Photocoying (کاپی رائٹ اور عکسی نقول) منسلک کر رکھی تھی' کہ مصنف کی اجازت کے بغیر کسی شخص کو ایک غیر مطبوعہ مقالے کا صرف دس فی صد تک حصہ بہم پہنچایا جا سکتا ہے۔ میں نے درخواست کی کہ کم از کم یہی دس فی صد حصہ (جو قریب ۱۶ صفحے بنتے تھے) مجھے مہیا کیا جائے' پیشتر اس کے کہ میں مصنف مرحوم کے ورثاء سے اجازت لے سکوں۔ میں نے درخواست کی کہ سرورق' حوالہ جات اور فہرست مطالب کے صفحات کے علاوہ (یعنی ان پر مستزاد) ہر باب کے پہلے ایک دو صفحے اس انتخاب میں ضرور شامل ہوں۔ آخر کار ۱۷ نومبر ۱۹۸۲ء کو مجھے اس مقالے کا منتخب دسواں حصہ موصول ہوا۔

جنوری ۱۹۸۳ء کے وسط میں "ڈان" کراچی کے نمایندۂ لندن جناب یحییٰ سید سے، جو اقبال سے متعلق میری تحقیقات میں کئی سال سے دلچسپی لے رہے تھے، میری اس دریافت کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ انہوں نے اس کی اطلاع "ڈان" میں چھپنے کے لئے بھیج دی، کیونکہ ۱۹۷۶ء میں "ڈان" ہی میں مَیں نے میونک میں اس مقالے کی تلاش کی خبر سے متعلق پہلے پہل ایک خط شائع کیا تھا۔ اس کے بعد یہی اطلاع میں نے "جنگ" لندن اور "نوائے وقت" لاہور کو بھی بھیج دی، کہ ان دونو اخباروں نے میونخ سے علامہ کے گمشدہ تھیسس کی خبر شائع کی تھی اور اس کے حکومت ہند کو "تحفتہً" دیئے جانے کے موضوع پر مضامین اور اداریے لکھے تھے۔

اس کے ساتھ ہی میں نے ۱۷ جنوری ۱۹۸۳ء کو علامہ کے فرزند ارجمند جناب جسٹس جاوید اقبال صاحب کو بھی ایک مفصل خط لکھا، جس میں اس مقالے کی تلاش کے پس منظر کی طرف اشارہ کرنے کے بعد میں نے انہیں ہماری ۲۱ اپریل ۱۹۸۰ء والی گفتگو کی یاد دہانی کرائی، جب انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ دراصل حضرت علامہ نے اپنے اس مقالے کو کبھی کاپی رائٹ ہی نہ کیا تھا۔ اور پھر اپنی موجودہ مشکل بیان کی، کہ کس طرح کیمبرج یونیورسٹی لائبریری کے مہتمم، علامہ اقبال کے ورثاء کی اجازت کے بغیر، اس نو دریافت مقالے کی فوٹو کاپی مہیا کرنے پر تیار نہیں ہو رہے۔ میں نے ان سے یہ اجازت دینے کی درخواست کی، اور یہ بھی کہا کہ میرا ارادہ ہے کہ اس مقالے کی ایک نقل اقبال میوزیم لاہور کو بھی بہم پہنچاؤں۔ مجھے بے حد خوشی ہوئی کہ اپنے والد محترم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے (جو خطوں کا جواب فی الفور دیا کرتے تھے) جناب ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب نے واپسی ڈاک سے اپنے خط مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۸۳ء میں پوری خوشی کے ساتھ مجھے اس بات کی اجازت مرحمت فرمائی کہ میں علامہ کے مذکورہ مقالے کی مکمل نقل حاصل کر لوں، اور اس کے بعد اس کی ایک کاپی اقبال میوزیم (جاوید منزل لاہور) کو براہ راست یا ان کے توسط سے مہیا کر دوں۔

اس خط کی بدولت (جس کا اصل نسخہ کیمبرج یونیورسٹی لائبریری کے اصرار پر مجھے داخل دفتر کرنا پڑا)، گو میری درخواست پر اس کا معائنہ کرنے کے بعد یہ انہوں نے

مجھے لوٹا دیا)' پایان کار علامہ اقبال کے بی اے کینٹب والے تحقیقی مقالے "فلسفۂ عجم" یا "ایران میں علمِ مابعد الطبیعیات کا ارتقاء" ("منظور شدہ" ۷ مارچ ۱۹۰۷ء) کی مکمل فوٹو کاپی مجھے پورے چھتر سال بعد ۸ مارچ ۱۹۸۳ء کے روز موصول ہوئی۔ اب یہ محققین اقبال کے مطالعے کے لئے دستیاب ہے' چونکہ میرا ارادہ ہے کہ عنقریب اس کی ایک کاپی اقبال میوزیم میں داخل کر دوں۔۷۔

اب کہ میں نے یہ مقالہ غور سے دیکھا اور اس کا بالاستیعاب مقابلہ ماربرگ والے نسخے کے ساتھ کیا ہے۔ تو دونو versions میں کئی ایک اختلافات نظر آئے ہیں' جن میں بعض تو لفظی یا سطحی سے ہیں' لیکن چند ایک اہم بھی ہیں۔ اس موضوع کے ساتھ پورا انصاف ایک سیر حاصل الگ مقالے ہی میں کیا جا سکتا ہے' جس کے لئے شاید سب سے زیادہ موزوں شخص میرے دوست ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی ہوں (دیکھئے: ان کی کتاب "تصانیف اقبال کا تحقیقی و توضیحی مطالعہ"۔ اقبال اکادمی لاہور' ۱۹۸۲ء)۔ ہاں' بر سبیل تذکرہ یہ کہتا چلوں کہ ان کی محولہ بالا کتاب میں ماربرگ والے اور بزم اقبال لاہور کے شائع شدہ ایڈیشنوں کے چند اختلافات کی تفصیل موجود ہے۔ جن میں سے بعض کی طرف میں نے ان کی توجہ اپنے ایک مفصل خط مورخہ ۱۴ جولائی ۱۹۸۰ء میں مبذول کی تھی۔ اسی طرح ان کی کتاب میں ماربرگ والے ایڈیشن کے سرورق اور لوزاک اینڈ کمپنی کے شائع کردہ "عام ایڈیشن" (نسخہ برمنگھم) کے سرورق کی فوٹو کاپیاں بھی شامل ہیں' جو ہر دو میں نے انہیں بہم پہنچائی تھیں۔۸۔ ہاں' کیمبرج والے مسودے میں اقبال کے سوانح حیات درج نہیں ہیں۔ جو ماربرگ والے نسخے میں Lebenslauf کے عنوان کے تحت دیے گئے ہیں۔

یہاں میں قارئین کی دلچسپی کے لئے ماربرگ کے ایڈیشن اور کیمبرج والے مسودے کی فہرست ہائے مطالب (List of Contents) پیش کرتا ہوں (دیکھئے صفحات مقابل)۔ اس سلسلے میں چند معروضات شاید باعث دلچسپی ہوں۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ "مسودے" (= کیمبرج والا مسودہ' یعنی ٹائپ شدہ Dissertation) میں ابواب کی تعداد پانچ ہے' جبکہ "کتاب" (= ماربرگ ایڈیشن'

یعنی مطبوعہ (Ph.D.Thesis) میں' ان کی تعداد چھ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسودے کے باب سوم کے دو ٹکڑے کر کے اسے کتاب میں ابواب سوم و چہارم کے طور سے طبع کیا گیا ہے۔ وہ یوں کہ مسودے کے باب سوم کے' جزو سوم (Section III) کو کتاب میں ایک علیحدہ باب (باب چہارم) بنا دیا گیا ہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ مسودے کے باب دوم کا جزو اول (Section I) معنونہ "فارابی" کتاب میں بالکل حذف کر دیا گیا ہے۔ اور یوں اس مسودے کی دریافت کی بدولت اقبال کی ایک نئی غیر مطبوعہ تحریر برآمد ہوئی ہے (اس بارے میں مزید بحث آگے آتی ہے)۔

یہاں اس بات کا تذکرہ ضروری ہے کہ مسودے اور کتاب دونو میں فہرست مطالب (Contents) اور متن کے عنوانات میں کئی ایک باہمی تضادات ملتے ہیں۔ مثلاً باب سوم کا عنوان مسودے اور کتاب دونو کی فہرست میں بطور Islamic Rationalism دیا گیا ہے' جب کہ دونو کے متون میں اس باب کا عنوان دراصل The Rise and Fall of Relationalism in Islam ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اقبال کا منشا مقالے کا ایک تیسرا حصہ (Part III) اس عنوان (Islamic Rationalism) کے ساتھ قائم کرنا ہو۔ اور ....The Rise and Fall اس کا ذیلی عنوان ہو۔ (یا اس کے برعکس!)۔ کیونکہ حصہ دوم (Part II) کے عنوان' یعنی "Greek Dualism" کا اطلاق باب سوم اور ابواب مابعد پر نہیں ہوتا۔ اس' اور اسی قسم کے کئی ایک اور تضادات (Discordances) سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس مقالے کی آخری شکل (یعنی فہرست مطالب وغیرہ کی ترتیب) اقبال نے کافی عجلت میں مکمل کی۔ اور جو خامیاں (یا Disagreements) مسودے کی آخری تشکیل میں رہ گئی تھیں' وہ کتاب کی آخری ترتیب میں بھی باقی رہ گئیں۔ اس کی ایک مثال کتاب میں باب پنجم کے Section II C میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ جہاں فہرست مطالب میں اندراجات یوں نظر آتے ہیں:

C. (I) Reality as Light..... 120

CONTENTS.

PART I.

Pre-Islamic Persian Philosophy.

"فلسفۂ عجم" کے "مسودۂ کیمبرج" کی فہرست مطالب

CONTENTS.

PART I.
Pre-Islamic Persian Philosophy.

PART II.
Greek Dualism.

"فلسفۂ عجم" کے "نسخۂ بار برگ" کی فہرست مطالب۔ "مسودۂ کیمبرج" کی فہرست سے
اس کے اختلافات پر بحث زیر نظر مضمون میں ملاحظہ کیجئے۔

(Return to Persian Dualism– Al-Ishraqi)

(2) Reality as Thought– Al-Jili.....121.

جب کہ کتاب کے متن میں یہ اجزا یوں آتے ہیں:

C. *Reality as Light or Thought.* (p. 120)

I. Reality as Light--Al-Ishraqi.

Return to Persian Dualism. (p. 121)

II. Reality as Thought-- Al-Jili. (p.150)

یعنی نہ صرف Section II. C کے جلی اور ذیلی عنوانات میں فرق ہے (اور یہ فرق مسودے کی فہرست اور اس کے متن میں بھی ہے!)، بلکہ کتاب کی فہرست میں C II کا صفحہ بھی غلط درج ہے (یعنی ۱۲۱، بجائے ۱۵۰ کے)۔

مطبوعہ کتاب اور مخطوطہ مسودے کے تقابل سے ایک تیسری اہم بات یہ نظر آتی ہے کہ کتاب میں کسی ماہر مستشرق نے تمام عربی (اور فارسی) الفاظ کا املا (Orthography) بڑی احتیاط کے ساتھ اس زمانے کے ٹکسالی (Standard) معیار یا کلیوں سے مطابق کر دیا تھا۔ اس کی چند ایک مثالیں ان دو فہرست ہائے مطالب ہی میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ مثلاً مسودے کے Sufiism'Asharite 'Miskawaih اور Ashraqi کو کتاب میں بالترتیب یوں تحریر کیا گیا ہے: Ash'arite-Maskawaih- Sufiism اور Al-Ishraqi– اس قسم کی تہذیبِ املا کی ہزاروں مثالیں ساری کتاب کے اندر موجود ہیں۔ ہاں، مسودے میں ص ۱۳۶ پر ذیلی عنوان میں اور اس جزو (C II) کے متن میں سہواً" Al-Jili کو کئی بار Al-Jilani تحریر کیا گیا ہے۔ (اور ان کی جائے ولادت جیلان (Jilan) ظاہر کی گئی ہے)۔ ہو سکتا ہے کہ اقبال نے یہ اصلاح خود ہی کتاب کی طباعت سے پہلے کر دی ہو۔ (مسودے کی فہرست مطالب، باب چہارم جزو C.II میں یہ نام موجود نہیں ہے۔ صرف متن میں آتا ہے)۔

کیمبرج یونیورسٹی والے نو دریافت نسخے (یعنی "مسودے") میں کئی مقامات پر (سرسری نظر میں شاید چالیس یا پچاس مقامات پر) ہاتھ سے کی گئی تصحیحات

(Corrections) نظر آتی ہیں۔ جن میں سے بیشتر ہجوں کی درستیاں ہیں۔ گو معدودے چند جگھوں پر قواعد کے معمولی تسامحات کی درستیاں بھی ان میں شامل ہیں۔ (مثلاً مسودے کے صفحہ ۵۰ پر strived کو درست کر کے strove لکھا گیا ہے۔ اور ص ۵۴ پر weaved کی اصلاح wove کے طور پر کی گئی ہے)۔ یہ تمام اصلاحات مسودے کے الفاظ کو کاٹنے کے بغیر متعلقہ لفظ کے اوپر ہاتھ سے تحریر کی گئی ہیں۔ مثلاً strived (ove)۔
مجھے اس بات کا پوری طرح یقین نہیں ہے کہ آیا یہ اصلاحات خود اقبال کے ہاتھ کی ہیں، یا ان کے کسی نگران یا ممتحن یا مشیر، مثلاً سر طامس آرنلڈ۹، کے قلم سے ہیں۔ ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ گو مسودے کی بیشتر ایسی تصحیحات مطبوعہ کتاب میں لے لی گئی ہیں، بعض پھر بھی رہ گئی ہیں۔ مثلاً اوپر کی درج شدہ دو مثالوں میں سے strove والی درستی تو کتاب میں کر دی گئی ہے (ص ۶۷)، مگر weaved والی غلطی کتاب میں بھی در آئی ہے (ص ۵۸)۔ ویسے اس امر کا اعلان یہاں شاید بے محل نہ ہو کہ اس مقالے میں زبان و بیان اور قواعد و محاورہ کے لحاظ سے اقبال کی انگریزی بالعموم بڑے اعلیٰ پائے کی ہے، جیسا کہ ان کی بعد کی تحریروں اور کتابوں (مثلاً "خطباتِ مدراس") میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ بہرحال ان تصحیحات کو غور سے دیکھنے پر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ کیمبرج یونیورسٹی والے اس مسودے پر (جو غالباً جنوری یا فروری ۱۹۰۷ء میں پیش کیا گیا ہوگا کیونکہ ۷ مارچ تک یہ ڈگری کے لئے منظور ہو چکا تھا)۱۰، جو قلمی درستیاں کی گئی ہیں وہ غالباً مطبوعہ کتاب کی ترتیب سے پہلے کی جا چکی تھیں، اور اقبال کے علم میں تھیں۔ یاد رہے کہ میونک یونیورسٹی میں اس مقالے پر زبانی امتحان ۴ نومبر ۱۹۰۷ء کو منعقد ہوا تھا۔ اور یہ کتاب آخر جون ۱۹۰۸ء سے پیشتر طبع ہو چکی تھی۔ کیونکہ اس کے ایک نسخے ("نسخۂ برمنگھم") پر، جو اب میرے پاس ہے، اقبال کے دستخط مورخہ ۳ جولائی ۱۹۰۸ء موجود ہیں۔ چنانچہ مسودے پر ثبت شدہ یہ تمام قلمی تصحیحات میرے اندازے میں جنوری، فروری ۱۹۰۷ء اور قریباً مارچ ۱۹۰۸ء کے درمیانی عرصے میں کی گئی ہوں گی، کیونکہ ظاہر ہے کہ کتاب کا مسودہ پریس میں داخل کرنے سے لے کر اس کے شائع ہونے تک کم از کم تین ماہ تو

لگ ہی گئے ہوں گے (یعنی یہ اصلاحات کسی بعد کے قاری کی کی ہوئی نہیں ہیں، جس نے جولائی ۱۹۰۸ء اور جون ۱۹۸۲ء کے درمیانی عرصے میں یہ مسودہ پڑھا ہو)۔

ایک چوتھی اہم بات یہ ہے کہ مسودے کے شروع میں صفحہ (v) پر جو مآخذ درج ہیں، وہ بعینہٖ وہی ہیں جو کتاب کے ابتدائی صفحات (xi--xii) پر درج ہیں۔ اس مسودے کے دیکھنے سے پہلے میرا خیال یہ تھا کہ اس فہرست کے پہلے تین ماخذ، جن کا منبع شاہی کتب خانہ برلن (Royal Library of Berlin) دکھایا گیا ہے، ان کا اضافہ اقبال نے شاید جرمنی جانے کے بعد کیا ہو۔ لیکن چونکہ اب یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ ماخذ کیمبرج والے مسودے میں پہلے ہی سے موجود تھے، اس لئے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جرمنی جانے کے بعد اقبال نے مقالے کے متن میں نئے ماخذوں کی بنیاد پر کوئی بڑے پیمانے کے اضافے نہ کئے تھے۔ ہاں کتاب اور مسودے کے متون کے بہ احتیاط تقابل کے بعد دو جگہوں پر میں نے قابل ذکر نئے ماخذ یا حوالے ضرور دیکھے ہیں، جن کا ایزاد کتاب میں کیا گیا ہے۔ ان میں سے پہلا مقام کتاب کے صفحہ ۱۲ کا فٹ نوٹ نمبر(۱) ہے۔ یہاں اقبال نے

Salemann : Bulletin de l' Académie des Sciences de St. Petersburg

Series IV, 15 April 1907, pp. 175--184.

کا حوالہ دیا ہے، جو ظاہر ہے کہ کیمبرج والے مقالے کی پیشکش (Submission) مورخہ مارچ (یا فروری) ۱۹۰۷ء کے بعد شائع ہوا تھا۔ اس کے فوراً بعد اسی فٹ نوٹ میں ایک دوسرا حوالہ F.W.K. Müller کے نام سے ۱۹۰۴ء کے جرمن زبان میں شائع شدہ مضمون کی طرف بھی ہے۔ غالباً ان دونو حوالوں کی طرف اقبال کی توجہ کیمبرج والا مقالہ پیش کرنے کے بعد کسی نے دلائی ہو گی (اور چونکہ پہلا مضمون فرانسیسی زبان میں ہے، جس سے اقبال ناواقف تھے، اس لئے ہو سکتا ہے کہ اس کی طرف ان کی توجہ ان کے نگران تحقیق، یا پھر..... جو زیادہ قرین قیاس ہے..... پروفیسر آرنلڈ یا ڈاکٹر نکلسن نے مبذول کی ہو)۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ حوالے اقبال نے جرمنی جانے سے پہلے کیمبرج ہی میں مارچ یا جولائی ۱۹۰۷ء کے درمیانی عرصے میں دیکھ

لئے ہوں۔ اگرچہ دوسرا یعنی جرمن زبان والا حوالہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے جرمنی جانے کے بعد دیکھا ہو۔ دوسرا مقام کتاب کے حصہ دوم (باب سوم) صفحات ۴۷-۴۸ پر ہے۔ جہاں اقبال نے دو طویل فٹ نوٹوں کا اضافہ کیا ہے۔ یہاں پہلا حوالہ (۱۸۷۱ء کے ایک مضمون کے علاوہ) پروفیسر ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ کے edit کئے ہوئے ایک رسالے "المعتزلہ" (مطبوعہ لائپزگ Leipzig – ۱۹۰۲ء) کی طرف ہے۔ اور دوسرا پروفیسر آرنلڈ کے اسی رسالے کے علاوہ پروفیسر ای۔ جی براؤن (E.G. Browne) کی مشہور کتاب A Literary History of Persia کی جلد اول (مطبوعہ ۱۹۰۲ء۔ دوسری جلد ۱۹۰۶ء میں شائع ہوئی تھی) کی طرف ہے۔ یہاں کافی بحث پھر پروفیسر آرنلڈ کے زیر ادارت شائع ہونے والے رسالے "المعتزلہ" سے متعلق ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقالہ داخلہ کرنے کے بعد اقبال نے آرنلڈ اور شاید ڈاکٹر نکلسن اور پروفیسر براؤن کے ساتھ ان موضوعات پر لندن اور کیمبرج میں ضرور مزید بحث و تمحیص کی ہو گی۔ ان دو مقامات کے علاوہ مجھے کتاب میں حوالوں کے کوئی اور اضافے نظر نہیں آئے۔ اگرچہ کتاب میں کئی مقامات پر حوالوں کو زیادہ صراحت کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔ یعنی مضمون نگار اور کتاب کا مکمل نام اور اس کی تاریخ اشاعت وغیرہ دی گئی ہے۔ اور جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا' "کتاب" میں ناموں کے ہجے مستشرقین کے معیاری انداز میں درج کئے گئے ہیں۔ مثلاً جہاں مسودے میں صفحہ ۳۲ پر فٹ نوٹ میں ایک حوالہ یوں نظر آتا ہے: l. Ibmul Kalam p.l41 (یہاں I کے بجائے b ٹائپسٹ کی غلطی ہے)' وہاں کتاب میں صفحہ ۳۳ پر یہ حوالہ یوں درج ہے:

l. Maulana Shibli 'Ilm al-Kalam, p. l4l. (Haidarabad)

متذکرہ بالا اضافے اور اصلاحات' اور ان کے علاوہ متن میں بڑے پیمانے پر تبدیلیاں' جن کا ذکر میں نیچے کرنے والا ہوں' یہ سب اقبال نے یا تو کیمبرج میں مقالہ داخل کرنے سے لے کر میونخ کے امتحان میں شامل ہونے تک' یا ان میں سے بعض جرمنی سے لوٹنے کے بعد قیام لندن کے درمیان (یعنی ۵ نومبر ۱۹۰۷ء تا موسم بہار یا آغازِ تابستان ۱۹۰۸ء) کی ہوں گی۔ جبکہ ان کے پاس کچھ زیادہ وقت رہا ہوگا۔۔ اگرچہ

وہ اُن دنوں بار کے امتحانات کی تیاری میں اور پروفیسر آرنلڈ کی نیابت میں لندن یونیورسٹی کے لیکچر دینے میں[۱۱] مصروف رہے ہوں گے۔

آیئے، اب آخر میں کیمبرج والے "مسودے" اور ماربرگ والی مطبوعہ "کتاب" میں (جس کا متن لوزاک اینڈ کمپنی کے عام ایڈیشن ("نسخہ برمنگھم") اور بزم اقبال لاہور کے شائع شدہ نسخے میں برقرار رکھا گیا ہے) ان قابل ذکر اور اہم اختلافات کا جائزہ لیا جائے جن کی طرف میں نے ذرا پہلے اشارہ کیا تھا۔ اور یہ ہیں مسودے کے باب دوم (صفحات ۱۸ تا ۴۰) اور باب سوم (صفحات ۴۱ تا ۸۲) میں بڑے پیمانے پر کی گئی تبدیلیاں۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، مطبوعہ کتاب میں مسودے کے حصہ دوم، باب دوم کا جزو اول (Section I of Chapter II) بالکل حذف کر دیا گیا ہے۔ (اس جزو کا عنوان مسودے کی فہرست مطالب میں یوں درج ہے: Sec: I. Farabi جب کہ متن میں اسے یوں درج کیا گیا ہے: SECTION I. Al-Farabi (d. 950 A.D.)-

یہ جزو مسودے کے صفحات ۲۱ تا ۲۶ تک پھیلا ہوا ہے۔ اور اس کے ذیلی عنوانات یوں ہیں: Metaphysics (صفحات ۲۲-۲۳) Cosmology (صفحات ۲۳-۲۴) اور Psychology (صفحات ۲۵-۲۶)۔ یاد رہے کہ مسودے کے باب چہارم، جزو دوم، حصہ C.I (یعنی کتاب کے باب پنجم، جزو دوم، حصہ C.I) میں ان سے ملتے جلتے ذیلی عنوانات استعمال کئے گئے ہیں۔ یعنی Ontology, Cosmology, Psychology - لیکن دونو جگہوں پر ان موضوعات کی بحث ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے۔ بہر صورت مسودے کا یہ حذف شدہ جزو (Section I, Chapter II) جو تقریباً" چھ صفحوں پر پھیلا ہوا ہے،[۱۲] اقبال کی ایک اہم غیر مطبوعہ تحریر ہے۔ کتاب میں اس حذف شدہ حصے کی طرف باب دوم کے جزو اول (Section I) صفحہ ۲۶ کے پہلے فقرے میں صرف ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے: "سرخسی اور فارابی (جو ترک تھا) اور حکیم رازی (م-۹۳۲ء) کے ناموں سے درگذر کرتے ہوئے-----" جب کہ مسودے میں یہاں صرف سرخشی اور رازی کے ناموں سے درگذر کرنے ("Passing over") کا

ذکر تھا (صفحہ ۲۱)۔ (نوٹ۔ مسودے میں پہلے فلسفی کا نام Sarkhashi درج کیا گیا ہے۔ جب کہ کتاب میں اس نام کے ہجے Sarakhsi لکھے گئے ہیں۔ دونو نسخوں کے فٹ نوٹ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ یہ شخص عرب فلسفی الکندی کا شاگرد تھا' اس کا انتقال ۸۹۹ء میں ہوا۔ اور بدقسمتی سے اس کی تصنیفات ہم تک نہیں پہنچی ہیں)۔ لیکن کتاب میں کہیں اس بات کا جواز نہیں دیا گیا کہ فارابی کا ذکر کیوں حذف کر دیا گیا ہے۔ فارابی ایک اہم حکیم گذرا ہے۔ اور کیمبرج والے مقالے یعنی "مسودے" میں اس کے فلسفے اور تعلیمات پر اقبال نے کافی تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے' جیسا کہ مندرجہ بالا ذیلی عنوانات (علم مابعد الطبیعیات۔ علم کائنات' اور علم نفسیات) اور ان کے ماتحت مباحث سے واضح ہوتا۔ ان معلومات کے مآخذ اقبال نے مسودے کے صفحات ۲۱' ۲۲' ۲۳' و ۲۵ پر مندرجہ فٹ نوٹوں میں یوں بیان کئے ہیں :

(i) "Al-Baihiqi's History of Philosophers ; fol. 6 b."

(ii) "Philosophische Abhandlungen (Farabi) ; published by Dr. Dietrici p. 1 ; p. 58 ; p. 59 ; p. 71 ; p. 72"

مسودے کے باب دوم کا باقیماندہ حصہ (یعنی جزوہائے دوم و سوم' صفحات ۲۶ تا ۴۰) معمولی تصحیحات کے علاوہ من و عن کتاب کے صفحات ۲۶ تا ۴۵ میں چھاپ دیا گیا ہے۔

مسودے اور کتاب کے متنوں میں دوسرا بڑے پیمانے کا اختلاف مسودے کے باب سوم میں پیدا ہوا ہے' جس کا جزو سوم (Section III) کتاب میں باب چہارم کے طور سے پیش کیا گیا ہے۔ اور اس کے علاوہ کئی اور اہم اور دور رس تبدیلیاں اس باب یا ابواب کے متن اور نفس مضمون میں کی گئی ہیں۔ پہلے ہیئت کی بات کرتا ہوں۔ ایک ابتدائی تبصرہ تو یہ ہے کہ مسودے کے باب سوم کا عنوان' اور اس کے بعد جزو اول کا ذیلی عنوان' فہرست مطالب (Contents) میں یوں درج ہے :

Chapter III. Islamic Rationalism.

Sec : I. Metaphysics of Rationalism---Materialism

جب کہ متن میں یہ عنوانات یوں دکھائی دیتے ہیں (ص ۴۱) :

CHAPTER III.

The Rise and Fall of Rationalism in Islam.

SECTION I. The Rise of Rationalism.

اور کتاب میں بھی کچھ ایسے ہی اختلافات در آئے ہیں۔ یعنی کتاب کے باب سوم کا عنوان تو فہرست مطالب میں Islamic Rationalism اور متن میں (ص ۴۵) The Rise and Fall of Rationalism in Islam. ہی ہے (جیسا کہ مسودے میں ہوا)، لیکن کتاب کے متن میں جزو اول (Section I) کا ذیلی عنوان اب فہرست مطالب کے مطابق ہے (بہ اضافہ The)، یعنی

I. The Metaphysics of Rationalism--Materialism.

بہرحال، یہ تیسرا باب مسودے کے صفحات ۴۱ تا ۸۲ تک محیط تھا۔ (نوٹ۔ مسودے میں ٹائپسٹ نے ص ۷۱ کے بعد اگلے صفحے کا نمبر ۷۳ ٹائپ کر دیا ہے۔ لیکن یہ سہو کتابت ہے، کیونکہ ص ۷۱ کا آخری فقرہ ص ۷۳ کی پہلی سطر میں ٹھیک ٹھاک جاری رہتا ہے۔ اور کتاب میں بھی اسی طرح متشکل ہوا ہے (ص ۸۳)۔ لیکن اس سلسلے میں سب سے نمایاں بات یہ ہے کہ (جیسا کہ اوپر ذکر آیا) مسودے کے باب سوم کو کتاب میں دو حصوں میں تقسیم کر کے پیش کیا گیا ہے۔ جس سے میری مراد یہ ہے کہ اس کے آخری جزو، یعنی جزو سوم (مسودہ، صفحات ۷۰ تا ۸۲) کو کتاب میں ایک نئے باب، یعنی باب چہارم، کے طور سے شائع کیا گیا ہے (کتاب، صفحات ۸۱ تا ۹۵)۔ برسر تذکرہ، یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ مسودے اور کتاب دونوں کی فہرست مطالب اور متن میں اس جزو (یا باب) کے عنوان میں تھوڑا سا تغیر الفاظ پایا جاتا ہے، یعنی دونو فہارس میں یہ عنوان :

Controversy between Realism and Idealism.

ہے، جب کہ دونو متون میں یہ یوں درج ہے :

Controversy between Idealism and Realism.

ہیئت کے بعد دوسری بات کی طرف آتا ہوں، جو بہت زیادہ اہم ہے۔ اور یہ ہیں نفس مضمون اور متن کے تغیرات۔ اور جیسا کہ میں نے اوپر کہا یہ بہت ہمہ گیر اور دور رس ہیں۔ اول تو یہ کہ مسودے کے اس سارے باب (سوم) کے بہت سے حصوں کو نئی ترتیب دے کر کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ صفحات ۴۳ تا ۴۶ (مشمولہ ہر دو)، اور نیز ص ۵۰، تمام و کمال حذف کر دیئے گئے ہیں۔ جبکہ مسودے کے صفحات ۵۱ و ۵۲ کے بعض حصے یا تو حذف کئے گئے ہیں اور یا بالکل تہ و بالا کر دیئے گئے ہیں۔ مثلاً مسودے کے ص ۵۲ کا زیریں حصہ، جو کتاب کے ص ۵۶ پر آیا چاہتا تھا، یکایک غوطہ کھا کر پھر کتاب کے باب سوم کے آخری صفحے (یعنی ص ۸۰) پر دوبارہ نمودار ہو جاتا ہے۔ (یعنی مسودے کے نکتہ ۳ (ص ۵۲) کے آغاز سے لے کر تا آخر، مع دونو طویل حاشیوں کے، جو البیرونی اور ابن ہیثم سے متعلق ہیں)۔

اور تیسرے یہ کہ کتاب کے کئی صفحات کا مواد بالکل نیا ہے۔ مثلاً، کتاب کے صفحات ۴۸ و ۴۹ مع ان کے طویل فٹ نوٹوں کے (جن کا پہلے ذکر آ چکا ہے)۔ ص ۴۷ کا زیریں حصہ بھی نیا ہے۔ اور اسی طرح کتاب کے صفحات ۵۰ اور ۶۶ دونو سر تا پا (یعنی شروع سے آخر تک) نگارش تازہ ہیں۔ مزید برآں کتاب کے صفحات شمار ۵۱ (تین چوتھائی)، ۵۲، ۵۳، ۵۵، ۵۶، ۵۷ (تقریباً" تمام)، ۶۵ (تقریباً" تمام)، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۹، اور ۸۰ میں بیش تر، یا کافی، مواد نیا ہے، جو مسودے میں موجود نہ تھا۔

ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ کتاب کے اندر باب سوم کے حصہ دوم (Section II, Chapter III) کا عنوان یوں دیا گیا ہے:

Contemporary Movements of Thought-- p.55 (to p.64)

لیکن یہ عنوان مسودے کے باب سوم میں سرے سے موجود ہی نہیں۔ اور یوں مسودے کے باب سوم میں کتاب والے صرف پہلے دو عنوانات ہی درج ہیں، اگرچہ کتاب کے اس بظاہر نئے حصے (باب سوم، حصہ دوم، صفحات ۵۵ تا ۶۴) میں جو مواد طبع کیا گیا ہے وہ کچھ تو واقعی نیا ہے مثلاً حصہ دوم کا پہلا پیراگراف جو ص ۵۵ پر ہے،

مزید برآں کتاب کے صفحات ۵۵، ۵۶ اور ۵۷ کے بعض حصے بھی، جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے)، لیکن کچھ مواد مسودے کے مختلف صفحات کی محض ترتیب نو پر مشتمل ہے (مثلاً مسودے کے صفحات ۵۱، ۵۲ اور ۵۳ کے بعض حصے کتاب کے صفحات ۵۶، ۵۷ پر، مسودے ہی کی ترتیب کے مطابق، درج پائے جاتے ہیں)۔

لیکن کتاب کے باب چہارم:

Controversy between Idealism and Realism

میں، جو اصل میں مسودے کے تیسرے باب کا جزو سوم تھا، کوئی قابل ذکر تبدیلی نہیں کی گئی، سوائے چند الفاظ کے بدلنے کے۔ مثلاً اس باب کے پہلے پیراگراف میں مسودے کے اس فقرے:

The publication of Najmud Din Al-Katibi's (a follower of Aristotle whose followers were called Philosophers as distinguished from Scholastic Theologians) "Philosophy of Essence" - - - .

میں مندرجہ ذیل تبدیلیاں کی گئی ہیں: (i) کتاب میں اس فلسفی کے نام کے ہجے Najm-al-Din Al-Katibi بنا دیئے گئے ہیں۔ (ii) whose followers کو whose disciples میں بدل دیا گیا ہے۔ (iii) Theologians کی بڑی T کتاب میں چھوٹی t کے طور سے چھاپی گئی ہے۔ اور (iv) نجم الدین الکاتبی کی تصنیف کے انگریزی نام سے پہلے اس کے عربی نام کا اضافہ کر دیا گیا ہے، یعنی Hikmat al- 'Ain۔

لیکن مداحین و دانش جویان اقبال کے لئے سب سے زیادہ دلچسپ اور اہم چیز اقبال کی وہ غیر مطبوعہ تحریر ہے جو اس مسودے کے باب سوم، جزو اول میں (جس کا عنوان متن کے اندر یوں دیا گیا ہے: (Section I : The Rise of Rationalism موجودہ تھی اور کتاب میں حذف کر دی گئی ہے۔ یعنی ص ۴۲ سے ص ۴۶ تک کے قریباً سوا چار صفحے۔ اور جس کا وجود (فارابی پر لکھے گئے مذکورہ بالا چھ صفحات کی طرح، یعنی مسودہ ص ۲۱ تا ۲۶، باب دوم، جزو اول، جو کتاب میں حذف کر دیئے گئے ہیں) اس

مسودۂ کیمبرج کی بازیافت کی وجہ سے، اور اس موجودہ مضمون کے ذریعے، پہلی بار منظر عام پر آ رہا ہے۔ میرا یہ خیال ہے کہ اس حصے کو حذف کر دینے کی ایک وجہ شاید یہ ہے کہ اس میں کافی متنازع فیہ مواد تھا۔ مثلاً بنو امیہ اور معتزلہ کے زمانے کی "Free will controversy" (مسئلہ جبر و اختیار کا مباحثہ یا نزاع)۔ اسی طرح بعض معاملات میں اقبال نے خاصی تند زبان استعمال کی ہے مثلاً یہ اقتباس دیکھیے (مسودہ ص ۴۳-۴۴):

"During the reign of Hajjaj Ibn Yūsuf—that human monster in whom all the various forms of barbarous cruelty had found their complete embodiment—Mābad, a man of dauntless truthfulness requested his teacher Hasan of Basra to enlighten him on the question of pre-destination, which, as he said, was used by the sons of Umayyad, as an excuse for all the mischief they had committed and were still committing. Hasan, thereupon replied, "These enemies of God are Liars[1]." Armed with the verdict of his master, the fiery disciple who was already hostile to the Cliphate, broke out into open revolt, and became the first martyr in the cause of "Justice"...."Adl"[2]—Justice—is one of the five principles of Shiā religion. Even now, as then, the ignorant Sunni meets the Shiā curses by an appeal to the doctrine of predestination, and to the doubtful saying of the Prophet, "No atom moves except by the permission of God").

اسی طرح "ایرانی عقلیون" (Persian Rationalists) یعنی معتزلہ پر اقبال نے کھل کر اور تفصیل سے بحث کی ہے۔ اور جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، مطبوعہ کتاب کے ص ۱۲ اور صفحات ۴۷-۴۸ کے فٹ نوٹوں میں اقبال نے پروفیسر طاس

آر نلڈ کے زیرِ ادارت شائع شدہ تصنیف Al-Mu'tazila (Leipzig, 1902) -
پروفیسر ای جی براؤن کی کتاب A Literary History of Persia (Vol.I, 1902) -
اور Von Kremer کی کتاب Geschichte der herrschenden Ideen des Islams (تاریخ نظریات ضابطہ اسلام) کی طرف گئی اشارے کئے ہیں، جو اس سے پہلے، مسودے میں موجود نہ تھے۔ سو ہو سکتا ہے کہ کیمبرج میں مقالہ پیش کرنے کے بعد اقبال کی معلومات میں اضافہ ہوا ہو، اور ان کے بعض نظریات بدل گئے ہوں (بالخصوص شاید پروفیسر آر نلڈ کے ساتھ ان موضوعات پر بحث کے بعد)۔ چنانچہ اس وجہ سے انہوں نے مسودے کے ان صفحات کو حذف کرنے کا فیصلہ کیا ہو۔ لیکن وجہ چاہے کچھ ہی کیوں نہ ہو، اس مسودے کا یہ حصہ نوادرِ اقبال کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور طلبائے اقبال کی واقفیت کے لئے اس کا شائع ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح باب دوم و سوم کے وہ حصے بھی شائع ہونے چاہئیں جو یا تو کتاب میں قلم زد کر دیئے گئے ہیں، اور یا انہیں بڑے پیمانے پر قطع و برید اور ترتیب نو کے بعد کتاب میں شائع کیا گیا ہے۔ ۱۵۔ (کل ملا کر مسودے کے دس یا بارہ صفحات کتاب میں کاملاً" حذف کر دیے گئے ہیں)۔

قارئین کی دلچسپی کے پیش نظر مسودۂ کیمبرج کے کلیتہ" حذف شدہ مواد، اور نیز بڑے پیمانے پر تبدیل شدہ اور رد و بالا کئے ہوئے مواد، کا احاطہ کرنے کے لئے مسودے کے کُل بیس (۲۰) (یعنی اس کے باب دوم کے ص ۲۱ تا ۲۶، اور پھر باب سوم کے ص ۴۱ تا ۵۴)، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کی تجویز پر، کتاب ہذا کے ضمیمہ نمبر ۲ کے طور سے Facsimile (راست نقل) کی صورت میں شائع کئے جا رہے ہیں۔

میرا یہ خیال ہے کہ اقبال کی اس کتاب "فلسفہ عجم" پر اب تک خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی۔ ظاہر ہے کہ اقبال کے ذاتی ارتقائے فہم فلسفہ و حکمت میں اس زمانے کے (یعنی کیمبرج اور جرمنی میں ۱۹۰۵ء تا ۱۹۰۷ء کے دوران کے) مطالعے اور غور و فکر کا ایک اہم مقام ہے۔ اور اس ارتقائے ذات کی جتنی تہیں منظر عام پر آ سکیں، وہ ہمیں اقبال کے ذہن اور فکر کو سمجھنے میں مدد دیں گی۔ مثلاً میں نے علامہ اقبال کی پہلی

شعری کتاب "اسرارِ خودی" کے پہلے ایڈیشن (مطبوعہ ۱۹۱۵ء) میں دیکھا ہے کہ اس کے دیباچے میں اور اقبال کے اس زیر بحث مقالے میں ایک گونہ مماثلت پائی جاتی ہے۔ اور مذکورہ دیباچے میں پیش کئے گئے چند خیالات اور بیانات کی کڑیاں ان کے کیمبرج (اور میونخ) والے مقالے سے آملتی ہیں۔ ہاں اس امر کا بغور مطالعہ کہ علامہ کے خیالات میں ۱۹۰۷ء اور ۱۹۱۵ء کے درمیان' اور اس کے مزید دس پندرہ برس بعد' کیا تبدیلیاں پیدا ہوئیں' تو وہ فلسفہ اقبال کے ان طلبہ کا کام ہے' جو ان اسرار و رموز سے مجھ سے زیادہ آگاہ ہیں' اور جنہیں عام فلسفے اور فلسفہ اقبال پر زیادہ دستگاہ ہے۔ ہاں' اس وقت میرے سامنے جناب رفیع الدین ہاشمی صاحب کی کتاب "خطوط اقبال" (مکتبہ خیابان ادب' لاہور۔ اشاعت اول : ۱۹۷۶ء) ہے' جس میں صفحات ۲۷۸ تا ۲۸۰ کے درمیان اپنے اس زیر بحث مقالے پر علامہ کی وہ رائے درج ہے' جو انہوں نے ۲۵-۱۹۲۴ء کے لگ بھگ بیان کی تھی۔ ہاشمی صاحب نے علامہ کے خط بنام ڈاکٹر حبیب النساء بیگم (مورخہ یکم جولائی ۱۹۳۷ء) کے فٹ نوٹ میں یوں تبصرہ کیا ہے : "انگریزی کتاب شائع ہونے کے سولہ سترہ برس بعد میر حسن الدین نے علامہ اقبال سے اس کا اردو ترجمہ کرنے کی اجازت چاہی تو علامہ نے جواباً" لکھا : "مجھے کوئی تامل نہیں۔ آپ بلا تکلف اس کا ترجمہ شائع فرما سکتے ہیں۔ مگر میرے نزدیک اس کا ترجمہ مفید نہ ہوگا۔ یہ کتاب اب سے اٹھارہ سال پہلے لکھی گئی تھی۔ اس وقت سے بہت سے نئے امور کا انکشاف ہوا ہے۔ اور خود میرے خیالات میں بہت سا انقلاب آچکا ہے------ میرے خیال میں اس کتاب کا اب تھوڑا سا حصہ باقی ہے جو تنقید کی زد سے بچ سکے۔ آیندہ آپ کو اختیار ہے" (مکتوب بنام میر حسن الدین "انوارِ اقبال"۔ ص ۲۰۱)۔ علامہ اقبال نے مترجم کی حوصلہ افزائی نہیں کی' تاہم میر حسن الدین نے ۱۹۲۸ء میں ترجمہ مکمل کر لیا۔ یہ ترجمہ "فلسفۂ عجم" کے نام سے ۱۹۳۶ء میں حیدر آباد دکن سے شائع ہوا۔۱۶۔ اب تک اس کے سات آٹھ ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ ابتدائی چار ایڈیشن حیدر آباد دکن سے' اور باقی کراچی سے شائع ہوئے" ("خطوط اقبال"۔ رفیع الدین ہاشمی' ص ۲۷۹-۲۸۰)۔

بہرصورت، خواہ علامہ کی یہ رائے کسی حد تک کسر نفسی پر منحصر ہو، یا خواہ اس میں کافی سچائی بھی ہو (اور میرے خیال میں انہوں نے یہ باتیں کافی سوچ سمجھ کر لکھی ہیں)، پھر بھی اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ علامہ کے ذہنی سفر کو ٹھیک سے سمجھنے کے لئے یہ کتاب بے حد اہم ہے۔ چونکہ ان کی باقی اور بعد میں آنے والی کتابیں تو ایک لحاظ سے اقبال کی Output (یا حاصل) ہیں، جب کہ یہ مقالہ ایک طرح سے ان کی ذہنی اور حکیمانہ Input کا مظہر ہے۔ یعنی وہ غذا (یا اس کا ایک حصہ) جس کے نتیجے میں اقبال کے فکر و نظر کے دلکش اور سدا بہار پھول برسوں کے بعد کھلے اور پھولے۔

اس مضمون کا خاتمہ میں ان الفاظ کے ساتھ کرتا ہوں کہ میری اس نگارش کا آخری حصہ اقبال کے تحقیقی مقالے کے کیمبرج والے مسودے اور ماربرگ والے مطبوعہ نسخے کے ایک سرسری اور مختصر تقابلی مطالعے کا نتیجہ ہے۔ ابھی کئی برس تک بہت سی ژرف بین اور دور رس نگاہیں اس مسودے کا عمیق نظر سے مطالعہ کریں گی، اور اس کی تہوں سے نہ جانے کون کون سے دربہائے مکنون برآمد کریں گی۔ بلکہ اقبال ہی کے الفاظ میں یوں کہئے کہ:

گماں مبر کہ بہ پایاں رسید کارِ مغاں
ہزار بادۂ ناخوردہ در رگِ تاک است

سعید اختر درانی
برمنگھم، ۱۷ مئی ۱۹۸۴ء

پس تحریر

اس مضمون کے لکھنے کے دوران میں نے عطیہ بیگم کی کتاب "اقبال" کی بار دیگر ورق گردانی کی تو وہاں صفحہ ۳۶ ("اقبال"۔ مترجمہ عبدالعزیز خالد، مطبوعہ آئینہ ادب، لاہور۔ ۱۹۷۵ء) پر یہ سطور نظر آئیں۔ "دوسرے دن (یعنی بروز ۱۹ جولائی ۱۹۰۷ء۔ (درانی)) اقبال نے اپنا "علم الاقتصاد" کا اصل مسودہ مجھے نذر کیا۔ ساتھ ہی وہ تھیسس (Thesis) بھی جس پر اسے ڈگری ملی تھی۔ یہ بعد میں جرمن میں ترجمہ ہو

کر شائع ہوا۔ یہ ایک فاضلانہ چیز تھی، جس سے اس کے وقار و وزن میں معتدبہ اضافہ ہوا"۔

جب چند سال ہوئے میں نے پہلی مرتبہ یہ تحریر پڑھی تھی، تو میں نے حاشیے پر نشان لگا کر لکھا تھا کہ "یہ بیان غلط معلوم ہوتا ہے"۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ یہ تھیسس اقبال نے نومبر ۱۹۰۷ء میں پیش کیا تھا۔ اس لئے جولائی ۱۹۰۷ء میں اقبال کی طرف سے مس عطیہ فیضی، کو اس کے نذر کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور نہ اس کا جرمن میں ان دنوں کبھی ترجمہ ہوا تھا۔ لیکن اب جو اس مقالے کا کیمبرج یونیورسٹی والا مسودہ دریافت ہوا ہے۔ جو مارچ ۱۹۰۷ء میں منظور ہو گیا تھا۱۷، اور جس پر جون ۱۹۰۷ء میں اقبال کو بی اے کی ڈگری عطا ہوئی تھی۔ تو یکایک عطیہ بیگم کے ان الفاظ کے نئے معنی مجھ پر روشن ہوئے ہیں۔ یعنی عطیہ فیضی جس "تھیسس" کی بات کر رہی ہیں، وہ ضرور بالضرور وہی Dissertation ہوگا جو اقبال نے کیمبرج یونیورسٹی میں داخل کیا تھا۔ اگرچہ اس کے "جرمن ترجمے" کی بات اب بھی غیر صحیح ہے۔۱۸، گو ہو سکتا ہے کہ اس سے ان کی مراد اس مقالے کے، اصلاح شدہ حالت میں (جیسا کہ زیر نظر مضمون میں بالتفصیل ذکر ہوا ہے)، میونخ یونیورسٹی میں پیش ہونے اور کتابی صورت میں شائع ہونے سے ہو۔ ہاں یہاں شاید اس بات کا بیان بے محل نہ ہو کہ عطیہ بیگم کی اس کتاب میں جا بجا مجھے مبالغہ آمیز بیانات نظر آئے ہیں۔ مثلاً اسی صفحے پر وہ فرماتی ہیں (ص ۲۶-۲۷) "------ (۲۳ جولائی ۱۹۰۷ء کے روز ایک علمی جلسے میں) جب جوش تھم چکا، میں نے اپنے نام اقبال کا، جو پہلے ہی جرمنی پہنچ چکا تھا، ایک خط نکالا۔ یہ جرمنی زبان (کذا) میں لکھا ہوا تھا۔ اور جب یہ پڑھا گیا تو مکتوب نگار کی سلاستِ زبان اور عبارت کے حسن بیان کو سراہا گیا----" ظاہر ہے کہ یہاں زور بیان میں عطیہ بیگم نے بے پر کی اڑائی ہے۔ اول تو مس فیضی کے نام اقبال کا جرمن زبان میں خط لکھنا ہی بے معنی ہے۔ دوسرے جیسا کہ اقبال نے میونخ سے مس ویگے ناسٹ کے نام اپنے پہلے خط میں (مورخہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۷ء۔ دیکھئے اس کتاب میں میرا مضمون، ص ۱۹۲) صاف الفاظ میں لکھا ہے "یہ افسوس کی بات ہے کہ ہائیڈل برگ کے قیام

کے دوران میں نے جرمن لکھنے کی مشق نہ کی۔ یہ وہ پہلی تحریر ہے جو میں اس زبان میں لکھ رہا ہوں"۔ سو جولائی ۱۹۰۷ء میں جرمنی پہنچتے ہی انہوں نے جرمن زبان میں خط کیونکر لکھا ہوگا۔ اور تیسرے' اسی خط میں اور بعد کے بہت سے خطوں میں انہوں نے بار بار یہ بات کہی ہے کہ میری جرمن زبان بہت ناقص ہے اور میں اپنی ٹوٹی پھوٹی جرمن سے آپ کی (یعنی مس ویگے ناسٹ کی) طبیعت مکدر نہیں کرنا چاہتا۔ سو ۲۳ جولائی ۱۹۰۷ء والے اس مبینہ خط کی سلاست زبان اور عبارت کے حسن بیان کو سراہنے کا (جس میں پروفیسر آرنلڈ بھی شامل تھے' جو اس علمی جلسے میں موجود تھے) سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

بہرحال' یہ خط چاہے کسی زبان میں ہو' ایک اس سے مختلف لیکن اہم بات عطیہ فیضی کے بیانات سے ضرور نکلتی ہے۔ کیونکہ ذرا آگے چل کر (صفحہ ۲۷ پر) وہ لکھتی ہیں کہ پروفیسر طامس آرنلڈ نے اس جلسے میں مزید کہا کہ اقبال کی ایسی اہم تحریر (یعنی مذکورہ بالا خط) کا موصول کرنا میری (یعنی عطیہ کی) عین خوش قسمتی ہے' اور مجھے یقین دلایا کہ میری (یعنی پروفیسر آرنلڈ کی) ملکیت میں یہ جرمن ادب کے ایک وقیع پارے کے طور پر رہے گا۔ یہ ایک نازک صورت حال تھی۔ میرے لئے اس عظیم انسان کی درخواست کو قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ سو اقبال کا خط ۱۹ا۔ میں نے ان کے حوالے کر دیا۔ اقبال نے ۱۶ جولائی کو جو مسودے مجھے دیئے تھے ۲۰ا۔ وہ دونو بھی پروفیسر آرنلڈ ہی کے پاس ہیں۔ چونکہ پروفیسر آرنلڈ انہیں اپنے پاس رکھنے کے متمنی تھے۔ اس لئے خواہی نخواہی ان کی درخواست کو ماننا ہی پڑا۔ ("اقبال" از عطیہ بیگم۔ ص ۲۷)۔

تو وہ اہم بات جس کی طرف میں نے اوپر اشارہ کیا ہے' یہ ہے کہ اگر عطیہ بیگم کے یہ بیانات صحیح ہیں (اور اب کہ کیمبرج والا مسودہ دریافت ہو چکا ہے' ان کی صحت میں شبہ کم ہو گیا ہے)' تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اقبال کا یہ خط (یا جو کچھ بھی وہ جرمن یا انگریزی تحریر تھی) لیکن اس سے کہیں بڑھ کر' اقبال کے وہ دونو "اصل" مسودے (کیمبرج والا مقالہ اور "علم الاقتصاد") اب کہاں ہیں؟

اس سلسلے میں میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آج سے دو برس پہلے (مئی، جون ۱۹۸۱ء میں) میں عطیہ بیگم کے دیئے ہوئے ان کاغذات، اور اقبال کے آرنلڈ کے نام دوسرے خطوط وغیرہ کی تلاش میں لندن کے School of Oriental and African Studies میں گیا۔ پروفیسر آرنلڈ کی وفات کے موقع پر شائع ہونے والے اشتہارات اور خطوط میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ ان کی یادگار کے طور سے اس دبستان میں ایک کتب خانہ Arnold Memorial Library کے نام سے قائم ہو گا جس میں سر طامس کی السنۂ مشرقی کی کتابوں وغیرہ کا ذخیرہ خرید کرنے کے بعد رکھا جائے گا (دیکھئے کتاب ہذا میں میرا مضمون، ''اقبال کے استاد مشفق، سر طامس آرنلڈ'')۔ جب میں نے ''دبستان مشرقی و افریقائی'' میں اس لائبریری کے متعلق ۱۹۸۱ء میں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ایسی کوئی لائبریری وہاں موجود نہیں ہے۔ ہاں سر طامس کے ذاتی کاغذات وہاں ضرور ہیں۔ اس شعبے کے ایک ہندوستانی لائبریرین جناب رمیش چندر ڈوگرا صاحب کی مدد سے میں نے سر طامس کے یہ سارے کاغذات نکلوائے، جو گیارہ بکسوں میں بند ہیں (حوالہ نمبر ۴۲/۱۹۱۴)۔ اور بروز ۸ مئی اور ۴ جون ۱۹۸۱ء ان کو میں بڑے غور و تفحص کے ساتھ کھنگالتا رہا۔ لیکن اگرچہ ان بکسوں میں پروفیسر آرنلڈ کے بے حد دلچسپ مخطوطات (مضامین اور کتابوں کے مسودے جن پر ان کے ہاتھ کی ہزاروں ترمیمات موجود تھیں)، نیز ان کے نام علماء و فضلائے ہند و بیرون ہند کے اردو، فارسی، انگریزی، ہندی اور سنسکرت میں لکھے ہوئے خطوط، نظمیں، قصیدے، الوداعی پیغامات، اسلامی مصوری پر کتابوں کی تزئین کے لئے ان کی جمع کی ہوئی تصاویر کے بچے کھچے مجموعے، زمانہ لاہور اور علی گڑھ کے دستی کتابت شدہ مرقعے (خوشنویسوں وغیرہ کے بنائے ہوئے)، پروفیسر آرنلڈ کی لکھی ہوئی غیر مطبوعہ عربی (اور فارسی) تحریریں، اور ان کے دیگر بے شمار باقیات نظر آئے، تاہم وہ گوہر مقصود وہاں نہ ملا، جس کی مجھے تلاش تھی۔ یعنی علامہ اقبال کی طرف سے یا ان کے نام کوئی خط یا مسودہ یا کوئی تحریر وہاں نظر نہ آئی۔ ہاں، جیسا کہ محولہ بالا مضمون میں کہا گیا، سر طامس آرنلڈ کے نواسے جناب ڈاکٹر لارنس بارفیلڈ کے پاس سر طامس کے اور بہت سے خطوط، کتابیں اور دستی

تحریریں محفوظ ہیں۔ جن میں پروفیسر آرنلڈ کو اقبال کی طرف سے پیش کیا گیا "اسرارِ خودی" کا اولیں ایڈیشن، لیڈی آرنلڈ اور ان کی خورد سال صاحبزادی نینسی آرنلڈ (بعد ازاں بارفیلڈ صاحب کی والدۂ ماجدہ) کے نام خطوط وغیرہ شامل ہیں، جن کی عکسی نقول اس کتاب میں دکھائی گئی ہیں (ضمیمہ نمبر ۵)۔ میں نے حال ہی میں جب ڈاکٹر بارفیلڈ سے دبستان مشرقی و افریقائی میں اپنی تلاش کی ناکامی کا ذکر کیا، اور کہا کہ وہاں آرنلڈ میموریل لائبریری کا نشان نظر نہیں آیا، تو انہوں نے بتایا کہ جہاں تک انہیں معلوم ہے بالآخر سر طامس کی جمع کی ہوئی کتابوں میں سے بیشتر فروخت کر دی گئی تھیں۔ غالباً" آکسفورڈ کی مشہور دکان کتب جدید و قدیم، Blackwells کو۔ اور صرف ذاتی کاغذات اور کتابیں لیڈی آرنلڈ اور ان کے بعد نینسی آرنلڈ (مسز بارفیلڈ) کی ملکیت میں رہیں۔ موجودہ مضمون کی تحریر کے دوران میرے استفسار پر انہوں نے بتایا کہ چند سال قبل اپنے والد کی وفات پر انہوں نے (یعنی ڈاکٹر بارفیلڈ نے) سر طامس کے کاغذات اور کتابوں کی اچھی طرح چھان بین کی تھی (اور اسی موقعے پر انہوں نے "اسرارِ خودی" کا نسخہ اور مس نینسی آرنلڈ کے نام اقبال کا پوسٹ کارڈ وغیرہ دریافت کر کے میرے حوالے کیا تھا)۔ جہاں تک انہیں علم ہے، اقبال کی اور کوئی کتابیں یا مسودے ان کاغذات میں نہ تھے۔۲۱۔ ان سب کاغذات میں جو کوئی قیمتی چیز نظر آئی، وہ ڈاکٹر بارفیلڈ نے اپنے پاس محفوظ کر لی ہے۔ تو یہ بڑے افسوس کی بات ہے اگر اس فروخت کتب اور مرورِ زمانہ کی بدولت اقبال کے یہ مسودے اب نایاب یا ضائع ہو گئے ہیں۔ ۲۲۔ ہاں۔ ۸۰ / ۱۹۷۹ء میں جب میں نے ماڈلین کالج کیمبرج سے، جہاں سر طامس آرنلڈ نے تعلیم پائی تھی، اور بعد ازاں جس کے آنریری فیلو وہ منتخب ہوئے تھے، دریافت کیا کہ آیا سر طامس کے کوئی ذاتی کاغذات وہاں موجود ہیں یا نہیں، تو وہاں کی لائبریرین خاتون نے تحقیق کرنے کے بعد بتایا کہ وہاں سر طامس کے ذاتی کاغذات کا کوئی مجموعہ نہیں ہے۔ چنانچہ تاحال پروفیسر طامس آرنلڈ کے باقیات میں اقبال کے کوئی مزید مخطوطے دریافت نہیں ہو سکے۔۲۳۔ مگر دنیا بر امید قائم است۔ ہو سکتا ہے کہ یہ تلاش جاری رکھی جائے تو محققین اقبال، جن کے پاس میری نسبت

زیادہ وقت موجود ہے' کبھی نہ کبھی ان صدف ہائے تہ نشین سے گوہر ہائے نایاب برآمد کر سکیں۔

سعید اختر درانی

برمنگھم' ۲۲ مئی ۱۹۸۳ء

(مطبوعہ ماہنامہ "افکار" کراچی' بابت نومبر ۱۹۸۳ء)

حواشی

۱۔ افسوس کہ اس کتاب کی اشاعت کے چند سال بعد (جس کی رسم رونمائی کا انہوں نے اسلام آباد کے نیشنل سنٹر میں بڑا پرشکوہ اہتمام کیا تھا)' شیخ صاحب موصوف کا انتقال ہو گیا۔ وہ ایک نام ور افسانہ نویس' جرنلسٹ اور سرکاری افسر تھے۔ (درانی۔ بون' جرمنی۔ ۱۶ اگست ۱۹۹۵ء)

۲۔ انجمن ترقی اردو برمنگھم کے صد سالہ جشن اقبال کے دوران (دسمبر ۱۹۷۷ء)' جب وہ ہماری مہمان خصوصی تھیں' اور میں انجمن کا صدر تھا۔

۳۔ افسوس کہ یہ عالم بے بدل' جو میرے قرابت دار بھی تھے' ان کا ۳۰ جنوری ۱۹۹۴ء کو اسلام آباد میں انتقال ہو گیا' جہاں میں چند ہفتے پیشتر ہی ان سے مل چکا تھا۔ (درانی۔ بون' ۱۶ اگست ۱۹۹۵ء)

۴۔ اگرچہ میرا ذاتی خیال ہے کہ مغربی ممالک میں مصنف کے حق میں کاپی رائٹ خود بخود (Automatic) ہوتا ہے۔ شاید ڈاکٹر جاوید اقبال کا مطلب یہ تھا کہ علامہ نے یہ کاپی رائٹ اپنی زندگی میں اپنے خلف رشید کے حق میں منتقل نہ کیا تھا۔ لیکن اس صورت میں بھی' علامہ کی وفات کے بعد یہ حق ان کے ورثاء کے نام اپنے آپ ہی منتقل ہو گیا ہوگا۔ (درانی)

۵۔ پس تحریر: یہ "خاص اجازت" والی بات صحیح نہیں ہے۔ مزید برآں' اس مقالے کے عنوان کی تجویز' کیمبرج یونیورسٹی کی جانب سے اس کی منظوری' پھر مقالے کی Submission اور اس کے لئے Referees یعنی ممتحنوں کا تقرر (جن میں سے ایک جناب رینولڈ نکلسن تھے' اور دراصل یہ فیصلہ ۷ مارچ ۱۹۰۷ء کو ہوا تھا)' اور آخر میں اس مقالے پر (جسے "دنیائے علم میں ایک امتیازی اضافہ" قرار دیا گیا تھا) اقبال کو بی اے کی ڈگری مرحمت کرنے کی قرار داد--- ان سب مراحل کی پوری تفصیل کے لئے دیکھئے میری نئی کتاب "نوادر اقبال

یورپ میں" مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان ۱۹۹۵ء۔ (درانی۔ بون' جرمنی۔ ۱۷ اگست ۱۹۹۵ء)۔

۶۔ پس تحریر : اب اقبال کی "میونک فائل" کے مندرجات پر غور کرنے کے بعد میرا خیال ہے کہ علامہ غالباً" لندن سے اولاً" سیدھے میونک پہنچے ہوں گے۔ (جہاں انہوں نے کچھ درخواستیں ۲۱ اور ۲۲ جولائی ۱۹۰۷ء کو یونیورسٹی میں داخل دفتر کیں)' اور پھر بعد میں وہاں سے ہائیڈل برگ گئے ہوں گے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے میری مذکورہ نئی کتاب (درانی' بون۔ ۱۷ اگست ۱۹۹۵ء)۔

۷۔ پس تحریر : دوسری عالمی موتمر اقبال' منعقدہ لاہور' نومبر ۱۹۸۳ء' کے دوران میں نے مکمل مقالے ("مسودۂ کیمبرج") کی ایک فوٹو کاپی جناب ڈاکٹر جاوید اقبال کی خدمت میں اس استدعا کے ساتھ پیش کر دی تھی کہ وہ (اس پر ایک اچھی سی جلد چڑھا کر) اسے اقبال میوزیم میں میری جانب سے داخل کر دیں۔ مگر بقول ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صاحب بظاہر یہ کتاب ابھی تک وہاں نہیں پہنچی۔ (درانی۔ بون' ۷ اگست ۱۹۹۵ء)۔

پس تحریر مکرر : اور نہ مجھے یہ کتاب اس متحف کے حالیہ دورے میں وہاں نظر آئی۔ (درانی۔ لاہور' ۱۷ جنوری ۱۹۹۶ء)

۸۔ پس تحریر : موجودہ کتاب کے ص ۲۳۶ پر جو عکس درج ہے' اس پر میں نے طبع اول میں لکھا تھا پروفیسر ڈاکٹر (فریڈرش) ہومل.... اب یہ معلوم ہوا ہے (دیکھئے میری تازہ کتاب "نوادر اقبال یورپ میں"۔ مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان' ۱۹۹۵ء) کہ ان کا پہلا یا ذاتی (کرسچن) نام Fritz تھا' نہ کہ فریڈرش۔ (درانی۔ اسلام آباد' ۴ فروری ۱۹۹۵ء)۔

۹۔ پس تحریر : یا جناب رینولڈ نکلسن (بعدا" "اسرار خودی" کے مترجم)' کے قلم سے' جو اس مقالے کے Referee (یعنی حکم) تھے۔ دوسرے ریفری کیمبرج یونیورسٹی کے استاذ اخلاقیات (Professor of Moral Philosophy)' پروفیسر سورلی (W. R. Sorley) تھے۔ میرا قیاس ہے لہ ہو سکتا ہے کہ پروفیسر آرنلڈ نے بھی اپنی دلچسپی کے پیش نظر یہ مقالہ (اور ہو سکتا ہے کہ یہی نسخہ' یونیورسٹی لائبریری سے نکلوا کر؟) ضرور بغور پڑھا ہوگا۔ (درانی۔ اگست ۱۹۹۵ء)

۱۰ پس تحریر : دراصل ۷ مارچ ۱۹۰۷ء کو اس مقالے کے حکم (پروفیسر سورلی اور مسٹر نکلسن) مقرر کئے گئے تھے۔ مقالہ غالباً" اسی زمانے میں داخل دفتر کیا گیا ہوگا۔ پھر ۷ مئی ۱۹۰۷ء کے روز کیمبرج یونیورسٹی کے خصوصی ؛ برائے اخلاقیات نے اس مقالے کی منظوری دی اور اسے "دنیائے علم میں ایک تازہ اضافے کے لحاظ سے امتیازی حیثیت کا مالک" قرار دیا۔ اس کے بعد اقبال نے اسے میونک یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل

کرنے کی خاطر موزخہ ۳۱ جولائی ۱۹۰۷ء کو داخل کر دیا- مزید تفاصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب "نوادر اقبال یورپ میں" مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان' ۱۹۹۵ء (درانی- جرمنی' اگست ۱۹۹۵ء)

پس تحریر مکرر : یہاں ایک بات کا ذکر شاید باعث دل چسپی ہو کہ "بانگ درا" میں یورپ کی لکھی ہوئی آخری' طویل اور پر ولولہ' غزل یعنی "زمانہ آیا ہے بے حجابی کا' عام دیدار یار ہو گا سکوت تھا پردہ دار جس کا' وہ راز اب آشکار ہو گا" پر جو تاریخ درج ہے' وہ ہے "مارچ ۱۹۰۷ء"- جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ڈھائی سال کی محنت شاقہ کے بعد اقبال اپنے تحقیقی مقالے کی تسوید و تحریر سے فارغ ہو چکے اور اس کو داخل دفتر کر چکے' تو بالآخر حضرت اقبال کو کچھ آرام کا موقع ملا' اور انہوں نے یہ لمبی اور کافی معنی خیز غزل لکھی- اور مارچ ۱۹۰۷ء ہی کے لگ بھگ ان کا عطیہ فیضی سے لندن میں تعارف ہوا' جس کے تھوڑے عرصے بعد' بقول عطیہ بیگم (دیکھئے ان کی کتاب IQBAL' مطبوعہ Aina_i_Adab' لاہور (طبع ثانی) ۱۹۶۹ء ص ۱۳)' مس بیک (Miss Beck) نے انہیں اپنے گھر میں "اقبال نامی ایک بڑے قابل شخص" سے بروز یکم اپریل ۱۹۰۷ء ملنے کی "خصوصی دعوت" بھیجی جو عطیہ سے ملنے کی خاطر خاص طور سے کیمبرج سے آ رہا تھا- اور اسی کے بعد اگلے چند ماہ تک لندن اور کیمبرج میں اقبال اور عطیہ کی صحبتیں اور طویل علمی مباحثے رہے (تفصیل کے لئے دیکھئے مذکورہ کتاب)- ہاں' میرا خیال ہے کہ یہ مس بیک شاید پروفیسر آرنلڈ کے قدیمی دوست (اور علی گڑھ کالج کے سابق پرنسپل) پروفیسر Theodore Beck کی ہمشیرہ یا کوئی عزیزہ ہوں گی' جن کے (بہ الفاظ عطیہ بیگم) "غیر شاعرانہ اور بے رس گھر" کے ماحول میں ہندوستانی طالب علم اور زائر جمع ہوا کرتے تھے- (درانی' برمنگھم- ۱۷ فروری ۱۹۹۶ء)

۱۱- پس تحریر : یہ لیکچر اقبال نے اوائل فروری ۱۹۰۸ء تک دیئے' جب پروفیسر آرنلڈ مصر سے واپس لندن پہنچ گئے- (درانی- بون' ۱۸ اگست ۱۹۹۵ء)-

۱۲- ان صفحات کا عکس ضمیمہ نمبر ۲ میں ملاحظہ کیجئے-

۱۳- (Shibli : Ilmul Kalam, pp. 17_18).

۱۴- Footnote 2 (p.44)- یہ فٹ نوٹ "مسودۂ کیمبرج" کے ص ۴۴ پر ہے-

۱۵- اس تمام تبدیل شدہ اور نو ترتیب مواد کی پہلی شکل بھی آشکار ہونی چاہئے' تاکہ ان موضوعات پر اقبال کے اولین خیالات و آراء سے فلسفۂ اقبال کے طلبہ کو اطلاع ہو- بلکہ بہتر یہ ہو گا کہ اقبال اکادمی پاکستان یا بزم اقبال لاہور--- کیمبرج یونیورسٹی لائبریری اور جناب جسٹس جاوید اقبال کی اجازت سے--- اس نو دریافت

مسودے کو تمام و کمال اور متن و عن شائع کر دے تاکہ شائقین اقبال کی' اس اہم دستاویز تک آسانی سے رسائی ہو سکے۔

۱۶۔ اس کتاب کا ایک نسخہ میرے دورۂ حیدر آباد دکن (فروری ۱۹۸۴ء) کے دوران اقبال اکیڈیمی حیدر آباد کے معتمد جناب محمد مصلح الدین سعدی نے مجھے عطا کیا تھا۔ (درانی' ۲۳ مارچ ۱۹۸۵ء)

۱۷۔ پس تحریر: لیکن دیکھئے اوپر دیا گیا فٹ نوٹ ۱۰۔ (درانی۔ اگست ۱۹۹۵ء)

۱۸۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ اقبال کے اس مقالے (نسخہ ماربرگ) کا ترجمہ علامہ کے صد سالہ جشن ولادت (۱۹۷۷ء) کے موقع پر جرمن زبان میں کیا گیا تھا۔ اور یہ میں نے نومبر ۱۹۸۳ء میں دوسری عالمی اقبال کانگرس کے دوران سفیر کبیر المانیہ در پاکستان' جناب کلاؤس ترفلوث (H.E. Mr Klaus Terfloth) کے پاس لاہور میں دیکھا تھا۔

۱۹۔ یا ہو سکتا ہے' اس کے ساتھ اقبال کی کوئی ایسی چیز شامل ہو جو وہ ہائیڈل برگ میں جرمن زبان و ادب کا امتحان پاس کرنے کے لئے تیار کر رہے ہوں؟ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اس "نایاب عربی مخطوطے" کا متن' یا اس پر اقبال کا تبصرہ ہو' جس کا ذکر موجودہ کتاب کے ص ۷۸ پر آیا ہے۔ (درانی)

۲۰۔ یعنی غالباً" کیمبرج والے مقالے کے مسودے کا ایک نسخہ' اور "علم الاقتصاد" کا "اصل مسودہ"۔ یاد رہے کہ عطیہ بیگم نے اپنی انگریزی کتاب (IQBAL' طبع دوم' مطبوعہ Aina_i_Adab' لاہور' ۱۹۶۹ء' ص ۲۳) میں انہیں دو MSS یعنی Manuscripts (= مسودات) ہی کا لقب دیا ہے (درانی)۔

۲۱۔ اس مجموعے میں سے یعنی آرنلڈ کے نام اقبال کے ایک اور خط (مورخہ ۱۱ جنوری ۱۹۱۱ء) کی طرف میں دیباچے میں اشارہ کر رہا ہوں' جو بارفیلڈ صاحب نے چند سال ہوئے ڈاکٹر وحید احمد کو مستعار دیا تھا۔ (درانی۔ ۲۳ مارچ ۱۹۸۵ء)۔

پس تحریر: اب اس خط کا Typescript اور (اگر میسر آ گیا تو اس کا عکس بھی) ضمیمہ نمبر ۵ میں' اور ترجمہ کتاب ہذا کے باب ششم میں درج کیا جا رہا ہے (ص ۱۴۰)۔ (درانی۔ بون۔ ۲۰ اگست ۱۹۹۵ء)۔

۲۲۔ پس تحریر: چند ہی روز ہوئے' موجودہ کتاب کی طبع دوم کی Proof reading کے دوران مجھے مجلہ "شاعر" بمبئی کے موقر "اقبال نمبر" (۱۹۸۸ء) کا ایک نسخہ' جس کا میں ایک عرصے سے منتظر تھا' رسالے کے مدیر اعلیٰ جناب افتخار امام صدیقی کی جانب سے وصول ہوا۔ اس کے صفحہ ۴۰۹ پر "بانگ درا" کی طبع اول (لاہور' ستمبر ۱۹۲۴ء) کے سرورق کی عکسی تصویر شائع کی گئی ہے' جس میں علامہ اقبال کے دستخط (مورخہ ۳ ستمبر ۱۹۲۴ء)

دیکھے جا سکتے ہیں' اور اس کے ساتھ ہی یہ تقدیم بھی : Presented to Prof. Sir Thomas Arnold -
رسالے کے ص ۳۱۷ پر اس کے بارے میں یہ اطلاع دی گئی ہے : "اس سرورق اور نسخے کی اہمیت یہ ہے کہ یہ اقبال کے استاد مشفق سر طامس آرنلڈ کو اقبال کی پیش کردہ ہے- اس پر اقبال کی تقدیم موجود ہے- یہ نسخہ کتب خانہ کالی داس گپتا رضا میں محفوظ ہے- اس کی دستیابی کی کہانی یہ ہے کہ مشہور ترقی پسند شاعر و ادیب اور ماہر اقبالیات سردار جعفری صاحب نے یہ کتاب لندن کی فٹ پاتھ سے خریدی تھی- ڈاکٹر سعید اختر درانی کی تحقیق کے مطابق سر طامس آرنلڈ کے نواسے....."- اس کے بعد میری موجودہ کتاب کی طبع اول کے ص ۱۷۵ (یعنی طبع دوم کے ص ۲۶۶) سے وہ فقرے نقل کئے گئے جن پر میں یہ نوٹ (۲۲-ب) لکھ رہا ہوں' یعنی سر طامس کی کتابوں کی Blackwells وغیرہ کو فروخت کے بارے میں- (درانی' برمنگھم' ۲۰ جون ۱۹۹۹ء)-

۲۳ - پس تحریر : پروفیسر آرنلڈ کے نام اقبال کے تین نو دریافت پوسٹ کارڈوں (مورخہ ۱۹ اکتوبر ۱۹۰۶ء از کیمبرج' اور مورخہ ۳۱ اکتوبر و ۳ نومبر ۱۹۰۷ء از میونک) کے لئے دیکھئے میری نئی کتاب "نوادر اقبال یورپ میں" (مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان' ۱۹۹۵ء)- (درانی- بون' جرمنی- ۲۰ اگست ۱۹۹۵ء)-

-۱۱-

ہسپانیہ میں علامہ اقبال کے نقش قدم پر

(ان کی ۱۹۳۳ء والی تقریر کی تلاش میں)

۱۹۸۲ء کے موسم بہار کے دوران میں پاکستان میں تھا' جہاں میں لاہور اور اسلام آباد میں اقوام متحدہ کے ایک پروگرام TOKTEN یعنی (Transfer Of Know_how Through Ex_Patriate Nationals) کے تحت گورنمنٹ کالج لاہور اور قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد میں جوہری نقوش (Nuclear Tracks) کی دو تجربہ گاہیں قائم کرنے میں مدد دے رہا تھا۔ انہی دنوں لاہور میں یوم اقبال کی تقریبات بھی زوروں پر تھیں' جن میں میں نے بھی بقدر استطاعت حصہ لیا۔ اسے وہیں ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صاحب سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ جب میں نے ان سے ذکر کیا کہ آئندہ موسم گرما میں میں اپنے خاندان کے ہمراہ تین ہفتے کے لئے ہسپانیہ جا رہا ہوں' تو انہوں نے اصرار کیا کہ میں وہاں ہسپانوی اخبارات میں اقبال کے دورۂ اسپین سے متعلق خبریں اور ان کی اس تقریر کا متن تلاش کروں جو انہوں نے اوائل ۱۹۳۳ء میں میڈرڈ میں کی تھی۔

واپسی پر چند روز کے لئے کراچی میں جناب صہبا لکھنوی مدیر "افکار" سے بھی ملاقات ہوئی۔ وہ ان دنوں اپنی کتاب "اقبال اور بھوپال" کا دوسرا ایڈیشن تیار کر رہے تھے۔ انہوں نے علامہ کے سفر ہسپانیہ کے متعلق کچھ مزید معلومات مہیا کیں' جو اس کتاب میں درج ہیں۔ مثلاً یہ کہ انہوں نے اسپین کا سفر تیسری گول میز کانفرنس کے اختتام پر جنوری ۱۹۳۳ء میں کیا۔ اور وہاں میڈرڈ یونیورسٹی میں "ہسپانیہ اور عالم اسلام

کا ذہنی ارتقاء" کے موضوع پر ایک تقریر کی۔ (وہاں جانے سے پہلے علامہ نے لندن میں ایک موزوں لیڈی سیکرٹری کے انتخاب کا ایک اشتہار بھی دیا تھا۔ یہ خاتون بڑی کار گزار ثابت ہوئیں۔ علامہ کے تمام اخراجات کی رقم ان کی تحویل میں رہی اور وہ اسے موزوں طریقے سے خرچ کرتی رہیں۔ ہاں صہبا صاحب نے بتایا کہ علامہ نے بعد میں بیان کیا کہ اس سفر کے دوران۔۔۔۔۔۔ یا شاید انگلستان ہی میں (؟) ان کی ایک نوٹ بک، جس میں ان کے اشعار اور چند نظمیں درج تھیں، کہیں گم ہو گئی اور بہت تلاش کے باوجود نہ ملی۔ انہوں نے کہا کہ اس کا انہیں ہمیشہ افسوس رہے گا)۔ ۲۔

بہرحال صہبا لکھنوی صاحب نے بھی تاکید کی کہ اس تقریر کے متن یا اس کی اخباری رپورٹ کی تلاش میڈرڈ میں ضرور کروں۔ چنانچہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اور صہبا لکھنوی صاحب کے اصرار پر میں نے اس تقریر کی تلاش کی ہامی بھری، یا کم از کم کوشش کرنے کا وعدہ کیا۔

جولائی ۱۹۸۲ء کے آخر میں ڈنمارک میں (شیکسپیئر کے شہزادہ ہیملٹ کی راجدھانی Elsinore کے مقام پر) ایک سائنس کانفرنس میں حصہ لینے کے بعد میں جرمنی لوٹا، جہاں اس کانفرنس کے دوران میری بیوی، بچوں سمیت، اپنے خاندانی گھر میں ٹھہری ہوئی تھیں۔ اور وہاں سے ہم لوگ کار کے ذریعے سوئٹزرلینڈ اور فرانس ہوتے ہوئے چار اگست کو اسپین میں داخل ہوئے۔ وہاں سے ہم بارسلونا اور ویلنسیا کے رستے سفر کرتے ہوئے اپنی تعطیلاتی قیام گاہ پر پہنچے۔ یہ الیقانتے (Alicante) سے کچھ فاصلے پر Villajoyosa کے قریب دامن کوہ پر واقع ایک گاؤں ہے (Bella Orcheta)، جہاں میری بیوی کی ہمشیرہ اور ان کے شوہر نے چھٹیاں منانے کے لئے دو ایک سال ہوئے ایک گھر تعمیر کیا ہے۔ یہ مکان انہوں نے چند ہفتے کے لئے ہمارے حوالے کیا تھا کہ امسال ہم وہاں سمندر اور پہاڑیوں کے آغوش میں واقع اس خوشگوار و خوش منظر کنج عافیت میں تفریح کا لطف اٹھا سکیں۔

یہ خطہ اندلس کے پہلو میں واقع ہے۔ اور ہم نے یہاں عربوں کے آباد کئے ہوئے کئی قصبوں، ان کے لگائے ہوئے باغات، ان کے بوئے ہوئے نخلستانوں، اور ان

کے تعمیر کیے ہوئے قلعوں اور مسجدوں کی زیارت کی (جو افسوس ہے کہ اب گرجوں میں تبدیل کی جا چکی ہیں۔ مثلاً Elche کی خوبصورت جامع مسجد' جو اب کیتھیڈرل کے طور سے استعمال ہوتی ہے۔ اور وہاں زمانہ وسطیٰ کا ایک مقدس عیسائی تہوار بڑے جوش و خروش سے منایا جاتا ہے' جو ہم نے دیکھا)۔

میں یہ نہیں چاہتا کہ یہ مضمون علامہ اقبال سے متعلق ہونے کے بجائے ایک سفرنامہ بن جائے۔ صرف یہ بیان کرنا چاہوں گا کہ بچپن میں ہسپانیہ میں عربوں کے عہد حکومت کی کہانیاں پڑھنے اور پھر علامہ کی نظم "مسجد قرطبہ" کا مطالعہ کرنے کے بعد ہسپانیہ اور اندلس سے جو دلی لگاؤ پیدا ہو چکا تھا' اس کے تحت میں پہلی مرتبہ اپنے کیمبرج کے زمانہ طالب علمی (۱۹۵۶ء) میں پورے ہسپانیہ کا دورہ کر چکا تھا' جب ۵۰۰۰ کلومیٹری ٹکٹ لے کر میں ریل کے ذریعے اسپین کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک اور اس کے قلب میں گھوم چکا تھا۔ اسی سفر کے دوران علامہ اقبال کی پیروی کرتے ہوئے میں نے بھی مسجد قرطبہ میں نماز ادا کی تھی۔ (اگرچہ تصویر کھنچوانے کی نوبت نہ آئی اور تکبیر بھی مدھم لہجے میں کہی)۔ پھر دوسری مرتبہ میں اپنی بیوی کو (جو جرمن نژاد ہیں) مسلمانوں کے آثار قدیمہ اور ان کی عظیم تہذیب کی یادگاریں (مثلاً الحمرا' اور اشبیلیہ کا القصر (Alca'zar) اور عظیم مینار (Giralda)' اور مسجد قرطبہ دکھانے کے لئے ۱۹۶۹ء میں اسپین آیا۔ اس بار میں چاہتا تھا کہ اپنے بچوں کو بھی ہسپانیہ اور بالخصوص اندلس کے اسلامی باقیات دکھلاؤں۔ چنانچہ بیلا اورچیٹا (Bella Orcheta) میں (جہاں بجلی نہ تھی' اور میں رات کو موم شمعیں جلا کر اپنی ایک سائنس کی تحقیقاتی کتاب کے آخری باب لکھتا رہا) دو ہفتے گزارنے کے بعد ہم لوگ بیس اگست کو وہاں سے اندلس کی سیاحت کو نکلے۔ پہلے مرسیہ میں رکے جہاں ایک خوبصورت کیتھیڈرل (کلیسائے عظیم) ہے۔ اور رستے میں ہجوم نخیل یوں جلوہ گر تھے' جیسے مسجد قرطبہ کے بے شمار ستون۔ اور جا بجا ایسے قصبے اور دریا پڑتے تھے جن کے نام اب بھی عربی ہیں' مثلاً المصفی اور الباسط اور عبیدہ' عینہ اور واد الکبیر۔ اور ایسے محلات اور قلعے باقی تھے' جن کے نام اب بھی القصر اور القلعہ اور المنظر ہیں۔

ایک شہر (غالباً "ایلقانتے یا علی قانتے) میں ایک جلوس نکل رہا تھا' جس میں ہسپانویوں نے عرب یعنی موروی (Moorish) جنگی لباس پہن رکھا تھا اور وہ ہلالی پرچم اٹھائے' شمشیر زنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور رزمیہ موسیقی کی تانیں بلند کرتے ہوئے اپنی پرانی تاریخی روایتوں کی یاد تازہ کر رہے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ آج کے اندلسی اب پھر اپنے گزرے ہوئے دور اسلامی کی ضوفشاں تہذیب و تمدن پر مفتخر' اور ان عرب اسلاف پر نازاں ہیں "جن کی نگاہوں نے کی تربیت شرق و غرب۔ (اور) ظلمت یورپ میں تھی جن کی خرد راہ بیں"۔ اور کہ بقول علامہ:

"جن کے لہو کی طفیل' آج بھی ہیں اندلسی
گرم دل و خوش اختلاط' سادہ و روشن جبیں"

پھر ہمارا اگلا پڑاؤ غرناطہ میں تھا۔ جہاں الحمرا کا قلعہ اور محلات اور باغ' کم سے کم میری نظر میں' دنیا کی حسین ترین عمارتوں میں سے ایک ہیں' اور شاید تاج محل کے بعد اسلامی حسن تعمیر و تزئین کا سب سے بڑا شاہکار۔ اگرچہ بظاہر علامہ اقبال نے الحمرا کو "محض مہذب انسانوں کا کارنامہ" کہا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ:

غرناطہ بھی دیکھا مری آنکھوں نے ولیکن
تسکینِ مسافر' نہ سفر میں نہ حضر میں

قصر الحمرا کی دیواروں' ستونوں اور جالیوں پر عربی کی آیات ہر جگہ خوبصورت نقش و نگار کی طرح جلوہ آرا ہیں اور عرب حکمرانوں (عبدالرحمٰن اول اور اس کے جانشینوں) کا طغریٰ "ولا غالب الا اللہ" ہزارہا مرتبہ تحریر ہے' اور دل پر عجیب اثر کرتا ہے۔ (اگرچہ علامہ' اپنے دوست شیخ محمد اکرام کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں کہ "میں الحمرا کے ایوانوں میں جا بجا گھومتا پھرا۔ مگر جدھر نظر گذرتی تھی' دیواروں پر "ھو الغالب" لکھا ہوا نظر آتا تھا۔ میں نے دل میں کہا یہاں تو ہر طرف خدا ہی خدا غالب ہے۔ کہیں انسان غالب نظر آئے تو بات بھی ہو"۔ دیکھئے "ملفوظات اقبال" از محمود نظامی۔ مطبوعہ اشاعت منزل' لاہور' طبع ثانی ۱۹۴۹ء' ص ۱۸۵-۱۸۶)۔

غرناطہ کے بعد ہم قرطبہ روانہ ہوئے۔ اگرچہ میرا ارادہ تو تھا کہ علامہ اقبال کے

سفر کے پچاس سال بعد (یعنی ۱۹۸۲ء میں) میں دوبارہ انہی کے نقش قدم پر چلوں' لیکن ہم اشبیلیہ نہ جا سکے (میں اس سے پہلے کے دونو دوروں میں وہاں جا چکا تھا)۔ غرناطہ سے قرطبہ کے رستے میں ہم دلکش پہاڑیوں کے اوپر سے گزرے جہاں سے وادیوں میں اُگے ہوئے زیتون کے لاکھوں درخت' اور سورج مکھی کے پھولوں کے بے شعور کھیت' اور انگوروں اور نارنجیوں کے باغات' اور گندم اور جو کی کھیتیاں یوں نظر آتی تھیں جیسے بھورے' خرمائی' زرد' گہرے سبز اور سیاہی مائل بے پایاں قالین ہر طرف پھیلے ہوئے ہوں۔

مسجد قرطبہ کا حسن و جمال بیان سے ماورا ہے۔ بار بار میری زبان پر علامہ کے یہ شعر آتے رہے:

اے حرمِ قرطبہ! عشق سے تیرا وجود
عشق سراپا دوام' جس میں نہیں رفت و بود

....

تیرا جلال و جمال مرد خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل و جمیل' تو بھی جلیل و جمیل

تیری بنا پائدار' تیرے ستوں بے شمار
شام کے صحرا میں ہو جیسے ہجومِ نخیل

تیرے در و بام پر وادیِ ایمن کا نور
تیرا منار بلند' جلوہ گہِ جبرئیل

اس مسجد میں اب بھی قریب ایک ہزار ستون ہیں' اور کوئی ستون کسی دوسرے ستون سے پوری طرح مماثل نہیں ہے۔ اور ان کے اوپر سرخ اور سفید دھاریوں سے مزین قوسیں عجب بہار دکھاتی ہیں۔ مسجد کے باہر دور دور تک وہ "منار بلند" نظر آتا ہے' جس کی طرف علامہ نے اوپر اشارہ کیا ہے۔

اس وسیع عمارت کے ایک حصے میں پرانی محراب اور اس کے خوبصورت نقش و نگار اب بھی محفوظ رکھے گئے ہیں۔ اور یہاں سیاحوں اور زائرین کا بہت ہجوم تھا۔

میں نے بھی ان کے ریلوں کے درمیان چند ثانئے کے لئے تکبیر کہہ کر مختصر نماز ادا کی۔ یا یوں کہئے کہ کھڑے کھڑے نفل پڑھ لیے۔ بقول علامہ:

کافرِ ہندی ہوں میں، دیکھ میرا ذوق و شوق
دل میں صلوٰۃ و درود، لب پہ صلوٰۃ و درود

پھر علامہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہم قدیم عربی دارالحکومت طلیطلہ (Toledo) میں پہنچے۔ جہاں اب بھی پیتل اور فولاد پر زرکاری سے آراستہ اور سیاہ پچی کاری اور کندہ کاری سے مزین اس قدر دلکش اور جاذب نگہ خنجر اور تلواریں، دستی آئینے، تشتریاں اور زیورات بنائے جا رہے ہیں کہ ان سب پر عربوں کی چھاپ صاف نظر آتی ہے۔ عرب زمانے کی عمارات، اور ان کے طرز تعمیر کی پیروکار حویلیاں، باغات، Patios (ٹائلوں اور جھرنوں سے مزین صحن)، فوارے، بازار ہر طرف نظر کش ۳؎ ہیں۔ سولھویں صدی کے یونانی / ہسپانوی مصور El Greco کا گھر بھی قابل دید ہے۔

طلیطلہ کے بعد ہم اویلا Avila گئے۔ رستے میں عربوں کے قلعوں اور بے شمار کھنڈروں اور چیڑ کے درختوں کے ایک وسیع اور گھنے جنگل میں سے ہمارا گذر ہوا۔ جس کا نام عربوں کی یاد دلا رہا تھا۔ یعنی "المورخ" "Almorox"۔ اویلا ایک بے حد خوبصورت اور قدیم شہر ہے جس کے گرداگرد فصیل شہراب بھی باقی ہے، اور ایک عظیم موروی (Moorish) قلعہ وہاں اب بھی موجود ہے۔ ہسپانوی لوگوں کے لئے اس شہر کی خاص کشش Sta. Teresa of Avila کا گرجا اور خانقاہ ہے۔ عقیدت مند کہتے ہیں کہ ان ولیہ اللہ نے حضرت عیسیٰ کی اذیت اپنی روح میں لے لی اور جاں بحق ہو گئیں۔ ۴؎

اویلا سے ہم شام کو چل کر میڈرڈ پہنچے۔ جو وہاں سے قریب ستر میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ میڈرڈ ڈوبتے ہوئے سورج کی شفق رنگ کرنوں میں ایک دلہن کی طرح دہک رہا تھا۔ اس روز اتوار بائیس اگست ۱۹۸۲ء کی تاریخ تھی اور ہمارے پاس میڈرڈ میں رکنے کے لئے صرف ایک دن تھا۔ کیونکہ اس سے اگلی شام ہمیں فرانس پہنچنا تھا۔ جہاں منگل کے روز پیرس میں ہمارے ایک دوست ہمارے منتظر تھے۔ میڈرڈ میں

میرے ذمے صرف ایک کام تھا۔ اور وہ تھا علامہ اقبال کی تقریر کی اخباری رپورٹ کی تلاش۔

علی الصباح ایک بڑے typical (مقامی طرز کے) قہوہ خانے میں ناشتہ کرنے کے بعد میں نے بیوی بچوں کو El Prado کا شہرۂ آفاق متحف و تصویر خانہ (Museum and Art Galleries) دیکھنے کے لئے چھوڑا (جو بد قسمتی سے پیر کا روز ہونے کی وجہ سے بند نکلا' لیکن وہ اس کی عمارت اور باغات دیکھنے کے بعد شاہی محلات اور دیگر پر شکوہ و دلکش عمارات کی زیارت کرتے رہے)۔ اور میں خود قومی کتب خانے (Biblioteca Nacional) کی تلاش میں نکلا۔

یہ پبلک لائبریری شاہراہ Paseo de Recoletos پر Plaza Colon کے قریب واقع ہے۔ میں وہاں ٹریم کے ذریعے گیا۔ لیکن اس لائبریری کے ڈھونڈنے میں کوئی آدھا گھنٹہ لگ گیا۔ کیونکہ اگرچہ یہ ایک بہت بڑی اور عظیم الشان عمارت ہے' پھر بھی بہت سے راہ گیروں کو' جن سے میں نے استفسار کیا' اس کا پتا نہ تھا۔ بہرحال ایک ٹیکسی والے کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے بالآخر میں قریب ساڑھے دس بجے اس دلکش اور پر رونق عمارت میں داخل ہوا۔ یوں اس کام کے لئے میرے پاس قریب تین گھنٹے تھے' کیونکہ دو بجے مجھے اپنے کنبے سے پھر ملنا تھا' اور فرانس کو روانہ ہونا تھا۔

اس وسیع و عظیم عمارت میں بے شمار چھوٹے کتب خانے' دارالمطالعہ' نمائش گاہیں' اطاق ہائے اخبار بینی' عکس سازی کے کمرے' اور دفاتر تھے۔ اور وہاں ۱۹۳۲ء کے اخباروں کی فائلیں ڈھونڈنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ بہرحال میں اللہ کا نام لے کر اور کمر ہمت کس کے داخل ہو گیا۔ کہ بقول اقبال "ڈھونڈنے والے کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں"۔ سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ "زبان یار من ترکی' و من ترکی نمی دانم"۔ میں نے زمانہ طالب علمی والے پہلے سفر ہسپانیہ کو روانہ ہونے سے پیشتر تھوڑی سی ہسپانوی زبان سیکھی تھی' جس کی ایک دھندلی سے یاد اب بھی باقی تھی۔ ۱۹۸۱ء کے دوران ہم لوگ ایک مہینے کے لئے میکسیکو میں تھے۔ (جہاں میں قومی نیوکلیئر سنٹر میں Visiting Profeesor کے طور سے کام کر رہا تھا)۔ اور وہاں یہ زبان پھر کچھ تازہ ہو

گئی تھی- میں ہسپانوی اخبار تو آسانی سے پڑھ لیتا ہوں (یعنی کوئی پچاس ساٹھ فی صد مطلب پلے پڑ جاتا ہے)، لیکن اس کے بولنے میں مجھے خاصی دشواری پیش آتی ہے- جس کی وجہ الفاظ (Vocabulary) کی کمی یا سست رو یاد آوری (Slow recall) ہے-

سب سے پہلے میں لائبریری کے شعبۂ اطلاعات (Enquiries) میں گیا- خوش قسمتی سے وہاں ایک خاتون ایسی تھیں، جو ٹوٹی پھوٹی انگریزی بولتی تھیں- میں نے ان سے عرض مدعا کیا کہ ایک مشہور و معروف فلسفی ۱۹۳۳ء میں ہندوستان سے اسپین آئے تھے- اور یہاں میڈرڈ میں انہوں نے ہسپانیہ اور اسلام کے تعلقات پر ایک تقریر کی تھی- اور مشہور ہسپانوی دانشور آسین پلاسیوز سے ملاقاتیں بھی کی تھیں- میں نے کہا کہ میں اس تقریر کی اخباری رپورٹ کی تلاش میں ہوں، اور اگر اس تقریر کا متن بھی کہیں مل جائے تو کیا ہی کہنے- یہ خاتون کافی پڑھی لکھی تھیں، اور وہاں Cataloguist (مرتبۂ فہارس) کے طور سے کام کر رہی تھیں- ان کا نام سینیوریتا Concha Lois تھا، جو کہ اس وقت میرے سامنے ان اوراق پر تحریر ہے، جو میں اس وقت یادداشت کے لئے تیار کر رہا تھا- انہوں نے کہا کہ Miguel Asin Palacios ایک مشہور مفکر تھا- جس نے اسپین کی تاریخ و تمدن پر کئی کتابیں لکھی ہیں- اگر میں چاہوں تو انہیں بھی دیکھ لوں- (میں نے Catalogue Cards دیکھے تو واقعی بیس پچیس کتابیں ان کے نام سے درج تھیں- جن میں سے بعض، جہاں تک مجھے یاد ہے، ہسپانیہ کے پرانے دور اسلامی سے متعلق تھیں- لیکن ظاہر ہے کہ ان کی ورق گردانی کے لئے میرے پاس وقت نہ تھا)-

اب جہاں تک اخبارات کا تعلق ہے- تو آپ خود ہی سوچئے کہ اگر آپ سے کوئی پوچھے کہ ۱۹۳۰ء میں بولیویا کے ملک میں سب سے اہم اخبارات کون سے تھے، تو آپ کیا جواب دیں گے؟ میں نے ان خاتون سے پوچھا کہ پہلے تو یہ بتایئے کہ ۱۹۳۳ء میں اسپین میں کون سے ممتاز سیاسی اور ادبی اخبارات تھے، جہاں اس قسم کی تقریر کے اقتباسات مل سکتے ہوں- انہوں نے کہا یہ کہنا مشکل تو ہے- بہرحال مندرجہ ذیل اخبارات شاید کار آمد رہیں- انہوں نے میرے کاغذ پر جو فہرست لکھی وہ یوں تھی-

Periodicos

1. El Pais

2. ABC

3. Cambio 16 (لیکن شاید ۱۹۳۳ء کے بعد شروع ہوا ہو)

4. Pueblo

5. Informaciones

6. Arriba

7. Las Provincias

پھر فرمانے لگیں کہ اگر اس بارے میں پوری اطلاعات چاہتے ہو تو اس کتب خانے کے ایک اور حصے میں جاؤ' جہاں Archives (کتب محفوظ اور اسناد و سجلات) واقع ہیں۔ میں اس کی نگران خاتون کو ٹیلی فون پر تمہاری فرمائش کی اطلاع دیے دیتی ہوں۔ یہ دفتر کتب خانے کے باہر والے بازو پر ایک تہ خانے میں واقع تھا' جس کی تلاش میں مجھے کوئی بیس منٹ لگ گئے۔ کیونکہ تعمیر کی وجہ سے وہاں جانے کا راستہ مسدود تھا' اور میں کتب خانے کے گرداگرد گھومتا رہا۔

آخر کار میں پھرتا بھٹکتا اس تہ خانے میں داخل ہوا تو معلوم ہوا کہ وہاں صرف دو تین خواتین کتابوں کے بھرپور خزانوں میں گھری ہوئی براجمان ہیں۔ لیکن سب کی سب انگریزی زبان سے نابلد۔ ایک صاحبہ نے مجھے خوش آمدید کہی اور بتایا کہ سینیوریتا لو الیس نے ان سے ٹیلی فون پر بات کی تھی۔ چنانچہ یہ رہیں کیٹلاگ (فہرستوں) کی جلدیں۔ ان میں سب معلومات موجود ہیں۔ اب یہ وہی بات ہوئی کہ خدا جسے دیتا ہے' چھپر پھاڑ کر دیتا ہے۔ معلومات کی دولت کی وہ فراوانی تھی کہ میرے پاس وہ دامن نہ تھا کہ اس میں وہ سما سکتیں۔ اور نہ وقت تھا کہ علاج تنگی داماں بھی کر سکتا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ سارے اسپین میں سنہ سولہ سو عیسوی سے لے کر تاحال جو اخبار یا رسالہ (Periodical) شائع ہوا ہے' اور جس کے کچھ پرچے اس قومی کتب خانے میں محفوظ ہیں' ان کی بابت پوری کتابیاتی (Bibliographic) معلومات یہاں

درج ہیں- یہ "ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم---" کا مصداق ہوا' یا Excess of riches (فراوانیِ زر) کا-

وقت کی کمی کے پیش نظر سب سے پہلے تو میں نے یہ فیصلہ کیا کہ صرف ان منشورات پر نظر ڈالوں جو میڈرڈ سے شائع ہوئی تھیں- دوسرے صرف ان مطبوعات پر توجہ مرکوز کروں جو ۱۹۳۳ء میں زندہ تھیں- اور تیسرے صرف ادبی و سیاسی اخبارات و مجلات کی تفاصیل نوٹ کروں-

یہ سارا کام پورا کرنے میں قریب ایک گھنٹہ لگ گیا- میں جب ان معلومات سے لدا پھندا واپس بڑے (Main) کتب خانے میں پہنچا' تو کوئی ساڑھے بارہ بجا چاہتے تھے- مس لو ایس ابھی وہاں موجود تھیں' لیکن جلد ہی لنچ کے لئے جانے والی تھیں- میں نے پوچھا کہ کیا میں ان میں سے کچھ اخبارات کی پرانی جلدیں دیکھ سکتا ہوں؟ کہنے لگیں اس کے لئے تمہیں ایک روز کے لئے لائبریری کا ممبر بننا پڑے گا- میں نے کہا بسرو چشم- تو پھر کہنے لگیں تمہارے پاس کوئی ذاتی دستاویزات ہیں- مثلاً پاسپورٹ یا برمنگھم یونیورسٹی کا کوئی سرکاری کارڈ؟

اب یہی میری Achilles' heel (کمزور پہلو) ثابت ہوئی- میں اس لائبریری میں داخل ہوتے ہی (بلکہ بیوی بچوں سے رخصت ہوتے ہی) اس بات پر گھبرا رہا تھا کہ میرے پاس اس امر کا کوئی تحریری ثبوت نہ تھا کہ میں کون ہوں؟ میرا پاسپورٹ اور ذاتی اہم کاغذات میری بیوی کی تحویل میں تھے- اور میری یونیورسٹی ڈائری' سینئر کامن روم (Senior Common Room) کا کارڈ اور باقی ذاتی اسناد میرے دستی بیگ میں بند ہماری کار میں مقفل تھیں' جو ہمارے ہوٹل میں کھڑی تھی' مگر جس کی کنجیاں میرے پاس نہیں تھیں- میں نے ان خاتون کو بتایا کہ میرے پاس کوئی سرکاری کاغذات اس وقت موجود نہیں ہیں- کہنے لگیں کہ ہوٹل جا کر لے آؤ- لیکن وہاں جانے کا نہ تو وقت تھا' نہ اس کا کوئی فائدہ تھا- نہ جانے اس وقت میرا خاندان میڈرڈ کے کون سے حصے میں سیاح گردی کر رہا تھا- میں نے اپنی مشکل بیان کی' لیکن انہوں نے کہا کہ مجھے بڑا افسوس ہے کہ تحریری ثبوت کے بغیر لائبریری کا ممبر بننا اور کتابیں

نکلوا کر دیکھنا ممکن نہیں ہے۔ اس صورت میں میں تمہاری مزید مدد نہیں کر سکتی۔ لیکن کتب خانے کے فلاں گوشے میں جا کر قسمت آزمائی کر لو۔ شاید وہ تمہیں کسی طرح عارضی ممبر بنا ہی لیں' اگرچہ مجھے اس میں شبہ ہے۔ وہ یہ بات کر کے خدا حافظ کہہ کر لنچ کے لئے رخصت ہو گئیں۔ اب یہاں نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن والا معاملہ تھا۔ میں یومیہ ممبر سازی والے کمرے میں گیا تو وہاں طالبان علم اور درخواست گزاروں کی ایک لمبی قطار (queue) لگی ہوئی تھی۔ اور مجھے معلوم تھا کہ جب بیس پچیس منٹ بعد میری باری آئے گی' تو وہ مجھ سے ذاتی کاغذات کا ضرور پوچھیں گے' کیونکہ سب لوگ کارڈ وغیرہ دکھا کر ممبر بن رہے تھے۔ ورنہ فیس کی کوئی خاص بات نہ تھی۔ یہ ایک روز کی ممبر شپ کے لئے صرف دو تین روپے تھی۔ اب میں نے سوچا کہ دن بھر کی محنت کے بعد اب سارا حاصل دریا برد کرنا' یا بہ باد انداخت کر دینا تو نہ چاہئے۔ اور پھر ایسا موقع دوبارہ کب ملے گا۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ اب کہ "دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا" ہے تو بجائے اس کے کہ عقل محو تماشائے لب بام رہے۔ بہتر یہی ہے کہ علامہ کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے "بے خطر کود پڑے آتش نمرود میں عشق"۔ تو میں اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لئے۔ یعنی اس پاسبان کے جو کتب خانے کے Turnstile (گھومتی چرخی) پر کھڑا تھا' اور لوگوں کو اندر جانے سے روک رہا تھا' جہاں کتابوں تک ان کی رسائی ہو سکتی تھی۔ خوش قسمتی سے وہ مجھے ان مرتبۂ فہارس خاتون مس لو ایس سے باتیں کرتے ہوئے دو تین مرتبہ دیکھ چکا تھا' اور مجھے معلوم تھا کہ موصوفہ خود لنچ کے لئے جا چکی ہیں۔ میں نے اس سے اشارے کنائے سے کہا کہ میں اندر جانا چاہتا ہوں۔ اور سینیورینا لو ایس کا نام لیا۔ گویا ان کی اجازت خاص مجھے حاصل ہے۔ اس نے جنگلہ (Turnstile) گھمایا اور مجھے اندر جانے کی اجازت دے دی۔ تو یوں پہلا مرحلہ طے ہو گیا۔ اب وہ خاتون مجھے بتا ہی چکی تھیں کہ پرانے اخبارات کون سے شعبے میں رکھے جاتے ہیں۔ میں پوچھتا پاچھتا وہاں جا ہی پہنچا۔ اگرچہ یہ کتب خانہ بہت وسیع و عریض تھا اور کئی منزلوں پر مشتمل تھا۔

اب متعلقہ شعبے میں وارد ہونے کے بعد وہاں کے محافظ کتب کے پاس پہنچا تو

دیکھا کہ یہ عینک لگائے، گھنی سی ڈاڑھی والے ایک مولانا ہیں جو فرانسیسی مصور Toulouse-Lautrec سے کچھ کچھ مشابہ ہیں۔ پوچھنے لگے۔ وہ سفید ممبر شپ کارڈ کہاں ہے؟ پھر فرمایا وہ سرخ رنگ والا دوسرا فارم حاضر کیجئے۔ میں نے کہا میں ہسپانوی زبان نہیں جانتا۔ اس پر وہ مجھے دوسرے لوگوں کے لائے ہوئے کارڈ دکھانے لگے کہ یہ چیز چاہئے۔ میں نے کچھ لاعلمی کا اظہار کیا۔ ساتھ ہی انہیں وہ کاغذ دکھا کر جس پر سینیورینا لو ایس نے اپنا نام لکھا تھا، اور کچھ اخباروں کے نام تحریر کیے تھے، میں نے یوں ظاہر کیا کہ گویا میں ان محترمہ کی خاص اجازت سے یہاں آیا ہوں۔ میرے سب کاغذات ان کی تحویل میں ہیں۔ میں انگلستان میں پروفیسر ہوں، اور یہاں ایک خاص کام سے آیا ہوں۔ انگریزی زبان کا مقولہ بھی ہے کہ Desperate maladies demand desperate remedies (تنگ آمد، بجنگ آمد۔ یا بالفاظ دیگر: مرتا کیا نہ کرتا؟)۔ مجھے یہ بھی اطمینان تھا کہ میں اس کتب خانے کو کوئی نقصان نہیں پہنچا رہا۔ کام نیک ہی ہے، اور اس وقت اور کوئی چارۂ کار بھی نہیں۔

میری ان توضیحات کو سن کے، جنہیں وہ بڑی حد تک سمجھ نہ پائے تھے (جیسا کہ میرا مقصد بھی تھا)، ان بے چارے مولانا نے کچھ افسوس کے ساتھ یوں سرہلایا کہ گویا میرے ساتھ ہم دردی کر رہے ہیں کہ باہر کے ملک کا بیچارہ کوئی ناواقف دانش جو ہے۔ کوئی بات نہیں اگر پورے کاغذات اس کے پاس نہیں ہیں۔ لیکن بہرحال سینیورینا لو ایس سے تو یہ بات کر ہی چکا ہے۔ کہنے لگے بتاؤ کون کون سے اخبارات کی فائلوں کی ضرورت ہے۔ میں نے خدا کا شکر کیا کہ مسئلہ حل ہوا۔

اس وقت ایک بج چکا تھا۔ اور میرے پاس زیادہ سے زیادہ پینتالیس منٹ باقی تھے۔ میں نے کہا مجھے پہلے تو روزنامہ "ABC" کے جنوری اور فروری ۱۹۳۳ء کے پرچے دے دیجئے۔ اور پھر El Sol (آفتاب) کے انہی مہینوں کے پرچے۔ (مجھے جنوری اور فروری کے مہینوں کے ہسپانوی نام معلوم نہ تھے۔ چنانچہ میں نے ان کے فرانسیسی مترادف لکھ کر دیئے، جو وہ آسانی سے سمجھ گئے)۔ تھوڑی دیر میں وہ جہازی سائز کی، جلد بندھی ہوئی چند چوڑی چکلی کتابیں لے آئے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے ہر مہینے کی

فائل ایک الگ کتاب کی صورت میں محفوظ تھی۔ اب یہ مضمون میں تقریباً" ایک سال کا عرصہ گذرنے کے بعد لکھ رہا ہوں' اور میری یادداشت کے مطابق ان میں سے روزنامہ ABC زیادہ کار آمد نظر آیا۔ یہ ایک بڑا سنجیدہ سیاسی اور علمی روزنامہ تھا' جیسے لندن کا Times یا پاکستان کا Dawn۔ اتوار کا پرچہ بڑا مصور ہوتا تھا۔ ۱۹۳۳ء کے لحاظ سے اس میں ہٹلر کے عروج کے بارے میں کافی خبریں تھیں۔ ہسپانیہ کی آنے والی خانہ جنگی کی پیش رو پرچھائیاں اور ان کی وجہ سے ملک میں ابتری اور تباہی کے مناظر نظر آتے تھے۔ روس میں جو معاشرتی انقلاب برپا ہو رہے تھے' ان کے بارے میں بڑی بڑی خبریں تھیں۔ غرض میں ورق الٹتا رہا۔ اور اس بھرپور طوفان اطلاعات میں علامہ اقبال کی میڈرڈ والی تقریر کی تلاش کرتا رہا۔ مشکل یہ تھی کہ اس وقت مجھے اچھی طرح سے یاد نہ تھا کہ وہ ہسپانیہ میں کن تواریخ میں وارد ہوئے تھے' اور میڈرڈ کب پہنچے تھے۔ (واضح رہے کہ مجھے ابھی ہوبوہم صاحب سے علامہ کے خطوط بنام مس ویگے ناسٹ موصول نہ ہوئے تھے' جن میں میڈرڈ پہنچنے کی تاریخوں کا تعین ہوتا ہے' یعنی اوائل جنوری ۱۹۳۳ء میں پیرس سے آمد' اور پھر جنوبی ہسپانیہ کے دورے سے ۲۱ جنوری ۱۹۳۳ء کو میڈرڈ میں واپسی۔ تفصیلات کے لئے نیچے دیکھئے۔) ہاں تھوڑی دیر کی ورق گردانی کے بعد یہ معلوم ہو گیا کہ اس پرچے میں مضامین کی ایک ترتیب ہے۔ ایک خاص عنوان میڈرڈ میں علمی و ادبی سرگرمیوں کا ہوتا تھا۔ عموماً" ہر روز' لیکن کسی خاص صفحے پر نہیں۔ ہر روز کا اخبار قریب بیس صفحوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ اور وہ بھی غیر زبان میں۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس میں علامہ کی تقریر کا تلاش کرنا ایسا ہی تھا جیسا کہ انگریزی ضرب المثل کے مطابق تودۂ کاہ میں تلاشِ سوزن۔ بہرحال میں جلد جلد ورق الٹ کر ہر روز کے اس کالم کو ڈھونڈ نکالتا رہا' جہاں ادبی اور تہذیبی سرگرمیوں کی اطلاعات ہوتی تھیں کہ فلاں دانشور نے یہ تقریر آج فلاں حلقہ ادب میں کی۔ یا فلاں مشہور مصور کی تصاویر کی نمائش ہوئی' یا ایک معروف ادیب کی نئی کتاب شائع ہو گئی ہے۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے' پروفیسر آسین پلاسیوز کی کسی تازہ کتاب یا تقریر کا تذکرہ بھی تھا۔ لیکن

ع وہ جس کی تھی تلاش، وہ گوہر نہ مل سکا

میں نے جنوری کے تمام پرچوں کو دیکھ ڈالا- اس کے بعد فروری کے پہلے دس روز کے پرچوں کو بھی- لیکن گوہر مقصود ہاتھ نہ لگا- ظاہر ہے کہ یہ تلاش بے حد عجلت میں کی گئی تھی، کیونکہ مجھے دو بجے واپس پہنچنا تھا- اس لئے ممکن ہے کہ میری نظر اس خبر پر نہ پڑی ہو- پھر میں نے پرچے بھی ایک ہی اخبار کے پوری طرح سے (یا بڑی حد تک) دیکھے، یعنی ABC کے- اس دوسرے اخبار El Sol کی ورق گردانی میں اس سے بھی زیادہ تیزی اور کم توجہی سے کر پایا، اور صرف جنوری کے وسط تک کے شماروں کو دیکھ سکا- اس لئے اس تلاش میں ناکامی قابل تعجب نہیں ہے-

میں نے اوپر کے حالات کچھ تفصیل سے اس لئے لکھ دیئے ہیں کہ شاید اس سے کسی اور دانش جو کو تشویق ہو- کیا ہی اچھا ہو اگر میڈرڈ میں ہمارے سفارت خانے کے شعبۂ تمدن سے وابستہ کوئی صاحب (مثلاً ہمارے Cultural or Educational Attache) اس سلسلے میں مزید اقدام کریں- یا پھر اسپین کا دورہ کرنے والے کوئی پاکستانی یا ہندوستانی عالم، ادیب یا مداح اقبال اس جستجو کو آگے بڑھائیں- اور اگر وہ ایسا کریں تو میں کوئی وجہ نہیں سمجھتا کہ اس تلاش میں پوری کامیابی کیوں نہ ہو-۵- کہ بقول اقبال

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیِ داماں بھی ہے

میں تو وقت کی تنگی کی وجہ سے انہی چند کلیوں پر قناعت کر کے بھاگم بھاگ واپس ہوٹل میں پہنچا (جب کہ سہ پہر کے ڈھائی بج چکے تھے اور میرے اہل خانہ پا بہ رکاب میرے منتظر تھے- میرے پہنچتے ہی ہم وہاں سے ہسپانیہ اور فرانس کی سرحد کو روانہ ہو گئے- رستے میں میڈرڈ کے نواح کی پہاڑیوں پر جو بے پناہ ژالہ باری ہوئی، اس کی داستان الگ ہے)- لیکن دراصل کسی صاحبِ ذوق و شوق کا انتظار اب بھی ہے کہ وہ علامہ کے ۱۹۳۳ء کے سفر ہسپانیہ (و فرانس)، اور اس سے ایک سال پہلے (۲۲ تا ۲۹ نومبر ۱۹۳۱ء) والے سفرِ اطالیہ کے پورے حالات جمع کرنے کی کوشش کرے-

یہ نوادرات اب بھی غالباً" ان ملکوں کے اخباروں اور صحیفوں کے اوراق میں محفوظ ہیں' اور کسی غوّاصِ پُرشوق و ژرف بیں کے انتظار میں ہیں۔

بہرحال' جیسا کہ اس کتاب کے ایک اور مضمون (مس ویگے ناسٹ کے نام اقبال کے غیر مطبوعہ خطوط۔ دیکھئے صفحات (۱۸۳۔ ۲۳۰) میں بیان کیا گیا ہے' علامہ نے میڈرڈ سے ۲۱ جنوری ۱۹۳۳ء کو اپنے خط (نمبر ۲۷) میں مس ویگے ناسٹ کو اطلاع دی کہ "میں جنوبی ہسپانیہ کے دورے کے بعد آج میڈرڈ واپس پہنچا ہوں۔ افسوس کہ میرے لئے اس مرتبہ ہائیڈل برگ آنا ناممکن ہوگا۔ مجھے وہ سارے ٹکٹ منسوخ کرنے پڑے' جو میں نے لندن میں خریدے تھے' کیونکہ میرے لئے لازمی ہے کہ میں وینس سے ۱۰ فروری ۱۹۳۳ء کو روانہ ہونے والا جہاز Conte Verdi پکڑوں"۔ اس خط سے ان کے میڈرڈ واپس پہنچنے کی تاریخ کا قطعی تعین ہوتا ہے۔

میں نے جب یہ مضمون لکھنا شروع کیا تو بالکل اتفاق' بلکہ حسن اتفاق' سے اقبال ریویو (مجلّہ اقبال اکادمی پاکستان) جلد ۱۸ کا شمارہ بابت جولائی تا اکتوبر ۱۹۷۷ء میری نظر پڑ گیا۔ اس میں جناب رحیم بخش شاہین نے ایک بڑا سیر حاصل مضمون لکھا ہے' بہ عنوان "تیسری گول میز کانفرنس اور اقبال" (صفحات ۷۹ تا ۱۳۵)۔ اس میں انہوں نے بڑی تفصیل سے علامہ کے سفر ہسپانیہ کے حالات مختلف ماخذ سے جمع کر کے درج کیے ہیں۔ بلکہ یہ لکھنے کے بعد کہ میڈرڈ میں "آپ نے جس مجلس میں خطبہ ارشاد فرمایا اس کی روداد اندلسی (غالباً" مراد "ہسپانوی" ہے۔ درانی) اخبارات میں شائع ہوئی"۔ وہ روزنامہ El-Debate کا حوالہ دیتے ہیں' (بہ مطابق Letters and Writings of Iqbal از بی۔ اے۔ ڈار' اقبال اکادمی پاکستان' کراچی' ۱۹۶۷ء صفحات ۷۷ تا ۷۹) کہ (میڈرڈ یونیورسٹی میں) فلسفہ وادب کی فیکلٹی کی نئی عمارت (بمقام Moncloa) میں The Intellectual World of Islam and Spain کے عنوان سے علامہ اقبال نے جو تقریر کی تھی' اس کی رپورٹ اس اخبار میں چھپی تھی۔ اس رپورٹ میں علامہ کی تقریر کے مطالب (Contents) کا تو کم تذکرہ کیا گیا ہے۔ لیکن اس تقریب کے صدر جناب Asin Palacios کے تعارفی خطبے کا کافی بھرپور خلاصہ پیش

کیا گیا ہے۔

اسی مضمون میں شاہین صاحب ہمیں بتاتے ہیں کہ ۲۶ جنوری ۱۹۳۳ء کو علامہ سیاحت سپین سے واپس (لندن) تشریف لائے۔ یکم فروری ۱۹۳۳ء کو مولانا غلام رسول مہر کے نام (پیرس کے Hotel Lutetia سے لکھے ہوئے۔ درانی) مکتوب میں اقبال نے اطلاع دی ("انوار اقبال"۔ مرتبہ بشیر احمد ڈار' مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان' کراچی ۱۹۶۷' ص ۱۰۳) "۲۶ جنوری کو ہسپانیہ کے سفر سے واپس آیا۔ اب ۱۰ فروری کو وینس سے اطالوی جہاز "کانتے وردی" پر سوار ہو کر ۲۲ کی صبح کو انشاء اللہ العزیز بمبئی پہنچ جاؤں گا"۔۶۔

اس مضمون کے ختم کرنے سے پہلے شاید ایک دو امور کا ذکر باعث دلچسپی ہو۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جس لیڈی سیکرٹری کا میں نے مضمون کے شروع میں ذکر کیا تھا' اس کے متعلق کچھ مزید تفصیلات "سرگذشت اقبال" از ڈاکٹر عبدالسلام خورشید (مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان' لاہور ۱۹۷۷ء' ص ۴۱۷)' اور جناب رحیم بخش شاہین کے متذکرہ بالا مضمون (اقبال ریویو' جلد ۱۸' نمبر ۲ و ۳' ۱۹۷۷ء) میں موجود ہیں۔ مثلاً یہ کہ El-Debate میں شائع ہونے والی خبر میں لکھا تھا کہ "اس سفر میں ان کے (یعنی اقبال کے) ساتھ ان کی صاحب زادی ہیں۔ دبلی پتلی' جن کا چہرہ کسی یورپین کی طرح گورا چٹا ہے"۔ شاہین صاحب لکھتے ہیں (ص ۱۰۷) کہ "اس سفر میں ان کی ترجمانی کے لئے ایک لڑکی سیکرٹری کی حیثیت سے ان کے ہمراہ تھی۔ جسے غلطی سے اہل سپین نے ان کی بیٹی خیال کیا" (بحوالہ Letters and Writings of Iqbal' مرتبہ بشیر احمد ڈار' مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان' کراچی' ۱۹۶۷ء' دیکھئے فٹ نوٹ ص ۷۸) ڈاکٹر عبدالسلام خورشید لکھتے ہیں (ص ۴۱۷) کہ اس لڑکی کے بارے میں علامہ نے عطیہ بیگم کے نام ایک خط میں یہ دلچسپ بات لکھی کہ "اسپین میں میری پرائیویٹ سیکرٹری ایک انگریز لڑکی تھی۔ اس نے اچانک میری جانب اپنا طرز عمل بدل ڈالا۔ اور میری خدمت یوں کرنے لگی جیسے وہ پرائیویٹ سیکرٹری نہیں' ایک مرید ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ طرز عمل بدلنے کا سبب کیا ہے؟ اس پر اس نے کہا' مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی ہے

کہ آپ ایک آسمانی وجود ہیں! (میں نے کہا کہ) میرے لئے یہ ممکن نہیں کہ اپنے آپ کو مثبت انداز میں پیش کروں۔ بہرحال میں منفی طور پر صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں احمق نہیں ہوں" (بحوالہ Letters and Writings of Iqbal، مرتبہ بشیر احمد ڈار، صفحات ۱۰-۱۱) اس خاتون کے بارے میں مزید تحقیق باعث دلچسپی ہو گی کہ یہ ہسپانوی زبان جاننے والی انگریز لڑکی کون تھی اور کس قسم کی عورت تھی۔ مثلاً آیا کہ وہ اس زمانے میں مذہب کی جستجو اور گرو کی تلاش میں مبتلا (Theosophist قسم کے) نوجوان لڑکے لڑکیوں میں سے ایک تھی۔ وغیرہ وغیرہ۔

دوسری بات یہ ہے کہ علامہ کے دورۂ ہسپانیہ کے بارے میں بالعموم، اور مسجد قرطبہ کی زیارت کے بارے میں بالخصوص، جو غلط فہمیاں اور متضاد روایات پھیلی ہوئی ہیں، ان کی تصحیح کے لئے مزید تحقیقات کی ضرورت ہے۔ (برسبیل تذکرہ: شاہین صاحب کے متذکرہ بالا مضمون میں El-Debate میں شائع شدہ رپورٹ کے مطابق پروفیسر آسین پلاسیوز فرماتے ہیں کہ "اقبال کی تہذیبی نشوونما کیمبرج کی قانون کی یونیورسٹی میں ہوئی ہے"۔ ظاہر ہے کہ یہ غالباً" نامہ نگار کی غلطی ہے کہ اس نے علامہ کی کیمبرج میں فلسفے کی تعلیم اور لندن (Lincoln's Inn) میں قانون کی تعلیم کو خلط ملط کر دیا ہے)۔ پس تحریر: یہ بیان ڈار صاحب کی مرتبہ کتاب مذکورہ کے (جو اب مجھے دستیاب ہے) ص ۸۷ پر دیکھا جا سکتا ہے، اگرچہ وہاں "Law Universities of Cambridge" تحریر ہے۔ مزید برآں، اقبال کی تعلیم کے بارے میں یہ بات (پادری) پروفیسر پلاسیوز نے نہیں کہی تھی، بلکہ یہ اطلاع اخبار کے نامہ نگار نے بہم پہنچائی تھی۔ (درانی، ۲۳ جون ۱۹۹۶ء)۔

علامہ کی مسجد قرطبہ کی زیارت کے بارے میں اس قدر غلط اور باہم متضاد روایتیں مشہور ہیں کہ خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھئے۔ ناطقہ سر بہ گریباں کہ اسے کیا کہیے۔ سب سے بے سروپا روایت تو وہ ہے جو میں نے چند سال ہوئے رحیم بخش شاہین صاحب کی کتاب ("اوراقِ گم گشتہ"، بار دوم، مطبوعہ اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، مارچ ۱۹۷۹ء) میں دیکھی تھی۔ یہ ایک مضمون ہے بعنوان "اقبال مسجد قرطبہ

میں" (صفحات ۳۳۰-۳۳۴)۔ جو جناب محمود الرحمان صاحب نے "جنگ" راولپنڈی کے اقبال نمبر مورخہ ۲۱ اپریل ۱۹۷۴ء میں شائع کیا تھا۔ اس میں راقم مضمون نے اپنی یادداشت کے بھروسے پر اس تقریر کا خلاصہ پیش کیا ہے جو جناح کالج کراچی کے پرنسپل جناب امتیاز محمد خاں مرحوم نے فروری ۱۹۶۳ء کی ایک شام کو کالج میں منعقد ہونے والی ایک الوداعی تقریب میں کی تھی۔ ظاہر ہے کہ اتنے سال گزر جانے کے بعد جناب محمود الرحمان کے ذہن سے چند تفصیلات غالباً" محو ہو چکی ہوں گی۔ لیکن اچھا ہوتا اگر وہ یہ مضمون تحریر کرنے سے پہلے حوالے کی کتابیں یا مضامین غور سے دیکھ لیتے۔ بہر صورت' بقول ان کے' جناب امتیاز محمد خاں نے اپنی ۱۹۶۳ء والی تقریر میں فرمایا کہ "جب میں نے علامہ سے ان کے آخری زمانے میں ملاقات کی۔ تو------ اس موقع پر علامہ نے اپنی زندگی کی ایک ایسی حقیقت کا اظہار کیا' جس کا تذکرہ نہ کسی کتاب میں ملتا ہے' نہ ہی کسی مضمون نگار نے کہیں ذکر کیا ہے۔ علامہ فرمانے لگے کہ جب وہ تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے لندن گئے تو اس دوران سفر ان کا بے طرح جی چاہا کہ اسلامی دور کی قدیم نشانی اسپین کو بھی جا دیکھیں۔ خصوصاً" الحمراء اور مسجد قرطبہ کی پر شکوہ عمارات کا مشاہدہ بھی کریں۔ یہ خیال آتا تھا کہ دل میں ایک ہوک سی اٹھی۔ مسجد قرطبہ کو دیکھنے کا موقع تو مل جائے گا۔ مگر وہاں نماز کس طرح ادا کر سکوں گا------ اسی ادھیڑ بن میں مجھے اپنے پرانے کرم فرما استاد اور دوست پروفیسر سر مینتھیو آرنلڈ یاد آئے۔ وہ ان دنوں بہت ضعیف ہو چکے تھے اور لندن ہی میں مقیم تھے۔ میں سیدھا ان کے پاس پہنچا اور مدعا بیان کیا۔ پہلے تو پروفیسر موصوف کچھ سوچتے رہے' پھر انہوں نے کہا میں پوری کوشش کروں گا کہ تمہاری تمنا بر آئے۔ (واضح رہے کہ سر آرنلڈ پہلے علی گڑھ میں اور پھر لاہور میں عربی کے پروفیسر رہ چکے تھے۔ انہوں نے انگریزی میں Preaching of Islam کے نام سے چار جلدوں میں ایک معرکۃ الآرا کتاب بھی لکھی تھی۔ انہوں نے تفسیر کبیر کا بھی انگریزی میں ترجمہ کیا تھا۔ جو آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے)۔ ک۔

"پروفیسر آرنلڈ نے حکومت ہند کے ہوم سیکرٹری کو ایک خط لکھا' اور اس سے

درخواست کی کہ حکومت ہسپانیہ کے ہوم سیکرٹری کو خط لکھ کر اس امر کی اجازت حاصل کرے کہ ڈاکٹر سر محمد اقبال سفر قرطبہ کے دوران مسجد قرطبہ میں باقاعدہ نماز ادا کر سکیں۔ پروفیسر آرنلڈ کی یہ کوشش بار آور ثابت ہوئی اور مجھے اجازت مل گئی۔ مگر ایک شرط کے ساتھ ـــــــ کہ جب میں مسجد قرطبہ میں داخل ہو جاؤں' تو دروازہ بند کر دیا جائے اور اس پر قفل لگا دیا جائے' چنانچہ ایسا ہی ہوا"۔ (اوراق گم گشتہ' ص ۳۳۱-۳۳۳)

اب یہ اوپر کا اقتباس روایت در روایت پر منحصر ہے۔ یعنی جناب امتیاز محمد خاں کی یادداشت کہ ۱۹۳۸ء سے پہلے علامہ نے ان سے کیا فرمایا تھا' اور پھر ۱۹۶۲ء میں خان صاحب نے تقریر میں کیا کہا۔ اور پھر ۱۹۷۴ء میں جناب محمود الرحمان نے اپنی یادداشت کے بھروسے پر کیا لکھا۔ "اوراقِ گم گشتہ" کا ایک نسخہ میں نے کراچی سے جنوری ۱۹۸۱ء میں خریدا تھا۔ اس پر ۲۹ مارچ ۱۹۸۱ء کی تاریخ کے ساتھ میں نے حاشیے میں اپنی آراء کا اضافہ کیا تھا۔ اولاً" یہ کہ میتھیو آرنلڈ کے بجائے سر طامس آرنلڈ ہونا چاہئے۔ یاد رہے کہ مشہور شاعر اور نقاد میتھیو آرنلڈ کا انتقال ۱۸۸۸ء میں ہو چکا تھا۔ اور ان کا نہ تو سر طامس سے نہ علامہ اقبال سے کوئی تعلق تھا۔ حاشیے پر میں نے دوسرا تبصرہ یہ کیا تھا کہ "یہ بیان بالکل غلط ہے۔ سر طامس آرنلڈ کا انتقال ۱۹۳۰ء میں ہو چکا تھا جبکہ ان کی عمر ۶۶ سال تھی"۔ (دیکھئے اس کتاب میں میرا مضمون "اقبال کے استادِ مشفق' سر طامس آرنلڈ")۔ ہاں' جب میں ۱۹۷۷ء میں وہ مضمون لکھ رہا تھا' تو مجھے بھی خیال آیا تھا کہ گیا گول میز کانفرنسوں میں شرکت کے دوران علامہ اپنے پرانے استاد سے ملے یا نہیں؟ لیکن تاریخیں دیکھنے پر ثابت ہوا کہ ایسا ہونا بالکل ناممکن تھا۔ کیونکہ وہ دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے' ۱۹۰۸ء کے بعد پہلی مرتبہ انگلستان لوٹے تھے۔ یعنی بروز ۲۷ ستمبر ۱۹۳۱ء (دیکھئے "سفرنامہ اقبال"۔ از جناب محمد حمزہ فاروقی' مکتبہ معیار' کراچی' ۱۹۷۳ء - ص ۳۰) جبکہ سر طامس آرنلڈ کا انتقال ۹ جون ۱۹۳۰ء کے روز ہو چکا تھا' پھر سر طامس آرنلڈ کا "حکومت ہند کے ہوم سیکرٹری" کو خط لکھنا (یا فرض کیجئے کہ خود علامہ کا Secretary of State for India سے کہنا'

جن سے گول میز کانفرنس کے سلسلے میں علامہ کی شب و روز گفتگو ہوتی رہتی ہو گی)' اور ان صاحب کا ہسپانیہ کے ہوم سیکرٹری کو خط لکھنا کچھ بعید از قیاس سا لگتا ہے۔ بڑے عہدوں پر فائز انگریز وزیروں اور افسروں کا عموماً" ایسا طریقۂ کار نہ ہوتا تھا۔ (اور ڈاکٹر بارفیلڈ کا بھی یہی خیال ہے' جن سے میں نے اس سلسلے میں آج ہی بات کی ہے۔ یعنی جولائی ۱۹۸۳ء میں)۔

"اوراق گم گشتہ" میں نقل شدہ یہ مضمون جس عجیب و غریب حکایت پر ختم ہوتا ہے' وہ بھی ڈرامائی تو کافی ہے' لیکن قابل یقین کم ہی ہے۔ محمود الرحمان صاحب جناب امتیاز محمد خان صاحب کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ "مسجد کے اندر پہنچ کر میں نے (یعنی اقبال نے) اپنی آواز کی پوری شدت کے ساتھ اذان دی۔ میں اس جذبے' اس سرور اور اس کیف کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ سالہا سال کے بعد مسجد کے اندر پہلی مرتبہ "اللہ اکبر" کی آواز محراب و منبر سے ٹکرا ٹکرا کر گونج رہی تھی۔ اذان سے فارغ ہونے کے بعد میں نے مصلیٰ بچھایا اور نماز ادا کرنے لگا۔ دوران نماز مجھ پر اس قدر رقت طاری ہوئی کہ میں گریہ و زاری برداشت نہ کر سکا' اور جب سجدے میں گرا تو بے ہوش ہو گیا۔ اسی دوران میں نے عالم رویاء میں دیکھا کہ ایک بزرگ تشریف لائے اور مجھے مخاطب کر کے کہہ رہے ہیں:

"اقبال تم نے میری مثنوی کا بغور مطالعہ نہیں کیا' اسے مسلسل پڑھتے رہو' اور میرا پیغام دوسروں تک پہنچاؤ"۔

اور جب میں ہوش میں آیا تو دل کا سکون و اطمینان حاصل ہو چکا تھا"۔

"علامہ اقبال کا یہ اہم واقعہ بیان کرنے کے بعد امتیاز محمد خان مرحوم یک لخت خاموش ہو گئے۔ اس وقت ان کی آنکھیں آنسوؤں سے پر تھیں"۔

"اوراق گم گشتہ" کے اس صفحے (۳۴۴) پر میں نے ۲۹ مارچ ۱۹۸۱ء کو لکھا تھا کہ "یہ تمام واقعہ خیال آرائی معلوم ہوتی ہے۔ یا اس کا زیادہ تر حصہ"۔ اور میرا یہ خیال اب بھی برقرار رہے۔ رحیم بخش شاہین صاحب نے بھی اپنے مذکورہ مضمون (اقبال ریویو' ۱۹۷۷ء) کے ایک فٹ نوٹ میں لکھا ہے کہ "راوی کو اس ہستی (پروفیسر

سر "میتھیو" آر نلڈ۔ درانی) کے نام کے سلسلے میں سہو ہوا ہے۔ دراصل ڈاکٹر آر نلڈ ۱۹۳۰ء میں انتقال فرما چکا تھے۔ اس لئے اقبال کی مدد کرنے والے صاحب ڈاکٹر آر نلڈ کے بجائے شاید کوئی دوسرے استاد ہوں گے۔ لیکن متعین طور پر کچھ کہنا مشکل ہے"(مضمون مذکور' ص ۱۱۱)۔

مسجد قرطبہ میں نماز ادا کرنے کے بارے میں جو مختلف روایتیں ملتی ہیں' ۸۔ ان میں سے ایک تو وہ ہے جو اوپر تفصیل سے بیان ہو چکی ہے۔ دوسری روایت ڈاکٹر عبدالسلام خورشید نے اپنی کتاب "سرگذشت اقبال" میں ص ۴۱۸-۴۱۹ پر' "اقبال نامہ" جلد دوم ص ۳۲۱-۳۲۲ (از جناب عطا اللہ شیخ' مطبوعہ شیخ محمد اشرف' لاہور ۱۹۵۱ء) "ذکر اقبال" ص ۱۸۲ (از مولانا عبدالمجید سالک مطبوعہ بزم اقبال' لاہور ۱۹۵۵ء) اور "روزگار فقیر" حصہ اول ص ۱۳۸-۱۳۹ (از فقیر سید وحید الدین- چھٹا ایڈیشن' کراچی ۱۹۶۶ء) ۹۔ کے حوالوں سے یوں درج کی ہے: "(علامہ نے) شیخ محمد اکرام مرحوم کے نام ایک مکتوب میں لکھا۔ الحمرا کا تو مجھ پر کچھ زیادہ اثر نہ ہوا۔ لیکن مسجد کی زیارت نے مجھے جذبات کی ایسی رفعت تک پہنچا دیا' جو پہلے کبھی نصیب نہ ہوئی تھی---- آپ کا دل چاہا کہ تحیتہ المسجد کے نفل ادا کریں۔ عمارت کے نگران سے پوچھا' وہ بڑے پادری سے پوچھنے کے لئے گیا۔ لیکن بے چینی کا یہ عالم تھا کہ اس کے جاتے ہی علامہ نے نیت باندھ لی۔ اور وہ لوٹا تو آپ نماز سے فارغ ہو چکے تھے---- بہرحال سید امجد علی کا بیان ہے کہ علامہ نے ان کے نام خط میں یہ انکشاف بھی کیا تھا کہ انھوں نے اذان بھی دی تھی"۔ اس روایت میں شبہ اس بنا پر ہے کہ اگر ایسی بے چینی اور افراتفری میں نماز ادا کی' تو وہ دو تصویریں کیسے کھینچی گئیں جو فقیر سید وحید الدین کی کتابوں "روزگار فقیر" جلد دوم (کراچی' ۱۹۶۴ء) اور

Iqbal in Pictures (Lion Art Press, Karachi' ۱۹۶۵ء) میں ملتی ہیں۔ اور جن میں سے ایک میں علامہ محراب کے نیچے ہاتھ میں چھڑی لئے ہوئے کھڑے ہیں اور دوسری میں مصلی بچھائے نماز پڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں؟ اور تیسری روایت وہ ہے۔ جو جناب رحیم بخش شاہین نے متذکرہ مضمون (اقبال ریویو' ۱۹۷۷ء) میں "آئینہ اقبال"

ص ۱۸-۱۹ (از جناب محمد عبداللہ قریشی' مطبوعہ آئینہ ادب' لاہور' ۱۹۶۷ء) کے حوالے سے درج کی ہے۔ یہ خود علامہ اقبال کا بیان ہے۔ وہ اپنے دورۂ یورپ سے واپسی پر ۲۵ فروری ۱۹۳۳ء کے روز لاہور پہنچے۔ وہاں ریلوے اسٹیشن پر معززین لاہور کی طرف سے پیش کئے جانے والے سپاس نامے کا جواب دینے کے بعد جب وہ گھر تشریف لائے تو بہت سے اکابر شہر ان کے ساتھ تھے۔ گفتگو زیادہ تر ہسپانیہ کی سیاحت کے متعلق ہوتی رہی۔ اور حضرت علامہ قرطبہ کی مسجد کا ذکر کرتے رہے۔ آپ نے فرمایا:

"میری رائے میں آج تک اس سے زیادہ خوب صورت اور شان دار مسجد روئے زمین پر تعمیر نہیں ہوئی۔ عیسائیوں نے بعد فتح قرطبہ اس مسجد میں جا بجا چھوٹے چھوٹے گرجے بنا دیے تھے' جنہیں اب صاف کر کے مسجد کو اصل حالت میں لانے کی تجویزیں کی جا رہی ہیں۔ میں نے ناظم آثار قدیمہ کی معیت میں جا کر بہ اجازت خاص اس مسجد میں نماز ادا کی۔ قرطبہ پر عیسائیوں کے تسلط کے بعد جسے کم و بیش ساڑھے چار سو برس گزر چکے ہیں' اس اسلامی عبادت گاہ میں یہ پہلی اسلامی نماز تھی"۔۱۰

ظاہر ہے کہ یہی آخری Version سب سے زیادہ قابل یقین اور معتبر ہے کہ خود حضرت علامہ نے یہ بات بیان فرمائی' اور غالباً" اس سے اگلے روز کے اخبارات میں چھپ گئی۔ ناظم آثار قدیمہ کی معیت میں اور بہ اجازت خاص نماز پڑھنے کی بات بھی بالکل منطقی (Logical) معلوم ہوتی ہے۔ اور یوں تصویر کھنچوانے کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے۔

مسجد قرطبہ کی زیارت کا جو اثر علامہ اقبال پر ہوا (اور جس کی طرف انہوں نے شیخ محمد اکرام کے نام مذکورہ بالا خط میں اشارہ کیا تھا)' اس کا سب سے بڑا ثبوت تو خود ان کی مشہور نظم "مسجد قرطبہ" ہے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے' اگر اردو نظم کے تمام سرمائے میں سے مجھے صرف ایک چیز کے چننے کی اجازت ہو تو میں اسی نظم کا انتخاب کروں گا' اور اسے ادب عالم کے بہترین جواہرپاروں کے ساتھ رکھنے میں باک محسوس نہ کروں گا:

سلسلۂ روز و شب، نقش گرِ حادثات
سلسلۂ روز و شب، اصلِ حیات و ممات

سلسلۂ روز و شب، تارِ حریرِ دو رنگ
جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات

سلسلۂ روز و شب، سازِ ازل کی فغاں
جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بم ممکنات

تجھ کو پرکھتا ہے یہ، مجھ کو پرکھتا ہے یہ
سلسلۂ روز و شب، صیرفیِ کائنات

اس نظم میں اقبال کا تمام فلسفہ کھنچ کر آگیا ہے۔ اور دوسرا ثبوت ان کے وہ پیغامات ہیں جو انہوں نے مولانا غلام رسول مہر، مدیر "انقلاب" اور اپنے خرُد سال بیٹے جاوید اقبال کو اس شہر اور اس مسجد کو دیکھنے کے بعد بھیجے۔ چنانچہ جناب مہر کو انہوں نے لکھا کہ "مرنے سے پہلے قرطبہ ضرور دیکھو"۔ اور جاوید اقبال کو دو تصویری کارڈ بھیجتے ہوئے، جن میں مسجد قرطبہ کے دو عکس چھپے ہوئے تھے، انہوں نے تحریر کیا کہ "میں خدا کا شکر گزار ہوں کہ میں اس مسجد کے دیکھنے کے لئے زندہ رہا۔ یہ مسجد تمام دنیا کی مساجد سے بہتر ہے۔ خدا کرے تم جوان ہو کر اس عمارت کے انوار سے اپنی آنکھیں روشن کرو"۔۱۱۔ (روز نامہ انقلاب، لاہور، بابت ٦ فروری و ۹ فروری ۱۹۳۳ء، بحوالہ اقبال ریویو، جلد ۱۸، ۱۹۷۷ء۔ ص ۱۱۵)۔ راقم الحروف اب تک تین مرتبہ ۱۲۔ ان انوار سے اپنی آنکھیں روشن کر چکا ہے۔ اور اسے ہر مرتبہ ایک نیا حظ حاصل ہوا ہے۔

اے حرمِ قرطبہ! عشق سے تیرا وجود
عشق سراپا دوام، جس میں نہیں رفت و بود

رنگ ہو یا خشت و سنگ، چنگ ہو یا حرف و صوت
معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود ۱۳۔

تجھ سے ہوا آشکار بندۂ مومن کا راز
اس کے دنوں کی تپش، اس کی شبوں کا گداز

اس کا مقام بلند، اس کا خیال عظیم
اس کا سرور، اس کا شوق، اس کا نیاز، اس کا ناز

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں، کار کشا، کار ساز

اور جب میں اس مسجد کا طواف کر رہا تھا تو اقبال کے یہی اشعار میرے لبوں پر جاری تھے۔

اس مسجد کے حسن تعمیر اور اس کے عمارتی پہلوؤں پر جناب رحیم بخش شاہین نے اپنے محولہ بالا مضمون (اقبال ریویو، جلد ۱۸، ۱۹۷۷ء۔ صفحات ۷۹-۱۳۵) میں کافی روشنی ڈالی ہے۔ میں یہاں اس مسجد کی، ہسپانوی زبان میں لکھی گئی، خوبصورت اور مصور گائیڈ بک La Mezquita de Cordoba (مصنفہ Fernando Chueca Goitia، مطبوعہ البا ئسین (Albaicin)، غرناطہ ۱۹۶۸ء)، اور اپنے برمنگھم یونیورسٹی کے برازیلین دوست جناب Dr Paulo Farias صاحب کی مدد سے، جو ہسپانیہ کے اسلامی دور کے بارے میں کافی معلومات رکھتے ہیں، چند اضافوں کی اجازت چاہتا ہوں۔

مسجد قرطبہ کی بنیاد عبدالرحمٰن اول نے سنہ ۷۸۰ تا ۷۸۵ء میں رکھی، اور یہ دنیا کی عظیم ترین مسجدوں میں سے ایک ہے۔ قرطبہ موروی (Moorish) عربوں کے ہاتھ سے ۱۲۳۶ء میں نکلا (اگرچہ غرناطہ میں وہ ۱۴۹۲ء تک جمے رہے)۔ جب اندلس دوبارہ کیتھولک عیسائی حکمرانوں کے قبضے میں آیا، تو اندلس کی بہت سی مساجد کو گرجاؤں میں تبدیل کر دیا گیا۔ ایک دو سو سال تک یہ عمارتیں اسلامی اور عیسائی طرز تعمیر اور اندرونی آرائش کا ایک مخلوط سا نمونہ رہیں، لیکن آہستہ آہستہ مجسموں، صلیبوں اور نصرانی تصاویر و قبور کے اضافوں کی بدولت وہ اپنی پرانی سادہ و پرکار اسلامی رعنائی سے محروم ہو گئیں اور پوری طرح عیسائی گرجوں میں تبدیل ہو گئیں۔ اسے ایک معجزہ ہی سمجھئے کہ سارے اندلس میں صرف ایک مسجد پوری طرح مسخ ہونے سے بچ گئی، اور وہ

مسجد قرطبہ تھی' اور اس کی وجہ اس حرم اسلام کی بے نظیر خوبصورتی اور چار دانگ عالم میں اس کی شہرت تھی کہ جس کی بنا پر یہ معبد عقائد و مذاہب کی تفریقوں سے بلند تر نکلا۔

مسجد قرطبہ میں عیسائیوں کا سب سے پہلا اضافہ ۱۲۶۰ء میں ہوا۔ جب بادشاہ الفانسو دہم ("The Wise" : فہیم) نے اس کے اندر ایک "شاہی معبد" (Royal Chapel) تعمیر کیا۔ جس کے اندر وہ بعد میں دفن ہوا' اور بعد ازآں کئی ایک اور اندلسی حکمران بھی دفنائے گئے۔ لیکن اس مسجد پر سب سے بڑی زیادتی پندرھویں صدی عیسوی کے آخر میں ایک بشپ (لاٹ پادری) نے کی' جس کا نام Inigo Manrique تھا۔ اس شخص نے مسجد کے عین درمیان میں پانچ بڑے دالانوں (Naves) اور تین محرابوں کو گرا کر' جہاں ستونوں اور قوسوں کا ہجوم تھا' وہاں ایک بڑے گرجا کی بنیاد رکھی۔ بعد ازآں ۱۶۱۸ء میں ایک Jesuit پادری Alonso Matias نے اس گرجا کے اندر مرمر اور کانسی کا ایک بڑا منقش پردہ (Screen) بھی لگایا۔ مشہور فرانسیسی ماہر تعمیرات Georges Marçais نے اس گرجا کو مسجد کے رخِ زیبا پر ایک دیو قامت مہاسے (a gigantic wart) کا نام دیا ہے۔

گرجا کی تعمیر کے تھوڑے عرصے بعد' یعنی ۱۵۲۳ء میں' بلدیہ قرطبہ (Municipal Council) نے حب الوطنی اور اعلیٰ شہری آدرشوں کا بلند مرتبہ ثبوت دیتے ہوئے حکم صادر کیا کہ اس مسجد میں پادریوں کے زیر اثر شروع کی گئی تمام تاخت و تاراج فوراً" بند کی جائے' اور اگر کوئی معمار یا سنگ تراش مسجد قرطبہ میں (سوائے بادشاہ وقت کے فرمان کے ساتھ) کسی قسم کی توڑ پھوڑ کرتا ہوا پکڑا جائے' تو اسے سنگین سزا دی جائے گی۔

اس وقت ہسپانیہ کا فرماں روا شہنشاہ چارلس پنجم (۱۵۰۰ء تا ۱۵۵۸ء) تھا' جو Holy Raman Emperor کا لقب بھی رکھتا تھا۔ اس نے پہلے تو پادریوں کے حق میں فیصلہ کیا' اور گرجا کی تعمیر کے جاری رکھنے کی اجازت دے دی۔ لیکن اس سے اگلے سال' جب وہ اشبیلیہ میں پرتگال کی شہزادی ازابیل (Doña Isabel) سے شادی

کرنے کے لئے سفر کرتے ہوئے رستے میں قرطبہ میں ٹھہرا' تو وہ اس حسین و جمیل اور بے مثال مسجد کی تباہی کا حال دیکھ کر بڑا رنجیدہ ہوا' اور اپنے پہلے فیصلے پر بہت پچھتایا۔ اس نے بشپ Juan de Toledo اور دوسرے اہم پادریوں کو جمع کر کے خطاب کرتے ہوئے وہ الفاظ کہے جو آج تک یادگار ہیں۔ اس نے کہا "اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہاں کس قسم کی تباہ کاری و غارت گری ہونے والی ہے' تو میں تمہیں اس مقدس و قدیم حرم کو ہاتھ بھی نہ لگانے دیتا۔ اے ظالمو! تم یہاں جو چیز تعمیر کر رہے ہو' وہ تو جابجا موجود ہے' لیکن تم نے جو چیز برباد کر دی ہے' وہ تمام دنیا میں بے نظیر و یکتا تھی"۔

یہ غنیمت ہے کہ مذہبی جوش اور تعصب میں تمام کی تمام مسجد اس وقت تک مسخ نہ کی جا چکی تھی۔ اور اب اگرچہ اس کے وسط کو ایک گرجا کے طور سے استعمال کیا جاتا ہے' پھر بھی اس کا بڑا حصہ اب تک اسلامی طرزِ تعمیر کا ایک رعنا و خوش پیکر شاہکار ہے' جس پر اب اندلسی خود بھی نازاں ہیں' اور جس کو دیکھنے کے لئے دنیا کے کونے کونے سے سیاح کھچے چلے آتے ہیں۔ ۱۴۔ جب میں نے پہلی مرتبہ اس مسجد کو ۱۹۵۶ء میں دیکھا تھا (اور وہاں نماز پڑھی تھی) تو یہ عمارت کم و بیش خالی تھی۔ مگر اس مرتبہ (۱۹۸۳ء میں) جب ہم وہاں گئے تو زائرین کا ایسا ہجوم تھا کہ مسجد کی محراب کے سامنے سوائے تکبیر کہنے کے نماز پڑھنا ناممکن تھا' اور مجھے نماز صرف ایک کونے کی محراب میں پڑھنی نصیب ہوئی۔

کافرِ ہندی ہوں میں' دیکھ مرا ذوق و شوق
دل میں صلوٰۃ و درود' لب پہ صلوٰۃ و درود

شوق مری لے میں ہے' شوق مری نے میں ہے
نغمۂ اللہ ھو میرے رگ و پے میں ہے

....

نقطۂ پرکارِ حق' مردِ خدا کا یقیں
اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز

اور مسجد سے باہر دیکھیے تو ان عربی شہسواروں کی یاد تازہ ہوتی تھی

جن کے لہو کی طفیل آج بھی ہیں اندلسی
خوش دل و گرم اختلاط، سادہ و روشن جبیں

آج بھی اس دیس میں عام ہے چشمِ غزال
اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں

اور مسجد کے پہلو میں اس عظیم دریا، وادالکبیر کے (جو اب Guadalquivir کہلاتا ہے) سبز اور پرسکون پانیوں پر نظر ڈالنے پر انسان عالم رویاء میں علامہ اقبال کو دیکھ سکتا ہے، جو کہہ رہے ہیں

آبِ روانِ کبیر! تیرے کنارے کوئی
دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب

عالمِ نو ہے ابھی پردۂ تقدیر میں
میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب

میں علامہ کی جنوری ۱۹۳۳ء والی تقریر تو نہ ڈھونڈ سکا، لیکن مسجد قرطبہ کے دیکھنے سے جذبات کی اس رفعت سے ضرور ایک مرتبہ پھر متمتع ہوا، جس کی طرف حکیم الامت نے اشارہ کیا تھا۔

حرف آخر

میں نے یہ مضمون لکھنا ابھی ختم ہی کیا تھا کہ اپنے پرانے کاغذات میں سے دو چیزیں میرے ہاتھ لگیں۔ ایک تو میرا کیا ہوا "مسجد قرطبہ" کا انگریزی ترجمہ تھا، جو میں نے کیمبرج میں اپنے زمانۂ طالب علمی میں پروفیسر آربری کے زیر صدارت منعقد ہونے والے ایک یوم اقبال پر (غالباً" اپریل ۱۹۵۴ء میں) اس اعتذار کے ساتھ پیش کیا تھا کہ یہ اردو زبان کی بڑی بدقسمتی ہے کہ جناب آربری اس زبان سے ناواقف ہیں۔ ورنہ حضرت علامہ کے فارسی کلام کی طرح وہ شاید اس نظم کا ترجمہ بھی کرتے۔ انہوں نے

فرمایا کہ ایک زمانے میں انہیں اردو کی کافی شُد بُد تھی' اگرچہ اب یہ علم کافی زنگ آلود ہو چکا تھا۔ اس سے کچھ دنوں پہلے (جب میں نے کیمبرج یونیورسٹی پاکستان ایسوسی ایشن کے جوائنٹ سیکرٹری کی حیثیت سے انہیں اس جلسے کی صدارت کی دعوت دی تھی) انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ (جہاں تک مجھے یاد ہے) وہ "شکوہ" اور "جوابِ شکوہ" کا بھی ایک ہندوستانی یا پاکستانی دانشور کی مدد سے (جن کا نام شاید ڈاکٹر عبدالرحمٰن تھا) انگریزی میں ترجمہ کر رہے تھے۔ میرا ناچیز ترجمہ جناب آربری نے بڑے غور سے سنا اور میری ہمت افزائی کی۔۱۶ء یاد رہے کہ وہ کیمبرج یونیورسٹی میں Sir Thomas Adams' Professor of Arabic تھے' یعنی پروفیسر ای جی براؤن اور آر اے نکلسن کے جانشین۔ اور اس سے پہلے وہ قاہرہ یونیورسٹی میں صدر شعبہ لاطینی و یونانی (Department of Calssics) رہ چکے تھے۔ چنانچہ جیسا کہ میں نے اپنی ابتدائی تقریر میں کہا۔ ایک ایسے شخص کے سامنے' جو نہ صرف علامہ اقبال کے بیشتر فارسی کلام کا ترجمہ کر چکا ہو' بلکہ حافظ اور سعدی اور خیام کے کلام' اور اس کے علاوہ عربی کی کئی کتابوں کا بھی ترجمہ کر چکا ہو۷اء اور یوں شاید عصرِ حاضر کا عظیم ترین مترجمِ شعر ہو' تو اس کے سامنے اپنا "مسجد قرطبہ" کا ترجمہ پیش کرنے کی جسارت کا میری نظر میں ایک ہی جواز ہے۔ اور یہ وہی ہے جو میں اوپر بیان کر چکا ہوں' یعنی اردو زبان کی پروفیسر آربری کی فتوحات میں ناشمولی۔

دوسری چیز' جو اس وقت میرے سامنے ہے' وہ ایک سالخوردہ ورق ہے جس پر پروفیسر آربری کے ہاتھ کی لکھی ہوئی چند بے حد دلچسپ اور اہم سطور تحریر ہیں' جن کا ذکر نیچے آئے گا۔ اس صفحے پر میرے ہاتھ کا لکھا ہوا یوم اقبال' ۲۱ اپریل ۱۹۵۶ء کا پروگرام بھی تحریر ہے' جو پروفیسر آربری کے زیر صدارت کیمبرج یونین کی عمارت میں منعقد ہوا تھا۔ اس جلسے میں صاحب صدر کے علاوہ جن لوگوں نے تقاریر و منظومات پیش کیں' ان میں میرے دوست اور ایران کے قائد انقلاب ڈاکٹر مصدق کے نواسے' جناب ہدایت متینِ دفتری' اور جناب ڈاکٹر ریاض الاسلام اور جناب ڈاکٹر سید احمد فصیح بھی شامل تھے (یہ دونو موخر الذکر اصحاب بعد ازآں کراچی یونیورسٹی میں پروفیسر

رہے)۔ میں نے بھی ایک تقریر کی (بہ عنوان "علامہ اقبال۔ ان کی زندگی اور ان کا پیغام")۔ ہاں، جب میں نے ابتدائی الفاظ میں اس بات پر اظہار تاسف کیا کہ اس عظیم انسان کا دن منانے کے لئے حاضرین اس قدر کم ہیں، تو پروفیسر آربری نے کہا کہ یہ بات کم اہمیت رکھتی ہے کہ کتنے لوگ اس تقریب میں موجود ہیں۔ لیکن جو بات اصل میں اہم ہے، وہ یہ ہے کہ کیمبرج یونیورسٹی میں، جو علامہ اقبال کا گہوارۂ علم تھی، ہر سال بالالتزام یوم اقبال ضرور منایا جانا چاہئے۔۱۸۔

بہرحال، اس موقع پر آربری صاحب نے تقریر تو نہ کی، لیکن ایک یادگار چیز ضرور کہی (ان کا ۲۰ اپریل ۱۹۵٦ء کا تحریر کردہ خط میرے پاس محفوظ ہے، جس میں انہوں نے مجھے لکھا تھا کہ "میں آپ کی تقریب میں تو ضرور آؤں گا، اور اگر آپ کی خواہش ہے تو صدارت بھی کروں گا اور پروگرام کے اجزاء (Items) کا تعارف بھی کروں گا۔ لیکن بعض مصروفیات اور پریشانیوں کے باعث میں کوئی باقاعدہ خطبہ (Formal address) نہیں دے سکوں گا")۔

یہ یادگار چیز وہ چند سطور ہیں، جو انہوں نے سرخ قلم سے اس پروگرام والے ورق پر لکھی ہیں، جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔ یہ لاطینی زبان میں ہیں۔

انہوں نے فرمایا کہ ایک مشہور لاطینی شاعر کے ایک مصرعے میں اگر دو الفاظ کو ذرا سا تبدیل کر دیا جائے، تو اس مصرعے کا اطلاق بڑے دلچسپ اور معنی خیز انداز سے شاعر مشرق اور ان کی ذہنی تخلیق، مملکتِ پاکستان، پر ہو سکتا ہے۔

یہ مصرع قدیم لاطینی شاعر اینیئس (Quintus Ennius, 236-169 B.C.) کا ہے جو اس نے ایک رومن جرنیل Fabius Maximus کے متعلق لکھا تھا۔ یہ جرنیل عرف عام میں Fabius "Cunctator" کے نام سے مشہور تھا۔ یعنی Fabius the Delayer (درنگ کار، یا متامل اور پس و پیش کرنے والا)۔۱۹۔ اس نے ہینی بال (Hannibal, 247-182 B.C.) اور قرطاجنیوں (Carthaginians) کی فوجوں کا مقابلہ کرنے میں ایسی پس و پیش اور تاخیر سے کام لیا کہ اس طرح اتفاق سے ملک بچ گیا، ورنہ مملکت روم ضرور بکھر جاتی۔ تو اسکے متعلق شاعر Ennius نے لکھا

کہ:

Unus homo nobis *cunctando restituit* rem

(One man alone, by *delaying*, has *preserved* things for us)

اس کو آربری صاحب نے یوں بدل دیا:

Unus homo nobis *cantando constituit* rem

(One man alone by *singing* has *established* a State for us).

یعنی: "ایک شخص نے اپنی شاعری کے ذریعے ہمارے لیے مملکت تخلیق کر دی ہے (rem کے معنی "امور" اور "مملکت" دونو لیے جا سکتے ہیں)..... یوں کہئے کہ آربری صاحب نے "تاخیر" کو "تاریخ" سے بدل دیا ہے۔ یعنی یہ "تاخیر" "تاریخ" ساز ثابت ہوئی! میں برمنگھم یونیورسٹی میں اطالوی زبان کے استاد اور اپنے دوست جناب Dr J.M. Hatwell کا ممنون ہوں کہ انھوں نے ان سطور کے ترجمے اور ان کے پس منظر کی وضاحت میں میری رہنمائی کی۔

ہاں، پروگرام کے اسی ورق پر اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک فقرہ دیکھ کر آج میں حیران رہ گیا۔ اور وہ یہ ہے:

Sir Montagu Butler (who recommended the decoration) first suggested a "Persian Title".

ظاہر ہے کہ یہ اطلاع اسی جلسے میں مجھے پروفیسر آربری صاحب نے (۱۹۵۶ء میں) بہم پہنچائی تھی۔ اگرچہ میں اس دوران میں اسے بالکل فراموش کر چکا تھا۔ اس بات کا ذکر موجودہ کتاب کے کئی ایک مضامین میں آ چکا ہے۔ (ضمیمہ نمبر ۵ بھی دیکھیے)۔

حواشی

۱۔ بالخصوص مجلس اقبال گورنمنٹ کالج لاہور کے زیر اہتمام منعقدہ ایک جلسے میں میں نے "برطانیہ میں اقبالیات" کے موضوع پر ۳۱ مارچ ۱۹۸۳ء کو تقریر کی، جس کی دعوت مجھے جناب رفیع الدین ہاشمی نے دی تھی۔

تقریر کا موضوع بھی انہی کا تجویز کردہ تھا۔

۲۔ دیکھئے "اقبال اور بھوپال" از صہبا لکھنوی' مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان' اشاعت اول' کراچی ۱۹۷۳ء' ص ۲۲۳۔

پس تحریر :"اقبال اور بھوپال" کی اشاعت دوم (اقبال اکادمی پاکستان' لاہور ۱۹۸۳ء) کے دیباچے میں صہبا لکھنوی صاحب نے علامہ کے دورۂ ہسپانیہ کے بارے میں چودھری خاقان حسین صاحب کی روایات پر علامہ کے برادر زادہ جناب شیخ اعجاز احمد کا تفصیلی تبصرہ اور اعتراضات درج کئے ہیں (دیکھئے صفحات ۳۸ تا ۴۱' دیباچہ طبع ثانی)۔ چودھری صاحب کی ان روایات کی اساس کا علم نہ تو شیخ اعجاز احمد کو تھا' نہ سید نذیر نیازی مرحوم کو' اور نہ ریاست بھوپال کے ایک نامی عہدہ دار اور علامہ کے دیرینہ نیاز مند جناب ممنون حسن خان کو۔ اسی طرح پاکستان کے سابق وزیر خزانہ سید امجد علی صاحب☆ بھی (جو نومبر' دسمبر ۱۹۳۲ء والی تیسری گول میز کانفرنس میں علامہ کے ہمراہ تھے) ان واقعات کی تصدیق کرنے سے قاصر تھے۔ چنانچہ جناب خاقان حسین کی یہ تمام روایات (یعنی نواب بھوپال کا علامہ کو سفر ہسپانیہ کے لئے چند ہزار روپے دینا۔ علامہ کی اس ڈائری کی گمشدگی جس میں ان کے نئے اشعار اور چند نظمیں شامل تھیں' وغیرہ) اب مشکوک ہو گئی ہیں۔ (درانی۔ ستمبر ۱۹۸۳ء)

پس تحریر مکرر : افسوس کہ نامور محب اقبال' جناب ممنون حسن خان' کا چند ماہ ہوئے (۱۹۹۵ء میں) انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اسی طرح علامہ کے برادر زادہ' جناب شیخ اعجاز احمد' کا اوائل ۱۹۹۴ء میں قریب ۹۵ سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ (ان کی تاریخ ولادت ۱۳ جنوری ۱۸۹۹ء تھی)۔ میں نے جنوری اور ستمبر ۱۹۹۲ء میں شیخ صاحب مرحوم سے کراچی میں ان کے دو ٹھکانے پر دو مفصل گفتگوئیں Cassette پر ریکارڈ کی تھیں۔ اس وقت شیخ صاحب کا حافظہ ماشاللہ بہت شگفتہ تھا۔ علامہ کے' اور اپنے والد جناب شیخ عطا محمد کے' بارے میں باتیں کرتے ہوئے کئی مرتبہ ان کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے تھے۔ انہیں علامہ کے سینکڑوں شعر زبانی یاد تھے۔ ان کے ساتھ میری آخری ملاقات کے دوران' جو کراچی میں ۲۴ ستمبر ۱۹۹۲ء کے روز ہوئی' شیخ صاحب مرحوم نے اپنی وہ بے بہا بیاض مجھے عطا کر دی جس کا کئی کتابوں میں تذکرہ ہے' اور جس میں انھوں نے مختلف رسائل سے علامہ کا کلام سنہ ۱۹۱۹ء سے جمع کرنا شروع کیا تھا۔ اس میں علامہ کا بہت سا ایسا کلام بھی شامل ہے جو ان کے متداول کلیات میں نہیں ملتا۔ شیخ صاحب نے خواہش کی تھی کہ میں یہ بیاض بعد از تہذیب و تزئین اقبال اکادمی برطانیہ کی طرف سے شائع کروں' جس کا میں صدر نشین ہوں۔ (درانی' ابوجا' نائیجیریا۔ ۷ ارستمبر ۱۹۹۵ء)۔

۳۔ طلیطلہ کے بارے میں علامہ اقبال کا مندرجہ ذیل بیان دل چسپی کا باعث ہوگا۔ یہ باتیں انھوں نے بمبئی کے

☆ افسوس کہ وسط ۱۹۹۸ء میں موصوف کا انتقال ہوگیا۔

اخبار "خلافت" کے ایک نامہ نگار سے گیس' جس نے ان کے یورپ سے ۲۲ فروری ۱۹۳۳ء کو وطن واپس پہنچنے پر ان کا انٹرویو لیا- ایک سوال کے جواب میں علامہ نے فرمایا :

"عربوں کا تمدن اسپین سے بالکل فنا نہیں ہوا ہے- چنانچہ شہر طلیطلہ عربی تمدن کی زندہ مثال ہے- قدرتی مناظر اور حسن کے علاوہ یہاں کی معاشرت بھی آرام دہ اور دل کش ہے- وہاں پہنچ کر میں نے محسوس ہی نہیں کیا کہ اجنبی ملک میں ہوں- یہاں کے بازار اور مکانات بالکل مشرقی نمونہ کے ہیں اور غذا بھی وہی ہے جو ہم لوگوں کو مرغوب ہے- چنانچہ پلاؤ کا وہی مزا آیا جو لاہور میں آتا ہے- لوگ خلیق اور ملنسار ہیں- ان کے رہنے سہنے کا طریقہ بھی مشرقی ہے- یہاں ایک چھوٹی سی بالکل سادہ وضع کی مسجد ہے جو اپنی ابتدائی حالت میں اب تک قائم ہے- غالباً" کسی مسلمان سپاہی نے فتح طلیطلہ کے بعد اسے بنوایا تھا- موجودہ حکومت نے اسے آثار قدیمہ میں لے کر محفوظ کر دیا ہے- اسپین کی زبان میں اب تک عربی الفاظ بہت زیادہ استعمال ہوتے ہیں- "ال" تو اکثر الفاظ میں ملا ہوتا ہے"- (منقول از رحیم بخش شاہین- اقبال ریویو جلد ۱۸' ۱۹۷۷ء' بحوالہ "آئینہ اقبال" از محمد عبداللہ قریشی- مطبوعہ آئینہ ادب' لاہور' ۱۹۶۷ء ص ۱۵-۱۷)-

پس تحریر : واضح رہے کہ اسپین میں پلاؤ سے ملتا جلتا ایک اور خوش مزہ پکوان ملتا ہے' جسے Paella کہتے ہیں' اور یہ بھی چاولوں سے بنتا ہے- اس کا ایک خاص قسم کی' کنڈوں والی کڑاہی میں (جیسی کہ ہمارے یہاں پائی جاتی ہے) پکانا لازمی ہوتا ہے- چاولوں کے اندر مرغی کے تراشے ہوئے ٹکڑوں کے علاوہ مختلف قسم کی سمندری غذائیں ڈالیں جاتی ہیں- مثلاً طرح طرح کی مچھلیوں کے ٹکڑے' جھینگے (Prawns) ہشت پا (Octopus)' کیکڑوں کے بچے' وغیرہ وغیرہ- اور اس کے علاوہ' لہسن' پیاز' ٹماٹر اور "بڑی مرچیں" (Capsicum) وغیرہ کاٹ کر اس کڑاہی میں ڈالی جاتی ہیں- پھر یہ تمام اشیا زیتون کے تیل میں مختلف مسالے ڈال کر خوب پکائی اور بگھاری جاتی ہیں' اور آخر میں اس پکوان پر اعلیٰ درجے کا زعفران چھڑکا جاتا ہے- یہ گرما گرم "پایئا" کڑاہی کے اندر ہی سے خاندان کے سب لوگ مل کر چمچوں کی مدد سے نوش جاں کرتے ہیں- یہ کھانا جو ویلنسیا (Valencia) سے خاص نسبت رکھتا ہے' اندلس میں بہت مقبول ہے' اور میں نے اسپین میں اس سے زیادہ خوش ذائقہ پکوان نہیں کھایا- مجھے یقین ہے کہ یہ ہسپانیہ والوں کو عربوں ہی کی دین ہے- اور شاید اسی "پلاؤ" کی تعریف میں علامہ رطب اللسان ہو رہے تھے- (میں یہ لذیذ نسخہ ممتاز محقق' جناب مشفق خواجہ' کی نذر کرتا ہوں- جنہیں ان چیزوں کے ساتھ خاص دلچسپی ہے- (درانی' برمنگھم' ۲۴ جون ۱۹۹۶ء)-

۴- علامہ اقبال غالباً" اویا تو نہ گئے' لیکن میڈرڈ سے وہ Escorial ضرور تشریف لے گئے' جو دارالسلطنت

سے کوئی پچیس میل باہر ہے۔ یہ ایک عظیم الشان محل بھی ہے' اور ایک صومعہ یا رہبان خانہ (Monastery) بھی ہے۔ جس کی بنیاد شاہ فلپ دوم (۱۵۲۷ء-۱۵۹۸ء) نے رکھی تھی' اور وہ خود بھی یہیں دفن ہوا تھا۔ اس کے علاوہ چارلس اول سے لے کر اس کے بعد آنے والے تقریباً" تمام ہسپانوی بادشاہوں اور ملکاؤں کے مقبرے اس قصر نما معبد میں موجود ہیں۔ باغات اور پر شکوہ عمارات بھی بے حد اثر انگیز ہیں۔ (غلام گردشوں کی مجموعی لمبائی ایک سو میل سے زیادہ ہے)۔ میں اپنے پہلے دو دوروں میں اس عظیم قصر کی زیارت کر چکا ہوں' لیکن بدقسمتی سے اب کے ہمارے پاس اتنا وقت نہ تھا کہ ہم لوگ وہاں جا سکتے۔

علامہ اپنے متذکرہ بالا انٹرویو میں (دیکھئے حاشیہ ۳-ر) صرف El Escorial کی لائبریری کا ذکر کرتے ہیں :

"اسکوریل لائبریری بڑی عظیم الشان لائبریری ہے۔ افسوس یہ ہے کہ عربوں کے زمانے کی قلمی تحریروں کا ذخیرہ متعصبین نے پہلے غارت کر دیا تھا۔ اب تھوڑا ذخیرہ رہ گیا ہے' جس میں زیادہ تر مولانا جامی اور حضرت حافظ کی قلمی تحریریں ہیں"۔ ("آئینہ اقبال"۔ محولہ بالا۔ ص ۱۵-۱۷)

پس تحریر: ستمبر ۱۹۸۶ء میں ایک کانفرنس کے دوران جب میں اسکوریال میں تھا' تو میں نے اس کے کتب خانے میں ان اسلامی باقیات کی سرسری سی تلاش کی' لیکن وہ مجھے کہیں نظر نہ آئے۔ (درانی' فرائی برگ' جرمنی' ۹ اگست ۱۹۹۵ء)۔

۵۔ پس تحریر: ستمبر ۱۹۸۶ء کے دورۂ ہسپانیہ کے دوران' جب میں میڈرڈ میں ایک سائنس کانفرنس میں شرکت کر رہا تھا' مجھے اس قومی کتب خانے میں' اور سیبوریتا لو ایس ہی کی مدد سے' بالآخر وہ اخبار (El Debate) مل ہی گیا' جس کی مجھے تلاش تھی۔ چنانچہ میں نے اس میں علامہ اقبال کی تقریر کی رپورٹ کی فوٹو کاپی حاصل کر لی' اگرچہ اس پر مضمون لکھنے کا مجھے تاحال وقت نہیں مل سکا۔ اسی طرح ستمبر ۱۹۸۵ء میں میں نے روم میں بھی علامہ کے دورۂ اطالیہ و سلیہ کی اخباری رپورٹ کے عکس حاصل کر لئے۔ مگر وہ مضمون بھی' جس میں کئی دلچسپ باتوں کا ذکر شامل ہوگا' ابھی تشنہ تحریر ہے۔ (درانی' اسلام آباد' ۴ فروری ۱۹۹۵ء)۔

۶۔ علامہ اقبال کو اپنے پروگرام میں بہت سے تبدیلیاں کرنی پڑی تھیں۔ وہ ۲۹ دسمبر ۱۹۳۲ء کو مس ویگے ناسٹ کو لکھ چکے تھے (دیکھئے میرا مذکورہ بالا مضمون' خط نمبر ۲۶) کہ "میں لندن سے ۳۰ دسمبر کو روانہ ہوں گا۔ میرے موجودہ پروگرام کے مطابق میں ہائیڈل برگ میں ۱۸ جنوری ۱۹۳۳ء کو رات کے دس بج کے تئیس (۲۳) منٹ پر پہنچوں گا۔ اور Bayerischer Hof ہوٹل میں ٹھہروں گا"۔ (یعنی وہ ہسپانیہ سے لوٹتے ہوئے ہائیڈل برگ میں رکنے کا ارادہ رکھتے تھے)۔ اور اسی روز (۲۹ دسمبر ۱۹۳۲ء کو) وہ ایک اور خط میں (لاہور میں کسی کو (غالباً"

مولانا غلام رسول مہر کو) اپنے واپسی کے پروگرام سے مطلع کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "اس سے پہلے میں نے جو خطوط اپنے بمبئی پہنچنے کی تاریخ کے متعلق چودھری صاحب یا منشی طاہر دین یا کسی اور کو لکھے ہیں' ان سب کو منسوخ تصور کیجئے۔ پہلے ارادہ یہی تھا۔ مگر بعد میں دیکھا تو جہازوں کی روانگی کی موزوں تاریخیں نہ ملیں' اس واسطے اب میں ہسپانیہ' جرمنی اور آسٹریا ہوتا ہوا ۱۰ فروری ۱۹۳۳ء کو وینس سے بمبئی کے لئے جہاز لوں گا۔ اس جہاز کا نام "کانٹے وردی" ہے۔ اور یہ بمبئی ۲۲ فروری کی صبح کو پہنچے گا" (رحیم بخش شاہین٭ مضمون مذکور' بحوالہ "انوار اقبال" ص ۱۰۰-۱۰۱)۔ نہ جانے وہ ۳۰ دسمبر ۱۹۳۲ء کو لندن سے پیرس جانے کے بعد وہاں سے ہسپانیہ کو ہائیڈل برگ کے رستے کیوں نہ گئے' جس کے لئے انھیں زیادہ سے زیادہ ایک دن درکار ہوتا۔ اور اگر ایسا نہ کر سکے تو ۲۱ جنوری ۱۹۳۳ء کو میڈرڈ پہنچنے کے بعد وہاں سے لندن لوٹتے ہوئے (جہاں وہ ۲۶ جنوری کو پہنچے) وہ رستے میں حسب وعدہ ہائیڈل برگ میں کیوں نہ ٹھہرے۔ اور بچاری مس ویگے ناسٹ کو (۱۹۰۸ء کی طرح۔ دیکھئے متعلقہ مضمون میں ان کے نام خطوط نمبر ۹ و ۱۱' مورخہ ۳ جون و ۲۷ جون ۱۹۰۸ء' جب اقبال لندن سے واپس ہندوستان جانے والے تھے) انہوں نے کیوں ستم کش انتظار رکھا۔ ویسے ہو سکتا ہے کہ ہسپانیہ سے واپسی سے (اور میڈرڈ سے ۲۱ جنوری ۱۹۳۳ء والے ان کے آخری خط' یعنی نمبر ۲۷ سے) پہلے وہ مس ویگے ناسٹ کو تار کے ذریعے اپنے ۱۸ جنوری والے پروگرام کی تنسیخ کی اطلاع دے چکے ہوں' اگرچہ اس بات کا ذکر ان کے ۲۱ جنوری والے خط میں نہیں ہے۔ ایک آخری صورت یہ بھی تھی کہ وہ لندن ۲۶ جنوری کو پہنچنے کے بعد' اور وینس سے ۱۰ فروری ۱۹۳۳ء کے روز بحری جہاز "کونتے وردی" پکڑنے کے درمیانی دو ہفتوں میں ہائیڈل برگ کے رستے سے سفر کرتے۔ لیکن نامعلوم وجوہات کی بنا پر وہ ایسا نہ کر سکے۔ اپنے اس موخر الذکر خط (نمبر ۲۷) میں انہوں نے یہ اضافہ بھی کیا تھا کہ "ہو سکتا ہے کہ میں اپریل میں پھر انگلستان آؤں"۔ اور اسی طرح' عطیہ بیگم کو اپنے خط مورخہ ۲۹ مئی ۱۹۳۳ء میں انہوں نے لکھا تھا کہ "اس بات کا امکان ہے کہ میں اواخر جولائی کے لگ بھگ یورپ جاؤں (دیکھئے Letters and Writings of IQBAL' مرتبہ بی۔ اے۔ ڈار' مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان' ۱۹۶۷ء ص ۱۱)۔ لیکن اس کے بعد وہ نہ تو دوبارہ کبھی انگلستان آ سکے (مثلاً آکسفورڈ یونیورسٹی میں روڈز لیکچر دینے کے لئے' جس کی غیر رسمی دعوت' ہو سکتا ہے کہ لارڈ لوتھین نے علامہ کو اسی (تیسری) راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے دوران لندن میں دی ہو)، اور نہ پھر کبھی جرمنی جا سکے۔ (درانی، ۱۹۸۳، و ۱۹۹۵ء)۔

ے بریکٹوں میں دیا گیا یہ نوٹ جناب محمود الرحمٰن صاحب کا ہے، اور کافی مبالغہ آمیز ہے۔

٭ افسوس کہ اپریل ۱۹۹۸ء میں موصوف کا انتقال ہو گیا۔

Preaching of Islam پروفیسر آرنلڈ نے ضرور لکھی تھی۔ لیکن یہ ایک مختصر سی کتاب ہے' نہ کہ چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ تفسیر کبیر کے آٹھ جلدوں میں پروفیسر آرنلڈ کے ترجمے کا کوئی نشان نہیں ہے۔ اور نہ اس کا علم سرطامس کے نواسے ڈاکٹر بارفیلڈ صاحب کو ہے' جن سے میں نے استفسار کیا ہے۔ علاوہ ازیں' وہ علی گڑھ اور لاہور میں فلسفے کے پروفیسر رہے تھے' نہ کہ عربی کے۔ (اس کتاب میں میرا مضمون "اقبال کے استاد مشفق' سر طامس آرنلڈ" بھی دیکھئے)۔ درانی۔

۸۔ یہ مضمون ختم کرنے کے بعد میری نظر سے جناب صدیق جاوید کا دلچسپ مضمون "اقبال مسجد قرطبہ میں" (مطبوعہ ماہنامہ "فکر و نظر" بابت ۱۹۷۷ء) گذرا ہے۔ اس میں وہ اپنے طور سے کم و بیش انہی نتائج پر پہنچے ہیں' جو میں نے اس مضمون میں بیان کئے ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے چند دیگر امور و مآخذ کا بھی تجزیہ کیا ہے۔

۹۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۵۰ء میں شائع ہوا تھا۔

۱۰۔ دراصل قرطبہ عربوں کے ہاتھ سے ۱۲۳۶ء میں نکل گیا تھا۔ اس طرح یہ نماز قریب سات سو سال بعد ادا ہوئی' نہ کہ ساڑھے چار سو سال بعد (علامہ کے ذہن میں غالباً" سقوط غرناطہ کا سنہ تھا' یعنی ۱۴۹۲ء)۔

۱۱۔ پس تحریر: علامہ کی یہ خواہش یا دعا کم از کم نومبر ۱۹۹۱ء میں پوری ہو گئی' جب ڈاکٹر جاوید اقبال اپنی بیگم صاحبہ کی معیت میں موسیو فرانسس لاماں (Francis Lamand) کی مرتب کی ہوئی عالمی کانگرس Iqbal in Cordoba میں شریک ہوئے۔ (درانی' برمنگھم' ۲۶ اگست ۱۹۹۵ء)۔

۱۲۔ اور اب چار مرتبہ۔ (درانی' اگست ۱۹۹۵ء)

۱۳۔ پس تحریر: اکتوبر ۱۹۹۵ء میں منعقد ہونے والی ہماری (یعنی اقبال اکادمی برطانیہ کی) عالمی کانفرنس "اقبال اور فنون لطیفہ۔ اسلام کا تخلیقی ورثہ" کا طغریٰ یا Leitmotif علامہ کا یہی شعر ہے۔ یعنی:

رنگ ہو یا خشت و سنگ' چنگ ہو یا حرف و صوت
معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود

(درانی' برمنگھم' ۲۶ اگست ۱۹۹۵ء)۔

پس تحریر مکرر: یہ کانفرنس برمنگھم یونیورسٹی کی Barber Institute of Fine Arts میں بڑے عظیم الشان پیمانے پر بروز ۱۴ و ۱۵ اکتوبر ۱۹۹۵ء منعقد ہوئی۔ اس کا افتتاح اردن کی شہزادی سمیہ بنت الحسن نے کیا۔ (جو مشہور ادیبہ بیگم شائستہ اکرام اللہ کی نواسی ہیں)۔ معزز مہمانوں میں جناب ڈاکٹر جاوید اقبال سرفہرست تھے۔ جناب فخرزماں' صدر نشین' پاکستان اکادمی ادبیات نے حکومت پاکستان کی نمائندگی کی۔ کئی ایک اسلامی ممالک کے

سفیر شریک موتمر ہوئے۔ مقررین میں پروفیسر جگن ناتھ آزاد (ہند)' محترمہ ڈاکٹر ظالیہ پریکا رینا (ماسکو)' پروفیسر کیتھ کرچلو (لندن)' جناب مارٹن لنگز (الحاج ابوبکر سراج الدین)' پروفیسر لینارڈ لیولیسن (امریکا)' اور جناب حکیم محمد سعید (پاکستان) شامل تھے۔ کانفرنس کا بنیادی مقصد اس بات کا جائزہ لینا تھا کہ مسلمانوں کی تہذیب نے دنیا بھر کی تہذیب کو کیا خاص حصہ عطا کیا ہے۔ اس عالمی کانفرنس میں اسلامی فن تعمیر' خطاطی' شاعری' مختلف فنون لطیفہ' سماع و رقص' اور طب و جمالیات کے موضوع پر تقاریر کے علاوہ خطاطی کی ایک دلاویز نمائش' اور مولٰنا رومی کے موضوعات (Motifs) پر مبنی ایک "رقص مستانہ" (از ناہید صدیقی) کا اہتمام بھی کیا گیا تھا۔ (درانی' برمنگھم' ۲۴ جون ۱۹۹۶ء)۔

۱۴ ۔ یہ عمارت اب عرف عام میں "La Mezquita-Catedral" یا "La Catedral-Mezquita" یعنی "مسجد کلیسا" یا "کلیسا مسجد" کہلاتی ہے۔

۱۵ ۔ پس تحریر: نومبر ۱۹۹۱ء والی عالمی اقبال کانگریس منعقدہ قرطبہ میں مجھے بار بار یہی شعر یاد آ رہا تھا۔ یعنی:

آبِ روانِ کبیر! تیرے کنارے کوئی
دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب

اور میں سوچتا تھا کہ ساٹھ سال پہلے اس پیش بیں (Visionary) حکیم نے جو خواب دیکھا تھا' کیا یہ کانگریس بھی اسی کا ایک حصہ تھی؟ (درانی۔ اگست ۱۹۹۵ء)

۱۶ ۔ پس تحریر: اپنا یہی ترجمہ میں نے' بادنیٰ تغیر' نومبر ۱۹۹۱ء میں قرطبہ میں ہونے والی عالمی کانفرنس (Iqbal in Cordoba) میں مسجد قرطبہ کی محرابوں کے نیچے کھڑے ہو کر سنایا۔ یاد رہے کہ اس کانفرنس کا اہتمام پیرس میں واقع تنظیم Islam et Occident ("اسلام اور مغرب") نے کیا تھا' جس کے صدر موسیو فرانسس لاماں (M.Francis Lamand) ہیں۔ اس کانفرنس کا اولین Session مسجد قرطبہ کے اندر منعقد ہوا' جس میں موسیو لاماں نے سب سے پہلے علامہ کی اس نظم کا فرانسیسی ترجمہ پڑھ کر سنایا۔ اس کے بعد جناب ڈاکٹر جاوید اقبال نے علامہ کی اصل نظم "مسجد قرطبہ" اردو میں پڑھی۔ پھر میں نے اس کا مذکورہ بالا انگریزی ترجمہ سنایا۔ اور اس کے بعد اس کے ہسپانوی اور عربی تراجم پڑھے گئے۔ اس کانفرنس کے انعقاد میں اقبال اکیڈمی (یوکے) نے' جس کا صدر ہونے کا مجھے فخر حاصل ہے' موسیو لاماں کی بھرپور مدد کی۔ اور اس کے پہلے Open Session میں جناب جاوید اقبال نے علامہ کے اس پورٹریٹ کی نقاب کشائی بھی کی جو ہماری اکیڈمی نے شہرۂ آفاق شبیہ ساز گل جی سے حال ہی میں بنوائی تھی۔ اور جسے میں بڑی مشکلات کے ساتھ بدست خود لے کر قرطبہ پہنچا تھا۔

بقول موسیو لاماں' مسجد قرطبہ میں صدیوں کے بعد اتنے بڑے اسلامی اجتماع کے لئے انہیں تقدس مآب جناب پوپ کے دفتر واقع روم' یعنی Vatican' سے خاص اجازت حاصل کرنی پڑی- کیونکہ غالباً" عیسائیوں کو یہ خوف تھا کہ مسلمان پھر ہسپانیہ میں نہ در آئیں- اس کانفرنس کا ویڈیو ہم نے بنوا لیا تھا' مگر اس پر باقاعدہ مضمون لکھنے کی فرصت مجھے تاحال نہیں مل سکی- ہاں ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اس کانفرنس پر ایک کتابچہ یا رپورتاژ شائع کرنے والے ہیں- ہاں' یاد آیا کہ اس کانفرنس کے خاتمے پر میں نے موسیو لاماں کو ان کی تمام محنت کے صلے میں برسرِعام "علامہ لاماں" کا خطاب دیا' جس پر جلسے میں خوب تالیاں پٹیں- (درانی- اسلام آباد' ۴ فروری ۱۹۹۵ء)

۱۷ ۔ ان دنوں پروفیسر آربری (۱۹۰۵ء- ۱۹۶۹ء) کے قرآن کریم کے منظوم یا "موزوں" (in rhythmic prose) ترجمے کا بڑا شہرہ تھا- دیکھئے ان کی تصنیفات The Holy Koran--An Introduction with Selections' مطبوعہ لندن ۱۹۵۳ء (East and West Series)- اور The Koran Interpreted مطبوعہ لندن- دو حصوں میں (Spalding Library of Religion)- اس کے بعد انہوں نے فارسی کے کئی ایک کتابوں کے مزید ترجمے کیے' مع کلام اقبال کے- وہ اسلامی دین و ادب اور بالخصوص تصوف اور شاعری پر قریب تیس کتابوں اور بے شمار علمی مضامین کے مصنف ہیں- (مزید تفصیلات کے لئے دیکھئے اس کتاب میں میرے مضامین "علامہ اقبال اور کیمبرج یونیورسٹی" اور "انگلستان میں علامہ اقبال کی دستی تحریریں")-

۱۸ ۔ مجھے خوشی ہے کہ "یومِ اقبال" اب بھی کیمبرج یونیورسٹی میں بڑے التزام سے ہر سال منایا جاتا ہے (عموماً" نومبر کے مہینے میں)- اور ۱۹۸۹ء' ۱۹۹۲ء اور ۱۹۹۳ء میں تو یہ تقریب بالخصوص ہماری اقبال اکادمی (برطانیہ) کے تعاون کے ساتھ (جس کا میں صدر ہوں) بڑے پیمانے پر منائی گئی- اس کتاب میں ۱۹۸۹ء اور ۱۹۹۳ء کے جلسوں کا حال مجمل یا مفصل طریقے سے بیان ہو چکا ہے (دیکھئے ص ——————)- ۲۲ نومبر ۱۹۸۹ء والا جلسہ سفیرِ پاکستان جناب شہریار محمد خان کے زیرِ صدارت ہوا' جبکہ ٹرنٹی کالج کیمبرج کے استاذ اعظم (اور (Nobel Laureate) سر اینڈریو ہکسلے مہمان خصوصی تھے (اور ڈاکٹر اکبر احمد نے' جو ان دنوں وہاں "اقبال فیلو" تھے' اور میں نے' تقاریر کیں)- ۱۲ نومبر ۱۹۹۳ء والے یوم اقبال کے عظیم الشان جلسے کی تفصیل کتاب ہذا کے صفحات ۱۲۳- ۱۳۶ پر بیان ہو چکی ہے' جب علامہ کی نئی شبیہ (Portrait by Gulgee) ہماری اکادمی کی جانب سے ٹرنٹی کالج کیمبرج کو پیش کی گئی تھی- (درانی' برمنگھم' ۱۷ فروری ۱۹۹۶ء)

۱۹ ۔ برطانیہ کی Fabian Society کا نام اسی شخص کے نام پر رکھا گیا تھا' اور انہی معنوں میں' یعنی مدہم رفتار سے ترقی- دوسرے لفظوں میں ہم Fabius کے متعلق (کم و بیش) کہہ سکتے ہیں کہ : "آہستہ خرام' بلکہ مخرام"-

ضمیمہ نمبر۱ کے مضمون ''محمد اقبال کی تاریخ ولادت'' کے مصنف جناب ڈاکٹر یان ماریک (Jan Marek) کی ایک حالیہ تصویر (۱۹۹۴ء)۔ ماریک صاحب کا یہ مقالہ (مطبوعہ ۱۹۵۸ء) علامہ کی تاریخ ولادت کے بارے میں غالباً'' اولین مدلل اور تحقیقی مضمون ہے۔ جناب ماریک صاحب نے اوائل عمرہی میں ہندی اور اردو زبانوں پر عبور حاصل کر لیا تھا۔ اور وہ پچھلے چالیس سال سے چیکو سلوواکیا (موجودہ چیک ری پبلک) کے پایہ تخت پراگ کی اورینٹل انسٹی ٹیوٹ (اکادمی آف سائنسز)' اور قدیمی چارلز یونیورسٹی میں اردو زبان و ادب پر تحقیق و تدریس میں مشغول ہیں۔ جناب موصوف بڑی نفیس اور نستعلیق اردو بولتے ہیں۔ اور اردو میں اپنا نام بالعموم ''یحییٰ خان' عرف ''Jan Marek'' تحریر کرتے ہیں۔

(نوٹ از مصنف کتاب)

ضمیمہ : ۱

محمدؒ اقبال کی تاریخِ ولادت ☆

از : یان ماریک JAN MAREK

ترجمہ : سعید اختر درانی

۲۱ اپریل ۱۹۵۸ء کے روز ہم نے عظیم ہندی۔ پاکستانی شاعر اور مفکر کی برسی منائی ہے، جس کی وفات آج سے بیس سال پہلے ہوئی تھی۔ یہ برسی نہ صرف اسلامی جمہوریۂ پاکستان نے منائی (جس کے رہنماؤں نے محمد اقبال کو غلط طور سے اپنے "پاک وطن" اور مملکت کا روحانی خالق تصور کیا ہے[۱])، بلکہ اس کے منانے والوں میں جرمنی، ولندیز اور انگلستان کے یوروپی مسلمان بھی شامل تھے، بالخصوص لندن کے اسلامی ثقافتی مرکز کے مقام پر۔

آج تیس سال سے زیادہ ہونے کو آئے کہ اسلامی تجدد کے پیروکار وہاں جمع ہوئے تھے اور انہوں نے احیائے اسلام کے پرجوش نقیب، سر محمدؒ اقبال، کے نام پر ایک انجمن کی بنیاد ڈالی۔ لندن کی "اقبال سوسائٹی" کی تاسیس ۱۹۲۶ء میں ہوئی، یعنی اس شاعر کی وفات سے بارہ برس قبل۔ شاعر موصوف نے اس کے پہلے اجلاس میں خود شرکت کی[۲]۔ یہ سوسائٹی آٹھ سال تک پبلک سرگرمیوں میں مصروف رہی، لیکن اس کے بعد مقامی تعاون کے فقدان کی وجہ سے معدوم ہو گئی۔ اقبال کی دسویں برسی

☆ مضمون مطبوعہ ARCHIV ORIENTALNI (PRAGUE)، جلد ۲۶، م ۶۱۷، تا ۶۳۰۔ سنہ ۱۹۵۸ء

کے موقعے پر لندن میں مقیم پاکستانیوں نے اسے دوبارہ جاری کیا۔ چنانچہ ۱۹۴۸ء میں برطانیہ عظمیٰ میں پاکستان کے ہائی کمشنر، عزت مآب جناب حبیب رحمت اللہ کے زیر سیادت اس انجمن کی تنظیم نو قرار پائی ۳۔ اس وقت سے اس کی سرگرمیاں جاری ہیں، اور ۱۹۵۳ء میں معروف انگریز ماہر ایرانیات پروفیسر اے۔ جے۔ آربری اس کے صدر منتخب ہوئے۔

دوسری اقبال سوسائٹیاں بھی، فارسی لقب "بزم اقبال" کے نام سے کراچی، اور شاعر کے وطن مالوف کے صدر مقام لاہور، میں قائم کی گئیں۔ لاہور کی اقبال اکیڈیمی ۴۔ اقبال کی تصنیفات اور کام کا فلسفیانہ اور مذہبی نقطہ نظر سے مطالعہ کرنے میں مصروف ہے۔ اور وہ ۱۹۵۲ء سے ایک دلچسپ سہ ماہی رسالہ شائع کر رہی ہے، جس کا نام محض "اقبال" ہے، اور جو ہر ایسے موضوع کے مطالعے کے لئے وقف ہے جس میں اقبال کو دلچسپی ہو سکتی تھی، خواہ وہ فلسفہ ہو، یا مذہب، یا ادبیات یا کچھ اور۔

یہ انجمنیں، اور ان کے علاوہ متعدد دیگر ثقافتی ادارے، ہر سال اپریل کے مہینے میں یادگاری جلسے منعقد کرتے، اور اپنے رسالوں کے خصوصی "اقبال نمبر" شائع کرتے ہیں۔ اقبال کی تاریخ وفات ساری اسلامی دنیا میں معلوم ہے، اور ۲۱ اپریل کا دن "یوم اقبال" کے طور سے منایا جاتا ہے۔

ہمارے یہاں بطل ہائے عظیم کی یاد ان کی تاریخ پیدائش کے روز منانے کا رواج ہے۔ تو محمدؐ اقبال کے معاملے میں ایسا کیوں نہیں ہے، اور یوم اقبال اس کی وفات کی برسی کے روز کیوں منایا جاتا ہے؟ اس کا جواب دینا مشکل نہیں ہے، اور وہ اس لئے کہ ہمیں محمد اقبال کی صحیح تاریخ پیدائش معلوم نہیں ہے۔ اگر ہم کسی ایسی اہم شخصیت کی تاریخ ولادت سے غافل ہوتے جو آج سے کم از کم دو صدیاں پہلے گزری ہوتی، تو یہ بات قابل تعجب نہ ہوتی۔ لیکن یہ امر ایک ایسے مصنف کے معاملے میں ضرور تعجب خیز ہے جو ہمارے چیک شاعر اوتاکر برژزنیا (OTAKAR BREZINA) سے تقریباً" پانچ سال کم عمر ہے، اور انگریز ناولسٹ جان گالز وردی سے قریب دس سال کم عمر ہے۔

جب ہم اس کی صحیح تاریخ ولادت کا تعین کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تو ہمیں متعدد مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ سب سے پہلی مشکل تو مشرقیوں کی تعین زمان کے بارے میں معروف بے یقینی، اور بچوں کی ولادت کے تحریری ریکارڈوں کی مکمل غیر موجودگی ہے۔ کیونکہ ابھی کچھ عرصہ پہلے تک رجسٹرار کے دفتر میں بچے کی پیدائش کا اندراج ہندوستان کے غیر عیسائیوں کے لئے لازمی نہیں تھا۔ خاندان کے اندر بچے کی تاریخ ولادت عموماً" کسی ایسے خاص وقوعے یا حادثے کے تعلق سے یاد رکھی جاتی تھی جو خاندان کے گرد و نواح یا بود و باش پر گزرا ہوتا (مثلاً" گاؤں کے چودھری کے گھر میں آگ لگ جانے کے ایک ہفتے بعد) یا گردش پذیر مذہبی تہواروں کے ناطے سے، وغیرہ وغیرہ۔ ایسی تاریخوں کو مختلف تقویموں میں بیان کرنے میں ایک مزید پریشانی بھی پنہاں ہے، اور وہ یہ کہ کسی اور تقویم کی تاریخوں کو ہمارے کیلنڈر میں منتقل کرنا نسبتہ" مشکل اور خالی از صحت ثابت ہوتا ہے۔

ہمیں یہ دیکھ کر سخت حیرانی ہوتی ہے کہ اقبال کے سال ولادت کے تعین میں (اور مہینے اور دن کے ذکر کی تو بات ہی چھوڑیئے) اقبال کی زندگی اور اس کے کام کے دانش جو کس حد تک اختلاف رکھتے ہیں۔ سب سے زیادہ ذکر سنہ ۱۸۷۳ء کا ہوتا ہے۵۔ بعض مقامات پر مہینہ اور دن تک دیا جاتا ہے۔ یعنی ۲۲ فروری ۱۸۷۳ء ۶ ہے۔ کم تر، ۱۸۷۴ء اور ۱۸۷۵ء کے سال بھی مختلف ہندوستانی اور پاکستانی ماخذوں میں بیان کیے جاتے ہیں۔ اور پھر اس سے زیادہ مرتبہ سنہ ۱۸۷۶ء کا ذکر ملتا ہے (مثلاً" ولفرڈ کینٹ ول اسمتھ WILFRED CANTWELL SMITH--- ہندوستان میں اسلام جدید: MODERN ISLAM IN INDIA' لندن ۱۹۴۶ء' ص ۱۹۱۔ یا ہیلمتھ فون گلازے نپ HELMUTH VON GLASENAPP..... ہندوستانی ادبیات: DIE LITERATUREN INDIENS' پوٹسڈم POTSDAM ۱۹۲۹ء' ص ۲۲۷)۔ بالعموم ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ۱۸۷۳ء کا سال مختلف یوروپی اور ایشیائی دانشوروں نے اقبال کے تختیں تذکرہ نگاروں سے اخذ کیا ہے۔ دیگر مستشرقین، جیسے کہ اسمتھ، گلازے نپ اور بالخصوص جی۔ طفرل G.TAFFAREL' ۷ے بعد والی

تاریخ '۱۸۷۶ء' پر اصرار کرتے ہیں۔ لیکن طفرل خود اپنے مقالے میں متضاد (اور غلط۔ اضافہ از مترجم) بیانات رقم کرتا ہے۔۸۔ یعنی : "بروز ۲۱ اپریل (یعنی ۱۹۳۸ء) سر محمد اقبال کا بمبئی میں دل کے عارضے سے انتقال ہوا۔ گذشتہ جنوری میں' ان کی ساٹھویں سالگرہ کے موقعے پر' ہندوستان کے مختلف مراکز میں جلسے منعقد ہوئے تھے' خاص کر بمبئی اور حیدر آباد (دکن) کی عثمانیہ یونیورسٹی میں۔ نیز ان کے کام پر کئی مقالے شائع ہوئے تھے جن میں ہندوستانی ادیبوں اور سیاستدانوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا"۔

آیئے اب اس بات کو بھی ملحوظ خاطر رکھئے کہ کئی ایک قابل مصنفین نے سنہ ۱۸۷۷ء پر اقبال کے سال ولادت کی حیثیت سے زور دیا ہے۔ محترمہ وی۔ کوبچکووا (V.KUBICKOVA) فارسی ماخذ کے تطابق میں اپنے مقالے معنونہ:
"NOVOPERSKA LITERATURA XX. STOLETI" (بیسویں صدی کے جدید فارسی ادب کی تاریخ۹۔) میں اقبال کی مدت حیات یوں بیان کرتی ہیں : محمد اقبال (۱۹۳۸/۱۳۵۷۔ ۱۸۷۷/۱۲۹۴)۔ پروفیسر جے۔ ڈبلیو۔ فیوک (J.W.FUECK) ۱۰۔ نے غالبا" ہجری تاریخ ۳ ذی قعدہ ۱۲۹۴ کو ۱۹۔ نومبر ۱۸۷۷ء میں تبدیل کرنے کی کوشش کی (ہو سکتا ہے کہ یہ صحیح تاریخ ۹۔ نومبر ۱۸۷۷ء کے بجائے کتابت کی غلطی ہو)۔ انہوں نے اقبال کی تاریخ وفات غلط طور سے یکم اپریل ۱۹۳۸ء (۱۹۳۸-۴-۱) بیان کی ہے' مگر اس بیان کی کوئی وجہ نہیں بتائی گئی۔ گوتفریڈ سائمن GOTTFRIED SIMON بھی اپنی کتاب REFORMBEWEGUNGEN IM ISLAM ۱۱۔ (تحریکات احیائے اسلام) میں ۱۸۷۷ء ہی بیان کرتا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ ایک ایسا ماخذ موجود ہے جس کی بنا پر ہم کافی بھروسے کے ساتھ (مندرجہ ذیل) نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں۔ اقبال خود اپنے ان خودنوشت سوانح حیات میں بیان کرتے ہیں جو انہوں نے اپنے میونک یونیورسٹی' جرمنی' والے' تھیس میں شامل کیے ہیں ۱۲۔ کہ : "میں ۳ ذو قعد ۱۲۹۴ ہجری (۱۸۷۶ عیسوی) کے روز سیالکوٹ پنجاب (ہندوستان) میں پیدا ہوا تھا"۔ لیکن یہ حساب کہ ۱۲۹۴ھ=۱۸۷۶ء صحیح نہیں ہے' کیونکہ ہجری سال ۱۲۹۴ کا آغاز ۱۶ جنوری ۱۸۷۷ء سے قبل نہیں ہوتا ہے۔۱۳۔

ذی القعدہ ۱۲۹۴ ہجرہ کا تیسرا روز، ۱۸۷۷ عیسوی کے ۹ نومبر (جمعہ) کے برابر ہے۔

اپنے خود نوشت سوانح حیات میں اقبال نے اپنی تعلیم کا مزید حال یوں بیان کیا ہے۔ "چند سال کے بعد میں ایک مقامی مدرسے میں داخل ہوا اور اپنے یونیورسٹی کیریئر کی ابتدا کی۔ میں نے پنجاب یونیورسٹی کا ابتدائی امتحان عام PUBLIC EXAMINATION ۱۸۹۱ء میں پاس کیا۔ ۱۸۹۳ء میں میں نے میٹریکیولیشن کا امتحان پاس کیا اور اسکاچ مشن کالج سیالکوٹ میں داخلہ لیا، جہاں میں نے دو سال تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۸۹۵ء میں پنجاب یونیورسٹی کا انٹرمیڈیٹ امتحان پاس کیا۔ ۱۸۹۷ء اور ۱۸۹۹ء میں، میں نے لاہور گورنمنٹ کالج سے بالترتیب بی اے اور ایم اے کے امتحانات پاس کیے"۔ ۱۴۔

امتحانات پاس کرنے اور ہائی اسکول میں داخل ہونے سے متعلق بیانات بھی اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ اقبال ۱۸۷۷ء میں پیدا ہوئے تھے۔ ہندوستان کے ہائی اسکولوں اور یونیورسٹیوں کے دستور کے لحاظ سے یہ امر بہت زیادہ قرین قیاس ہے کہ اقبال نے اسکاچ مشن کالج سیالکوٹ میں اپنی عمر کے سولھویں سال میں داخلہ لیا، نہ کہ اس قدر دیر سے کہ وہ بیس سال کے ہو چکے تھے۔ یہ بھی اغلب ہے کہ انہوں نے بی اے بیس سال کی عمر میں کیا نہ کہ چوبیس کی، اور یہ کہ انہوں نے ایم اے کا درجہ بائیس سال کی عمر میں حاصل کیا، نہ کہ چھبیس سال کی پختہ عمر میں۔

ہم نے (اوپر) بیان کیا ہے کہ جنوری ۱۹۳۸ء میں شاعر کی ساٹھویں سالگرہ کے موقعے پر جلسے منعقد کیے گئے تھے۔ چنانچہ اقبال نہ تو ۱۸۷۳ء میں پیدا ہو سکے ہوں گے نہ ۱۸۷۶ء میں، بلکہ ۱۸۷۸ء میں، یا کم از کم سنہ ۱۸۷۷ء کے اواخر میں۔

تو خلاصہ یوں ہے:

الف۔ میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر محمدؐ اقبال بروز جمعہ ۹ نومبر ۱۸۷۷ء پیدا ہوئے تھے۔ یہ تاریخ خود اقبال کے اس بیان پر مبنی ہے جو انہوں نے اپنی خود نوشت سرگذشت میں پیش کیا ہے (یعنی سوم ذی القعدہ، ۱۲۹۴ ہجری)

ب۔ چند اور فرو تر ثبوت بھی ملتے ہیں جو سنہ ۱۸۷۷ء کے حق میں ہیں:

۱۔ ہائی اسکول کے امتحانوں کے پاس کرنے اور مختلف قسم کی درس گاہوں (مصنف مقالہ نے "اسکولوں" لکھا ہے۔ درانی) میں داخلے کی تاریخیں' ہندوستان کے انگریزی اسکولوں میں طلبہ کی اوسط عمر کا لحاظ رکھتے ہوئے۔

۲۔ اقبال کی ساٹھویں سالگرہ منانے کی تقریبات جو ۱۹۳۷ء اور ۱۹۳۸ء کے درمیان منعقد ہوئیں' جب شاعر ابھی زندہ تھا۔

۳۔ جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے' بعض دانشور بھی مختلف مآخذ کی روشنی میں ۱۸۷۷ء ہی پر زور دیتے ہیں۔

ہاں' یہ ضرور ہے کہ ہم کتابت کی غلطیوں پر منحصر غلط شماریوں (MISCALCULATIONS) سے احتراز نہیں کر سکتے۔

ترجمہ تمت: (پراگ' شنبہ ۴ اگست ۱۹۹۰ء)

نوٹ از مترجم: اس مضمون کا ترجمہ دراصل میں نے اپنی نئی کتاب "نوادر اقبال یورپ میں" میں شمول کے لئے تیار کیا تھا۔ جس کی اشاعت میں اب قریب چار سال کی تاخیر ہو چکی ہے (کیونکہ اس کا مسودہ پے در پے اقبال اکادمی پاکستان سے بزم اقبال لاہور کو' اور بزم اقبال سے دوبارہ اقبال اکادمی کو' منتقل ہوتا رہا)۔ اس دوران میں موجودہ کتاب ("اقبال یورپ میں") کا دوسرا ایڈیشن فیروز سنز لاہور کے یہاں سے اشاعت کے مرحلوں میں ہے۔ اور چونکہ مضمون زیر نظر کا اس کتاب کے پہلے دو ابواب کے ساتھ گہرا تعلق ہے' اور ان میں اس کی طرف اشارے بھی ہیں' اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ یہ ترجمہ کتاب ہذا کی طبعِ ثانی میں بھی شامل کر لیا جائے۔
(درانی۔ فرائی برگ' جرمنی۔ ۱۰ اگست ۱۹۹۵ء)

حواشی

۱۔ مترجم نے جب اگست ۱۹۹۰ء میں جناب یان ماریک سے پراگ میں ملاقات کی' اور اس بیان کے بارے میں استفسار کیا' تو انہوں نے فرمایا کہ اس زمانے میں جب یہ مضمون لکھا گیا (یعنی ۱۹۵۸ء میں)' تو ان کے ملک (چیکو سلوواکیا) کی حکومت' مملکت پاکستان سے عناد رکھتی تھی' اور ایسے خیالات کی تشہیر کرتی تھی۔ اب جناب ڈاکٹر ماریک کا ذاتی نقطہ نظر اس بارے میں بدل گیا ہے (درانی)۔

۲۔ مترجم کے خیال میں یہ اطلاع صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ۱۹۲۶ء میں علامہ اقبال انگلستان میں موجود نہ تھے۔ اس سوسائٹی کی بنیاد (جہاں تک مجھے یاد ہے) دراصل علامہ کے ۱۹۳۱ء کے دورۂ انگلستان کے دوران میں رکھی گئی تھی' جب وہ دوسری راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے سلسلے میں انگلستان تشریف لائے تھے۔

۳۔ دیکھئے Art and Letters (ہنر و ادب) جلد ۲۷' ۱۹۵۳ء' ص ۲۵۔

۴۔ مترجم کے خیال میں یہ تنظیم اقبال اکیڈیمی نہیں' بزم اقبال (بمقام لاہور) تھی۔ (یاد رہے کہ بزم اقبال کا نام ابتدا میں اقبال اکیڈیمی تھا' پھر بزم اقبال ہوا۔ (نوٹ از ڈاکٹر وحید قریشی))۔

۵۔ بالخصوص اقبال کے سوانح حیات کے قدیم ہندوستانی تذکروں میں۔ مگر کئی ایک تازہ مقالات میں بھی۔ مثلاً" اے۔ ایم شمل A-M Schimmel : محمد اقبال ۱۹۳۸ء-۱۸۷۳ء Welt des Islams N.S. III, 1954, p. 145,

علی مراد Ali Merad : محمد اقبال' ایک جدید مسلمان مفکر ۱۹۳۸ء- ۱۸۷۳ء (فرانسیسی زبان میں)

Mohammad Iqbal, un penseur musulman moderne- 1873-1938 (Ibla XVIII, 1955, p.339)

(پس تحریر: واضح رہے کہ Ibla = Institut des Belles Lettres Arabes (Tunis) کا رسالہ)

ریاض الحسن: ہندوستانی مسلمان شاعر محمد اقبال ۱۹۳۸ء-۱۸۷۳ء

Il poeta musulmano indiano Mohammed Iqbal- 1873-1938 (اطالوی زبان میں)

(Oriente Moderno XX, 1940, p. 605)_

این- بی- رائے (N.B.Roy): اقبال کی شاعری کا پس منظر (انگریزی زبان میں)

(The Vishvabharati Quarterly XX, 1955, p. 321)

۶۔ اے۔ بوسانی A.Bausani : نغمۂ آسمانی Il poema celeste

(اقبال کے جاوید نامے کا اطالوی ترجمہ)۔ روم' ۱۹۵۲ء' ص ۹۔

اور' علی نہاد طرلان Ali Nihat Tarlan : "شرقتا" خبر Sarktan haber

(اقبال کے پیامِ مشرق کا ترکی ترجمہ)' انقرہ' ۱۹۵۶ء' ص XI یا ۱۳۱۔

۷۔ جی۔ طفریل G.Taffarel : محمد اقبال کا تذکرۂ حیات (اطالوی زبان میں):

Notizie biografiche su Mohammed Iqbal (Oriente Moderno XVIII, 1938, p. 332)

جو "ورکن ٹائمز" میں ۱۹۳۸ء میں شائع ہونے والے ایک مضمون پر مبنی ہے۔

۸۔ "Il 21 dello scorso aprile mori a Bombay di mal di cuore

Sir Mohammed Iqbal. Nel precedente gennaio, in occasione del suo sessantesimo

compleanno, in vari centri dell' India e specialmente a Bombay e Haiderabad

del Dekkan (presso l' Universita Othmaniyyah) furono tenute conferenze e scritti

articoli sulle opera sua, con larga partecipazione di letterati e politici indu".

۹۔ یان ریپکا (Jan Rypka) اور معاونین : "Dejiny perske a tadzicke literatury" (تاریخ ادبیات

فارسی و تاجیک)۔۔۔۔۔ پراگ' ۱۹۵۶ء' ص ۳۰۵ الخ۔

۱۰۔ J.W. Fueck : Muhammad Iqbal und der indomuslimische

Modernismus, Westoestliche Abhandlungen, Rudolf Tschudi zum 70. Geburtstag

Wiesbaden, 1954, p. 357.

(جے۔ ڈبلیو۔ فیوک : محمد اقبال اور مسلم ہند کا دورِ جدید : مقالات شرق و غرب' رڈولف چودی کی ستروں (۷۰)

سالگرہ پر۔ ویزباڈن' ۱۹۵۳ء' ص ۳۵۷)۔

۱۱۔ اس کی کتاب کے تبصرے کے مطابق' جس کے لئے دیکھئے The Moslem World جلد ۲۷ (XXVII)'

۱۹۳۷ء' ص ۲۱۳۔

۱۲۔ دیکھئے ایم اقبال۔ "ایران میں علم مابعد الطبیعیات کا ارتقاء"

M. Iqbal:The Development of Metaphysics in Persia, Inaugural Dissertation der

Philosophischen Fakultaet Sekt. I. (resp. II.) der Ludwig- Maximilians Universitaet,

Muenchen. London 1908, Lebenslauf.

(افتتاحی مقالہ برائے کُلیۂ فلسفہ۔ سیکشن اول (یا دوم)۔ لڈوگ میکسیملین یونیورسٹی۔ میونک۔ مطبوعہ لندن ۱۹۰۸ء۔ کوائف حیات)۔

نوٹ از مترجم: اکتوبر ۱۹۸۷ء میں میونک یونیورسٹی لائبریری کے سابق ڈائریکٹر ڈاکٹر بوزاش (L.Buzas) نے مجھے بتایا تھا کہ ان کے خیال میں کلیۂ فلسفہ' یا یونیورسٹی' کے جس کار پرداز کے ذمے اس مقالے کے لئے اس سیکشن کا تعین کرنا تھا جس کے ماتحت اقبال کو پی ایچ ڈی کی ڈگری دی جا رہی تھی' اس نے تساہل یا تغافل کی بنا پر بجائے ایک سیکشن کے دونو سیکشن درج کر دیے' (یعنی سیکشن اول یا دوم)۔ امسال (اگست ۱۹۹۰ء میں) جناب یان ماریک نے پراگ میں اس خیال کا مجھ سے اظہار کیا کہ شاید اس مقالے کا موضوع ان دو سیکشنوں' اول و دوم' کے بین بین رہا ہو۔ چنانچہ دونو کا نام درج کر دیا گیا۔ لیکن بعد ازآں جب میں نے اقبال کی "میونک فائل" کا بغور مطالعہ کیا (دیکھئے میری کتاب "نوادر اقبال یورپ میں'" مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان۔ ۱۹۹۵ء) تو وہاں نظر آیا کہ میونک یونیورسٹی کے "شاہی کلیۂ فلسفہ" کے ڈین' جناب بریمن Dr H. Breymann' نے اپنے سرٹیفکیٹ میں بالخصوص سیکشن اول کا اندراج کیا ہے۔ (درانی)۔

۱۳۔ ۔ بمطابق "اسلامی اور عیسوی تقویموں کی مساواتی فہرستیں" از ایف وسٹن فلڈ۔ ماہلر۔ دوسرا ایڈیشن۔ لائپزگ ۱۹۲۶ء۔

(F.Wuestenfeld- Mahler' sche Vergleichungstabellen der Mohammedanischen und

Christlichen Zeitrechnung, 2. Aufl., Leipzig 1926.

۱۴۔ ۔ "فلسفۂ عجم'" کوائف حیات(Development of Metaphysics, Lebenslauf)

ضمیمہ ۲:

اقبال --- چند یادیں ☆

از: ائین اسٹیفنز Ian Stephens
ترجمہ: سعید اختر درانی

حرفِ آغاز

یہ مضمون اس کے مصنف جناب ائین اسٹیفنز نے مجھے یعنی مترجم کو ان الفاظ کے ساتھ بھیجا تھا: "یہ اس خطاب کی ذرا سی مختلف ہیئت ہے جو اقبال کے صد سالہ جشن ولادت کے موقع پر کیمبرج میں بروز ۱۹ نومبر ۱۹۷۷ء' پاکستان ایسوسی ایشن اور فیکلٹی آف اورینٹل اسٹڈیز کے ایک مشترکہ اجلاس میں پڑھا گیا تھا"۔ اسے میں نے انجمن ترقی اردو برمنگھم کے مجلہ "اردو" کے نخستیں شمارے میں شامل کر لیا' جو میرے زیرِ ادارت دسمبر ۱۹۷۷ء میں شائع ہوا تھا۔ اس مضمون اور اس کے مصنف کا تعارف میں نے وہاں ان الفاظ میں کیا تھا: "ائین اسٹیفنز صاحب پاکستان سے متعلق کئی ایک قابلِ ذکر کتابوں کے مصنف ہیں۔ وہ اسٹیٹسمین (The Statesman of India) کے مدیرِ اعلیٰ بھی رہ چکے ہیں اور کنگز کالج کیمبرج کے فیلو بھی۔ وہ یادیں جن پر یہ مضمون منحصر ہے' مصنف کے ذہن میں اس وقت جاگیں جب راقم الحروف (درانی) نے تابستان ۱۹۷۶ء میں دورانِ گفتگو ان سے سوال کیا تھا کہ آیا کبھی ان کی اقبال سے

☆ مضمون مطبوعہ "اردو": مجلہ انجمن ترقی اردو' برمنگھم۔ جلد ۱۔ شمارہ ۱۔ ۱۹۷۷ء۔ بحرۂ انگلیس' ص ۲۱۔ ۳۲

ملاقات ہوئی تھی' اور پھر ان پر زور دیا تھا کہ عنقریب آنے والے صد سالہ جشن ولادت کے پیش نظر وہ اقبال سے متعلق اپنی یادداشتیں حیطۂ تحریر میں لے آئیں"۔

اسٹیفنز صاحب کے بارے میں کچھ مزید معلومات کے لئے حاشیہ (ا) ملاحظہ کیجئے۔ (مترجم)

○

میں اس مضمون کے بارے میں ہرگز یہ دعویٰ نہیں کروں گا کہ یہ کسی بڑی علمی حیثیت کا حامل ہے۔ یہ محض ایک ہلکی پھلکی سی ذاتی جھلک ہے جو ایک عظیم الشان قوم ساز موضوع کا تعارف کرتی ہے۔ میں اب بڈھا ہو چکا ہوں۔ مگر جب میں نوجوان تھا تو میں جنوبی ایشیا کی کئی ایسی ہستیوں سے ملا' جو بعد ازآں بہت شہرت مند ہو گئیں۔ ان لوگوں نے دوسری عالمی جنگ کے بعد اس خطے کے حالات کی تشکیل میں بڑے اہم اور مرکزی کردار ادا کئے۔ یہ وہ لوگ تھے کہ جن کی سیاسی سوجھ بوجھ اور سوچ بچار کے بغیر ایک عظیم قوم و ملک' جو تیس سال تک اپنی آزادی کی نگہداشت کرتا آیا ہے' اور جس کی ساخت و سامان آج تک بھی ایک عجوبہ ہے (یعنی پاکستان)' شاید کبھی معرض وجود میں نہ آ سکتا۔

سال گذشتہ (۱۹۷۶ء) کے ماہ دسمبر میں مجھے دعوت دی گئی تھی کہ پہلے میں لندن' اور پھر اسلام آباد میں پاکستان کے انسانی خالق اور قائد' مسٹر جناح کے بارے میں اپنی یادیں جگاؤں' جن کا صد سالہ جشن ولادت اس وقت منایا جا رہا تھا۔ واقعی میں ان سے کئی مرتبہ ذاتی طور پر ملا بھی تھا' اور ان کا دور سے دیدار بھی کیا تھا' اور یہ واقعات' مدت گذری' ۱۹۳۱ء میں شروع ہوئے اور موسم بہار ۱۹۴۸ء تک انجام پذیر نہ ہوئے' یعنی ان کی وفات سے چند ہی ماہ پیشتر۔ اس کے برعکس' پاکستان کے فلسفی شاعر ڈاکٹر اقبال کے بارے میں میں کوئی طویل و عریض دعوے نہیں کر سکتا۔ اگرچہ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ اقبال تصور پاکستان کے ساتھ مسٹر جناح سے پیش تر وابستہ ہو گئے تھے۔ چنانچہ میں کافی پس و پیش کے بعد اس بات پر رضا مند ہوا ہوں کہ پہلے لندن میں' اور اب یہاں (یعنی کیمبرج میں)' اقبال کے بارے میں گفتگو کروں۔

آج میں چند ایسے موضوعات کو چھوؤں گا جو شاید یہاں کیمبرج کے سامعین کے لئے زیادہ باعث دلچسپی ہوں' بہ نسبت لندن کے' کیونکہ یہی وہ شہر ہے جہاں' مدت ہوئی' اقبال نے ٹرنٹی کالج کے ریسرچ اسٹوڈنٹ کی حیثیت سے اپنی فلسفیانہ تعلیم کا آغاز کیا تھا۔ اور مت بھولیے کہ یہی وہ شہر ہے کہ جہاں مسٹر جناح سے کافی پہلے ایک ریسرچ اسٹوڈنٹ مقیم تھا' یعنی چودھری رحمت علی' جس نے "پاکستان" کا لفظ اختراع کیا تھا۔۲ے..... اور جس کے اجڑے اور نظر انداز مدفن ۳ے کی تلاش کے لئے آج سے دو عشرے پہلے میرا ایک دوست' سعید درانی' جو اس وقت ایک انڈر گریجویٹ ۴ے تھا' مجھے لے کر نکلا۔ یہ قبر یہاں کے وحشت ناک شہری قبرستان (City Cemetery) میں واقع ہے' جہاں پہنچنے کے لئے ہمیں نیو مارکیٹ روڈ (Newmarket Road) کے بعض بڑے ہی گندے علاقوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ رحمت علی کو حق پہنچتا ہے کہ آج ہم اس کی یاد بھی تازہ کریں۔

رحمت علی ہی کی طرح' مگر جناح کے برعکس' اقبال نے اس وقت وفات پائی جب وہ خاصے جوان تھے' اور یہ بھی ایک وجہ ہے کہ میں ان سے محض ایک ہی مرتبہ ملا ہوں۔ تاہم' میں جن امور کا آج ذکر کروں گا' وہ صرف ایک شام کی خوش باشیوں کے واقعات پر مبنی ہیں جو دہلی میں گذری۔ مجھے اس کی تاریخ بھی اب اچھی طرح یاد نہیں۔ اگرچہ میرا حافظہ خاصے زور سے نومبر ۱۹۳۲ء کی طرف اشارہ کرتا ہے (نوٹ از مترجم: نیچے حاشیہ ۶ بھی دیکھئے)..... اور دراصل مجھے ان کی (یعنی اقبال کی) شکل و شباہت بھی کچھ اچھی طرح یاد نہیں' جس کے برعکس مجھے جناح صاحب کا حلیہ بہت اچھی طرح یاد ہے (جیسا کہ میں نے گذشتہ برس ان کے صد سالہ جشنِ ولادت کے دوران بیان کیا تھا)۔ مگر اس بات سے تو سب اتفاق کریں گے کہ مسٹر جناح ایک غیر معمولی شخصیت تھے۔ دیکھنے میں بھی' اور سیاسی لحاظ سے بھی۔ بلکہ زیادہ نفیس اور صحیح الفاظ یہ ہوں گے کہ وہ ایک تخلیقی فرماں روائے مملکت تھے۔ بہرصورت' اقبال' جنہوں نے امور مملکت پر اثر تو ضرور ڈالا لیکن انہیں بدست خود ڈھالا نہیں' جہاں تک مجھے یاد ہے ایک عام سا چہرہ مہرہ رکھتے تھے۔ یعنی ایک ایسا شخص کہ پہلی نظر کے

بعد آپ اس کی طرف دوسری نظر نہ ڈالیں گے (میرے ذاتی خیال میں مصنف کے یہ خیالات ان کی دھندلی یاد داشت پر مبنی ہیں۔ نوٹ از مترجم)' جب کہ مسٹر جناح کو پہلی نظر میں دیکھتے ہی آپ ٹھٹک جائیں گے۔ کم از کم میں ضرور ٹھٹک گیا تھا۔

اقبال نہ خاص طور سے دبلے پتلے تھے' نہ بلند و بالا۔ ان کے بال کچھ سفیدی مائل ہو رہے تھے اور ان کی مونچھیں کچھ ڈھلک رہی تھیں۔ ان کے سر کے بالوں میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جیسی کہ جناح کے بالوں میں وہ چونکا دینے والی سفید لٹ جو فوراً" دیکھنے والے کو ان کی بلند پیشانی کی جانب متوجہ کرتی تھی۔ درحقیقت اقبال میں کوئی بھی خاص قابل توجہ بات نظر نہ آتی تھی' سوائے اس کے کہ جونہی کوئی بات انہیں خوش کرتی ایک بڑی دلکش مسکراہٹ یکایک ان کے چہرے پر کھل اٹھتی۔ طور طریقے میں وہ ذرا محتاط نظر آتے' یا کچھ لیے دیئے سے رہتے۔

اب سنئے میری داستان' جیسی بری بھلی بھی وہ ہے۔ اور یہ داستان بہ لحاظ زمان پیچھے کی طرف دوڑے گی اور بہ لحاظ مکان پہلوؤں کی جانب۔ یعنی اس صدی کے تیسرے عشرے کے آغاز کی دلی سے لے کر اس سے بہت مدت پہلے کے کیمبرج کی طرف۔

مارچ ۱۹۳۰ء میں جب میں ستائیس برس کا ایک کندہ ناتراش تھا' میں برعظیم میں وارد ہوا۔ اور مجھے بڑا تعجب اس بات پر ہوا کہ وہاں پہنچتے ہی مجھے اسلام کے ساتھ ہمدردی محسوس ہونے لگی۔ اس کا سبب یہ امر تھا کہ سولہ سال کی عمر میں میں نے عیسائیت کو کچھ ایسی وجوہات کی بنا پر خیرباد کہہ دی تھی جو دہلی آنے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ ایک طرح سے اسلامی تھیں۔ میری افتاد طبع مذہبی ہے' اور اگر میں ایک پشت پہلے پیدا ہوا ہوتا تو ممکن ہے کہ میں بالآخر ایک عیسائی (Anglican) ڈین یا بشپ (اسقف) کے درجے پر پہنچ جاتا۔ لیکن مدرسے کے زمانۂ تعلیم ہی کے دوران وہ ایک کراہت سی جو میرے دل میں بیٹھ گئی تھی' یہ تسلیم کرنے سے متعلق کہ خدائے تعالیٰ نے ایک "اکلوتے بیٹے کو جنم دیا تھا" اس نے مجھے ایسے پیشے (عیسائی پادری بننے) سے بچا لیا-۵- اس کی دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ میرے بہت سے ہم عمر ساتھی اور میں

اس خلیج کو کبھی نہ پاٹ سکے جو مروجہ عیسائی اعتقادات' تخلیق کائنات اور ڈارون کے مسئلہ ارتقائے حیات کے درمیان پھیلی ہوئی تھی۔

چنانچہ ایک تو میرا یہ غیر عیسائیانہ نقطۂ نظر' اور پھر ایشیا میں ایک نووارد کی حیثیت سے وہاں کے نامانوس طرز تعمیر کی میرے لئے دلربائی۔ ان سب چیزوں کا اثر یہ ہوا کہ جلد ہی میں نے دلی کی تاریخی عمارتوں میں جانا شروع کر دیا۔ شام کے وقت میں اکثر اس حسین و جمیل اور تنہائی میں کھوئی ہوئی چھوٹی سی مسجد میں چلا جاتا جو پرانے قلعے کے اندر گردونواح کے مناظر سے بڑی بلندی پر آشیاں پرداز ہے۔ وہاں سے دور تک نظر آنے والا منظر' اور تنہائی' اور پھر اذان کی آواز' یہ سب چیزیں مجھے مسحور کر دیتیں۔ میں کچھ عرصہ وہاں سے کچھ فاصلے پر واقع اس دوسرے مذہبی مقام میں بھی گھوما کرتا جو بہت مشہور ہے' یعنی حضرت نظام الدین اولیا کی خانقاہ۔ پھر جلد ہی خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اس درگاہ کے موروثی گدی نشین خواجہ حسن نظامی کے ساتھ میری واقفیت ہو گئی۔ گو مجھے اب یہ تفصیل یاد نہیں کہ ایسا کیونکر ہوا۔ خواجہ صاحب کا یہ ایک خوشگوار دستور بھی تھا کہ دہلی کی سردیوں کے موسم میں وہ اپنے احباب کو اپنے مکان میں' جو ایک طرح سے اس مزار کا ایک حصہ ہی تھا' مشاعرے یا قوالی وغیرہ کے لئے بلا لیا کرتے تھے۔ جس کے بعد ان کے گھر میں' جو درگاہ شریف سے ملحق تھا' کھانے کی دعوت ہوتی۔

تو جلد ہی خواجہ صاحب نے مجھے ایک ایسی ہی محفل میں مدعو کیا۔ میں اس محفل سے بڑا مسحور ہوا' اگرچہ زبان سے ناآشنا ہونے کے باعث اس شام جو کارروائی ہو رہی تھی اس کا بڑا حصہ میری سمجھ سے باہر تھا۔ یہ دیکھ کر کہ میں اس بزم سے کافی محظوظ ہوا ہوں' خواجہ صاحب نے بار دیگر مجھے شمولیت کی دعوت دی۔ ان محفلوں کی یاد اب بھی میرے ذہن میں تروتازہ ہے' اور میرا خیال ہے کہ میں اب بھی خواجہ صاحب کو کافی وضاحت کے ساتھ تصور میں لا سکتا ہوں۔ وہ ایک اکہرے بدن کے پستہ قد' ادھیڑ عمر کے آدمی تھے' جن کی اچکن کچھ خاص صاف ستھری نہ تھی۔ ان کی داڑھی چھدری سی تھی' اور ان کے بال لمبے تھے' جو گندھی ہوئی کاکلوں کی صورت

میں تھے۔ ان کی بینائی اچھی نہ تھی' اور وہ اپنی لوہے کی کمانی والی عینک کے اندر سے' لوگوں کو مسکراتی آنکھوں سے جھانکا کرتے تھے۔ وہ مجھے بڑے پسند آئے۔

دلی میں میرے تیسرے سیزن ۶ء کے آغاز کی بات ہے جبکہ میں اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا' کہ خواجہ صاحب کا فون آیا (اور مجھے یاد ہے کہ اپنی حالیہ ترقی کے بعد میں سیکریٹیریٹ کے ایک پہلے سے بڑے کمرے میں جاگزین تھا' جو سورج والے جنوبی پہلو میں واقع تھا۔ اس بات کی مدد سے میں ان واقعات کی تاریخ ڈال سکتا ہوں' یعنی ۱۹۳۲ء کا موسم خزاں..... میں اب بھی حافظے کی آنکھوں سے اپنے دفتر' اور اس میں رکھے ہوئے اپنے ڈیسک کو دیکھ سکتا ہوں۔ کھڑکیاں' جن میں سے سورج کی کرنیں چھن چھن کر آ رہی تھیں' میرے دائیں ہاتھ پر تھیں.....)۔ خواجہ صاحب نے (ٹیلی فون پر) پوچھا کہ کیا میں ان کی محفل میں' جو دو تین روز بعد منعقد ہونے والی تھی' آ سکوں گا یا نہیں؟ میں نے فوراً" ہاں کر لی۔ اس کے کچھ دیر بعد انہوں نے دوبارہ فون کیا اور بتایا کہ اس شب علامہ اقبال بھی تشریف لائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ علامہ ابھی لاہور سے پہنچے ہیں' اور مجلس قانون ساز (Legislature) کے چند مسلمان ارکان ان سے ملنے کے مشتاق ہیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس رات کی محفل' جو مسلمانوں کا کچھ رسمی سا اور خاصا بڑا اجتماع ہو گا' اس میں میں ہی ایک تنہا برطانوی ہوں گا' اور یوں اچھا خاصا نمایاں لگوں گا۔ انہوں نے کہا: تم برا تو نہ مانو گے؟ میں نے کہا: کوئی مضائقہ نہ ہو گا۔ اور بلا سوچے میں نے یہ اضافہ بھی کر دیا کہ اگر باقی شرکائے محفل سے بے تکلفی کی خاطر میں اپنے "ہندوستانی لباس" میں آجاؤں تو کیسا رہے گا؟ میں نے وضاحتاً" یہ بھی کہا کہ میں وقتاً" فوقتاً" یہ کپڑے اس لئے پہنتا ہوں کہ اس طرح میں پرانی دلی کے گلی کوچوں میں آزادی کے ساتھ گھوم سکتا ہوں' اور باقی لوگوں کے ساتھ بہت اجنبی لگے بغیر گھل مل سکتا ہوں۔ یہ سن کر خواجہ صاحب کافی محظوظ ہوئے' اور کہنے لگے: جیسے آپ کی مرضی۔ چنانچہ شبِ معینہ' جبکہ میں جہلم کے علاقے میں رہنے والے مسلمانوں کے لباس میں ملبوس تھا' میں یہ دیکھ کر حیران پریشان رہ گیا کہ رات کے کھانے کا وقت آیا تو میں علامہ اقبال کے پہلو میں ان کے بائیں ہاتھ پر بٹھلا

دیا گیا ہوں!

کسی نے یہ بتانے کی ضرورت نہ سمجھی کہ میں کون ہوں۔ اور تھوڑی دیر بعد کچھ ایسا خلط مبحث وقوع پذیر ہوا جس کے نتائج خاصے ناخوشگوار ہو سکتے تھے۔ میرے پرانے کرمفرما سر محمد یعقوب' جو میرا خیال ہے ان دنوں لیجسلیٹو اسمبلی کے ڈپٹی اسپیکر تھے' علامہ اقبال سے ذرا ہی دور بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے سر ظفر اللہ خان تشریف فرما تھے' جو اس وقت بھی ایک بہت ممتاز قانون دان تھے۔ مزید بر آں وہ ایک بڑے پکے بلکہ جوشیلے احمدی یا قادیانی بھی تھے۔ جلد ہی یہ بات ظاہر ہو گئی کہ جناب اقبال کو یہ اچنبھا ہو رہا تھا کہ آخر میں کس باغ کی چڑیا ہوں' اور میں خود اس جھینپ میں تھا کہ کیا بتاؤں۔

جب سر محمد یعقوب نے یہ دیکھا تو مجھے بنانے کی خاطر شرارتاً" انہوں نے اقبال پر یوں ظاہر کیا گویا میں ایک تازہ یوروپین نو مسلم ہوں۔ اس پر میز کی دوسری جانب سے سر ظفر اللہ نے مداخلت کرتے ہوئے یعقوب صاحب کو سختی سے تنبیہ کی کہ اس طرح مذہبی معاملات میں مضحکہ خیزی بڑی معیوب ہے۔ صورت حالات بڑی نازک ہو گئی' اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کروں۔ پھر یکایک ایک غیبی اشارہ سمجھئے کہ مجھے یاد آیا کہ علامہ اقبال کیمبرج کے پڑھے ہوئے تھے۔ اگرچہ ان کی تعلیم فلسفہ خود میرے زمانے سے بہت پہلے کی بات تھی۔ چنانچہ میں نے انہیں بتایا کہ میں بھی کیمبرج ہی کا فارغ التحصیل ہوں۔ اس کا بے حد خوشگوار اثر ہوا' اور ہم نے اطمینان کی سانس بھر کر بات چیت شروع کر دی۔ اور یہ گفتگو ایک خاصی دلچسپ یادوں کی بارات ثابت ہوئی' جس میں ہم کیمبرج یونیورسٹی کے مشاہیر کے بارے میں یادیں تازہ کرتے رہے' جنہیں اقبال پہلی جنگ عظیم سے پیشتر جانتے تھے' اور جن کی صورت' یا کم از کم ان کے تذکرے سے خود میں اپنے انڈر گریجویٹ زمانہ تعلیم کے دوران واقف تھا' یعنی اقبال کے وقتوں کے دس پندرہ سال بعد۔

ان اساتذہ میں ٹرنٹی کالج کے میک ٹیگرٹ (Mc Taggart) شامل تھے' جو اپنے زمانے کے سب سے مشہور کیمبرج فلاسفر تھے' اور اس کے علاوہ کچھ سنکی بھی

تھے۔ پھر سورلی (Sorley) صاحب کی بات بھی ہوئی' اور وہ بھی ایک ممتاز فلسفی تھے' اگرچہ میک ٹیگرٹ سے ذرا کم تر..... مگر چونکہ وہ (سورلی) میرے کالج یعنی کنگز (King's) کے آدمی تھے' اس لئے وہ میرے دیکھے ہوئے تھے۔ مزید برآں پروفیسر براؤن (Browne) کی بات ہوئی' جو فارسی زبان و ادب کے ماہر تھے۔ ان کا عظیم الشان مکان' جو ٹرمپنگٹن اسٹریٹ (Trumpington Street) کے پرلے سرے پر واقع تھا'۔ مجھے دور سے دکھایا گیا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی جب مجھے یہ بھی بتایا گیا کہ اس قدر شہرۂ آفاق مستشرق بننے سے پہلے انہوں نے طب میں ڈگری حاصل کی تھی تو مجھے بے حد حیرت ہوئی تھی۔

یہ ظاہر تھا کہ اقبال کے لئے یہ چٹکلہ بازی خاصی دل لگی اور تفریح طبع کا باعث ہوئی۔ میں نے اس بات کا بھی ذکر کیا جس کی وجہ سے میک ٹیگرٹ دیکھنے میں اس قدر نمایاں ہو جاتے تھے' یعنی یہ کہ انہیں (Agoraphobia) (خوف وسعت) یعنی کھلی جگہوں سے وحشت کی بیماری لاحق تھی۔ اقبال کو بھی ان بے چاروں کا یہ مرض یاد تھا۔ میں نے انہیں بتایا کہ کیسے ہم کنگز کالج کے انڈر گریجویٹ بعض اوقات میک ٹیگرٹ صاحب کو اپنے کالج سے نکل کر واپس ٹرنٹی کالج کو جاتے ہوئے دیکھ کر لطف لیا کرتے تھے۔ بلاشبہ وہ کنگز میں Gibbs Building کی سب سے اوپر کی منزل میں جناب Lowes Dickinson کے ساتھ ہیگل (Hegel) کے بارے میں بحث کرنے کے بعد نکل رہے ہوتے تھے۔ کہا جاتا تھا کہ ان دو حضرات میں کبھی اس بات پر اتفاق نہیں ہو سکا تھا کہ در حقیقت ہیگل کا مطلب کیا تھا۔ اس کے بعد میک ٹیگرٹ صاحب کنگز کالج سے برآمد ہونے لگتے' اور اسی کا تماشا دیکھنے کے لئے ہم طلبہ وہاں لگے رہتے تھے۔ کالج کے فرنٹ لان کے گرد گھومنے کے بعد باب داخلہ میں پورٹرز لاج (Porters' Lodge)^۸ کے پاس سے گزرتے ہوئے' وہ باہر نکلتے تو انہیں کنگز پریڈ (King's Parade) کی سڑک کے ساتھ ساتھ شمالی جانب کو سرگرم سفر ہونا پڑتا تھا۔ یہاں شروع شروع میں تو انہیں کوئی مشکل در پیش نہ آتی تھی' کیونکہ کوئی خوفناک کھلی جگہ وہاں واقع نہ تھی۔ آج کل کے برعکس ان دنوں کوئی نیچی سی دیوار کنگز کالج

کی زمینوں کو کنگز پریڈ کے فٹ پاتھ سے جدا نہیں کرتی تھی۔ بلکہ اس کے بجائے ایک موٹا اور وزنی اونچا سا لوہے کا جنگلہ (Râiling) کالج کی حفاظت کرتا تھا' جیسا کہ اب بھی کالج سے متصل سینٹ ہاؤس (Senate House) کے بچاؤ کے لئے کھڑا ہے۔ یہ جنگلہ بے چارے میک ٹیگرٹ صاحب کے لئے بہت باعث سکون ہوتا تھا' جو خالی جگہوں سے بڑے خوف زدہ تھے۔

چنانچہ وہ بدحلیہ' بے چارہ' بڑا ممتاز' بوڑھا پروفیسر ہمارے سامنے سے گذرتا جب کہ ہم نوجوان اپنے کالج کے پورٹرز لاج کے آس پاس منڈلا رہے ہوتے تھے۔ میک ٹیگرٹ صاحب اپنی لڑکھڑاتی چال کے ساتھ ٹرنٹی کالج کو روانہ ہوتے وقت اول حصے میں تو زیادہ جلدی میں نہ ہوتے تھے' کیونکہ وہ آہنی جنگلہ ان کے سہارے اور دل بڑھانے کے لئے بالکل پاس ہی ہوتا۔ (جہاں تک مجھے یاد ہے' وہ ایسے بوٹ پہنے ہوتے تھے' جن کے تسمے عموماً" ٹھیک طرح سے بندھے نہ ہوتے تھے' اور تن پر ایک پرانا بدوضع سا اوورکوٹ ہوتا تھا۔) لیکن پھر جب وہ سینٹ ہاؤس سے ذرا آگے پہنچتے تو وہ بھیانک مسئلہ درپیش آتا جس کی تاک میں ہم بے تابی کے ساتھ انتظار کر رہے ہوتے تھے۔ یعنی جب سینٹ ہاؤس کے پہلو کی گلی یکایک جانب مشرق کو کشادہ ہو جاتی ہے تو ایک رخنہ سا در آتا جو ایک خالی جگہ پیدا کر دیتا' پیشتر اس کے کہ وہ کیز کالج (Caius College)۹ے کی اونچی عمارت کی دیواروں میں پناہ پا سکیں۔ اس کھائی کو پار کرنے سے پہلے وہ کچھ دیر کے لئے رک جاتے کہ ہمت جمع ہو جائے۔ اور پھر تقریباً" دلکی چال چلتے' جو ہم تماش بینوں کے لئے مضحکہ خیز مگر دراصل قابل رحم ہوتی' وہ اس خالی جگہ کو پھاند جاتے۔ اور پھر ٹرنٹی اسٹریٹ (Trinity Street) کی تنگ اور محفوظ گذرگاہ میں داخل ہونے کے بعد اپنی پہلی سی ڈگمگاتی چال چلنے لگتے۔

اور علامہ اقبال نے' اگر مجھے ٹھیک سے یاد ہے' میرے بیان سے اتفاق کیا۔ کیونکہ انہیں میک ٹیگرٹ صاحب کے اس عجیب عارضے کی خبر تھی' اگرچہ ہم نوجوانوں کی نسبت ان کا اس بارے میں رویہ زیادہ ہمدردانہ تھا۔

بہرصورت' اقبال کو پروفیسر سورلی کے المیے کی قطعاً" خبر نہ تھی' جس کا میں نے

اس شب تذکرہ کیا۱۰ے: ان کا ایک بڑا چہیتا بیٹا جنگ (عظیم) میں مارا گیا تھا' جو ایک ابھرتی ہوئی نوجوان ادبی شخصیت تھا اور حقیقی امتیاز کا مالک۔ میرے زمانۂ طالب علمی کے دوران' یا اس سے ذرا پیشتر' ہمارے کنگز کالج میں ایک بڑا تلخ مناقشہ برپا ہو چکا تھا' جس کا تعلق اس نئے وار میموریل (یادگار جنگ) سے تھا جو کالج کے چیپل (Chapel)۱۱ے میں نصب کیا جا رہا تھا' اور جس پر کالج کے ان طالب علموں کے نام کندہ کئے جا رہے تھے جو جنگ میں جاں بحق ہوئے تھے۔ وہ کندہ کاری جو کہ باعث نزاع تھی' ایک ہنگیر ئین طالبِ علم کا نام تھا' جو دوران جنگ مارا گیا تھا..... لیکن ظاہر ہے کہ وہ دشمن کی جانب سے لڑ رہا تھا۔ اور یہ مسئلہ کالج کونسل کے لئے ایک کشمکش بن گیا تھا۔ تاہم کافی تذبذب اور بحث و مباحثہ کے بعد کونسل والوں نے سمجھا کہ انہیں ایک بڑا اچھا حل مل گیا ہے۔ اور وہ یہ کہ فراخ دلی کے ساتھ (مگر باوصف اختلاف) انہوں نے فیصلہ کیا کہ یہ نام (Ferenc Bekassy) بھی اس میموریل پر کندہ تو کیا جائے..... مگر باقی سب ناموں سے الگ اور پتھر کی ایک علیحدہ سِل کے اوپر۔ ہم نے سنا تھا کہ سورلی صاحب اس بات پر سخت مشتعل ہوئے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ عمل ان کے محبوب بیٹے کی یاد کی توہین تھا' بلکہ اس قومی مقصد کی بے عزتی کے مترادف تھا جس کے لئے اس نے جان دے دی تھی۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ انہوں نے کالج کونسل کو عمر بھر معاف نہیں کیا' اور ہائی ٹیبل (High Table)۱۲ے پر اپنے کئی ایک رفیقِ تدریس اساتذہ سے انہیں کشیدگی ہو گئی۔

اس تنازعے پر لاتناہی بحثیں ہوتی رہیں۔ ہم طالب علموں میں سے اکثریت کا خیال تھا کہ کونسل کا فیصلہ صحیح تھا (ہم لوگ ۱۹۲۱ء میں کالج میں داخل ہوئے تھے)۔ ہمیں سورلی صاحب ایک پرانے تنگ نظر اڑیل ٹٹو نظر آتے تھے' جو کوئی خاص اچھے فلسفی بھی نہیں تھے۔ یعنی جیسا کہ عام بول چال میں اس اصطلاح کا مطلب لیا جاتا ہے۔ ویسے ہم خود جنگ میں حصہ لینے کے قابل نہیں ہوئے تھے۔ اور جب جنگ عظیم ختم ہوئی تو ہماری عمر محض ۱۵ یا ۱۶ سال کی رہی ہو گی' اور بعد از جنگ کی "شکستِ فریب" (Disillusion) کے دوران ہم سنِ بلوغت کو پہنچے تھے۔

جہاں تک مجھے یاد ہے، علامہ اقبال نے اس موضوع پر کوئی اظہار خیال نہ کیا۔ اور نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ ان کا سورلی کی فلسفیانہ حیثیت کے بارے میں کیا خیال تھا۔ یہ عیاں تھا کہ میک ٹیگرٹ ان کے لئے زیادہ باعثِ دلچسپی تھے۔

بہرحال، کیمبرج کی بدولت، مدتیں گزریں ۱۹۳۲ء کی اس شام، دلی کے اس مشاعرے کے موقعے پر یعقوب و ظفراللہ کے درمیان پیدا ہونے والی تلخی کی بات آئی گئی ہو گئی۔

تو خواتین و حضرات، آج اس نومبر کی ایک شام (۱۹۷۷ء میں) ہم یہاں کیمبرج میں اس غرض سے مجتمع ہیں کہ ایک عظیم انسان (یعنی اقبال) کو خراجِ عقیدت پیش کریں۔ اور ہم آج سے پینتالیس برس پہلے کے ایک نومبر کی شام کی یادیں تازہ کر رہے ہیں جب دور افتادہ دلی میں اس شخص کے ساتھ اسی کیمبرج کی باتیں ہو رہی تھیں۔

حواشی

۱۔ جناب آئین اسٹیفنز (Ian Stephens) (۱۹۰۳ء–۱۹۸۴ء) سے پہلی بار میں کیمبرج میں اپنے زمانہ طالب علمی میں ملا تھا (جس کو اب (یعنی ۱۹۹۳ء میں) قریب چالیس سال ہونے کو ہیں)۔ انہی دنوں ان کی مشہور کتاب Horned Moon چھپی تھی، جس میں انہوں نے بہ تفصیل پنڈت نہرو کے ساتھ اپنی چپقلش کا حال بیان کیا تھا۔ یعنی جب بحیثیت مدیرِ اعلیٰ Statesman of India، جو ایک انگریزی کمپنی کی ملکیت تھا، انہوں نے مسئلہ کشمیر پر متوازن ایڈیٹوریل لکھنے شروع کئے، جن میں پاکستان کے حقوق اور پالیسیوں کی کماحقہ، پاسداری بھی کی گئی تھی، تو پنڈت جی اس بات پر بہت برہم ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ ایک اخبار جو بھارت میں چھپتا ہے پاکستان کی اس قدر حمایت کرنے کی جرات کیسے کر سکتا ہے؟ اسے ہندوستان کے نقطہ نظر کا پرچار کرنا چاہیے۔ اس پر اسٹیفنز صاحب نے، بربنائے اصول، اخبار کی ادارت سے استعفیٰ دے دیا اور ہندوستان کو خیرباد کہہ کر کیمبرج میں اپنے پرانے کالج، کنگز (King's) کی فیلوشپ پر فائز ہو گئے۔ وہ ہماری انجمنِ دانش جویانِ پاکستان، کیمبرج (Cambridge University Pakistan Students' Society) کے اکثر مہمان ہوا کرتے تھے، اور اپنی کچھی

ہوئی خوبصورت تصاویر (Slides) کی مدد سے دلچسپ لیکچر دیا کرتے تھے۔ ۱۹۶۰ء کے عشرے میں صدر ایوب خان کی دعوت پر وہ ایک دو سال تک پاکستان میں رہے اور عسکری و تاریخی موضوعات پر ریسرچ کرتے رہے۔ بعد ازاں انہوں نے Penguin Books کے لئے اپنی مشہور کتاب معنونہ "پاکستان" لکھی اور The Pakistanis کے نام سے ایک کتابچہ بھی۔ ۱۹۷۶ء میں جب میں اپنے قدیم کالج' کیز (Caius)' میں فزکس کی ایک کتاب تصنیف کرنے کے لئے ٹھہرا ہوا تھا' تو دوبارہ اسٹیفنز صاحب سے تجدید ملاقات ہوئی' اور دراصل میری اقبالیات کی تحقیق کے ایک بڑے محرک وہی تھے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے موجودہ کتاب کا دیباچہ)۔ انہی کے اصرار پر میں نے علامہ کی تاریخ ولادت کے تعین کا بیڑا اٹھایا۔ پھر میں نے ان کے ساتھ مل کر "ڈان" کراچی میں ایک خط شائع کیا اور جناب ذوالفقار علی بھٹو' وزیر اعظم پاکستان' کو یہ تجویز پیش کی کہ اقبال کے صد سالہ جشن ولادت کی تقریب سے کیمبرج یونیورسٹی میں ایک مسند اقبال' بنام 'Iqbal Chair of Islamic Studies' قائم ہونی چاہئے' جس پر کسی بھی قوم و مذہب کے اقبال اسکالر کا تقرر ہو سکتا ہو۔ جنرل ضیاء الحق کے دور میں اس کے بجائے ایک Iqbal Visiting Fellowship قائم ہوئی' جو اب تک موجود ہے۔ اگرچہ اس پر سال بہ سال خرچ جاریہ حکومت پاکستان پر عائد ہوتا رہتا ہے' بجائے ایک ہی مرتبہ یکمشت ملنے کے' جس کے بعد ایک ہزار سال یا اس سے زیادہ دیر تک بلا کسی مزید خرچ کے یہ مسند قائم رہ سکتی تھی۔ بلکہ مزید ستم ظریفی یہ ہے کہ حکومت پاکستان کچھ عرصے سے اس عہدے پر تقرر کو "نوازش وابستگاں" (Patronage) کے طور پر استعمال کر رہی ہے---- بجائے علامہ اقبال کا مغرب میں نام روشن کرنے کے لئے' جو اس کا مقصد اصلی تھا۔

۲۔ میں نے ۱۹۷۶ء کے قیام کیمبرج کے دوران چودھری رحمت علی کے پرانے کالج عمانوئیل (Emmanuel) کی لائبریری میں ان کی چار ذاتی ڈائریوں Commonplace books کا کھوج لگایا' جن میں اس نوجوان طالب علم نے لفظ "پاکستان" کے اختراع کا پورا ارتقاء دکھایا تھا' جس کے پہلے ہجے Pakstan تھے' یعنی درمیان کی i کے بغیر۔ اس کے بعد میں نے دیکھا ایک روز وہ لکھتے ہیں کہ اس (خیالی) ملک کے باشندوں کو کس نام سے پکارنا چاہئے؟ اور اس کا جواب دیتے ہیں Pakistanese (بانداز Japanese)۔ اس سے اگلے روز لکھتے ہیں: نہیں' انہیں Pakistanian کہنا چاہئے۔ چند روز بعد وہ انہیں Pakistanis پکارتے ہیں۔ اور پھر بعد میں اعلان کرتے ہیں کہ نہیں' ان کا صحیح لقب The Paks ہونا چاہئے۔ (اس کے علاوہ وہ اس متصورہ ملک کے ہندوستان کے ساتھ روابط کے بارے میں بھی اظہار خیال کرتے ہیں)۔ میرے اصرار پر اب یہ ڈائریاں عمانوئیل کالج نے کنجی تالے کے ماتحت ایک محفوظ جگہ پر رکھ دی ہیں۔

۱۹۵۰ء کے عشرے میں جب میں کیمبرج پہنچا تو چودھری صاحب کا حال ہی میں انتقال ہوا تھا' اور ان کے ایک مصری دوست ڈاکٹر محمد عزت ابوہندیہ صاحب ان کے بارے میں ہمیں دلچسپ باتیں بتایا کرتے تھے۔ بلکہ ایک مرتبہ مقامی اخبار Cambridge Daily News میں میں اپنی انجمن دانش جویاں کا اشتہار دینے گیا' تو وہاں کے ایک کارکن نے (جن کا نام جہاں تک مجھے یاد ہے Mr D.W.Faux تھا) مجھے چودھری صاحب کے بارے میں بتایا کہ کیسے یہ بڑا محتاط اور مین میخ نکالنے والا (Meticulous) نوجوان اس اخبار کے دفتر میں آیا کرتا تھا' اور ہندوستان میں اپنے مجوزہ ممالک (یعنی DINIA کے اجزاء)' مثلاً "صدیقستان" اور "موپلستان" اور "عثمانستان" (حیدر آباد دکن) اور "بانگستان" (یا "بانگ اسلام"' موجودہ بنگلہ دیش) کے نقشوں میں' جو وہ اس اخبار کے دفتر سے چھپوایا کرتا تھا' ذرا ذرا سے ردو بدل کرتا رہتا تھا۔ یعنی یہ لکیر ذرا سی ٹیڑھی کر کے یہاں لگا دیجئے' اور وہ سرحد ذرا یوں ترچھی کر کے لگائیے' وغیرہ وغیرہ۔ میرے زمانہ طالب علمی میں ہم اپنی انجمن کی طرف سے چودھری رحمت علی کی گمنام اور خستہ سی قبر پر یوم پاکستان (۲۳ مارچ) کی تقریب پر پھول چڑھایا کرتے تھے۔ چودھری صاحب کے بارے میں ایک مفصل مضمون کے لئے میرے پاس بہت سا مواد جمع ہے۔ میرے ناچیز خیال میں ان کی شخصیت میں عظیم خوبیاں اور عظیم خامیاں پہلو بہ پہلو مجتمع تھیں۔ مگر ان چیزوں کی تفصیل میں کسی اور موقع پر اٹھا رکھتا ہوں: فرصت کشاکش غم دوراں سے گر ملی۔

۳۔ چند سال ہوئے چودھری رحمت علی کے پاکستانی لواحقین نے ان کی قبر پر' جس کا نمبر B/۸۳۳۰ ہے' سنگ مرمر کا ایک عمدہ چبوترا بنوا دیا ہے' (اگرچہ' جہاں تک مجھے یاد ہے' چودھری صاحب کی وہاں درج کردہ تاریخ وفات میں ذرا سی غلطی ہے' یا ایک زمانے میں تھی۔ ان کی صحیح تاریخ وفات ۳ فروری ۱۹۵۱ء ہے)۔ اب ادھر کچھ عرصے سے کیمبرج میں ہر سال چودھری صاحب کے ماہ وفات (یعنی فروری) میں ان کے اعزاز میں ایک بڑا جلسہ ہوتا ہے' اور انگلستان کے کونے کونے سے پاکستانی ان کی قبر پر فاتحہ خوانی کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ مثلاً فروری ۱۹۹۳ء کے جلسے میں سفیر پاکستان عزت مآب ڈاکٹر ہمایوں خان نے اور میں نے وہاں کے جلسے میں تقریریں کیں۔

۴۔ میں ان دنوں دراصل "انڈر گریجویٹ" (یعنی بی اے کا طالب علم) نہیں تھا' بلکہ نیوکلیئر فزکس میں پی ایچ ڈی کے لئے کام کر رہا تھا۔

۵۔ انہیں اسٹیفنسر صاحب پر اسلام کا اثر اس قدر غالب آ چکا تھا کہ میں نے خود انہیں کئی مرتبہ اپنے مکان (49 Hertford Street Cambridge) میں جائے نماز بچھا کر نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ (اگرچہ میرا خیال نہیں کہ

انہوں نے باقاعدہ اسلام بھی قبول کیا۔ برسر تذکرہ درج کرتا ہوں کہ وہ تمام عمر غیر شادی شدہ رہے)۔

۶ ۔ ان دنوں Statesman of India کا صدر دفتر کلکتے میں ہوتا تھا' اور ایک ذیلی دفتر دلی میں۔ چنانچہ اسٹیفنز صاحب غالباً" سردیوں میں دلی میں بیٹھا کرتے تھے' اور شاید Season سے ان کی یہی مراد ہے' یا ہو سکتا ہے کہ ان کا مطلب تیسرے سال سے ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ گرمی کی چھٹیاں انگلستان میں گذار کر سردیوں کے Season میں ہر سال ہندوستان واپس آتے ہوں۔

پس تحریر: دراصل ۱۹۳۲ء کے اواخر میں' لندن میں تیسری گول میز کانفرنس (۱۷ نومبر کے روز) منعقد ہونے والی تھی' جس کے لئے علامہ ایک ماہ پیشتر' یعنی ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو لاہور سے روانہ ہو گئے تھے (دیکھئے "سرگذشت اقبال" از ڈاکٹر عبدالسلام خورشید' مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان' لاہور۔ ۱۹۷۷ء' ص ۴۰۸)۔ یہ وہاں درج نہیں کہ آیا وہ رستے میں دلی رکے یا نہیں۔ واپسی پر علامہ لندن سے ۳۰ دسمبر ۱۹۳۲ء کو پیرس کے رستے ہسپانیہ روانہ ہوئے۔ پھر دوبارہ لندن سے وینس ہوتے ہوئے (جہاں انہوں نے ۱۰ فروری ۱۹۳۳ء کو بحری جہاز "کونتے وردی = نواب وردی" پکڑا)' وہ ۲۲ فروری کی صبح کو بمبئی پہنچے' اور وہاں سے ٹرین کے ذریعے ۲۵ فروری ۱۹۳۳ء کو لاہور پہنچ گئے۔ ہاں' اس سے تقریباً" ایک سال پیشتر' دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے علامہ لاہور سے ۸ ستمبر ۱۹۳۱ء کو شام کی ٹرین سے روانہ ہوئے تھے' اور رستے میں دلی رکے ضرور تھے' مگر صرف چند گھنٹوں کے لئے' یعنی ۹ ستمبر ۱۹۳۱ء کی صبح کے ساڑھے دس بجے سے شام کے آٹھ بجے تک' جس کے بعد وہ بمبئی روانہ ہو گئے (اور ۱۰ ستمبر کی شام کو عطیہ فیضی کے یہاں ان کے اعزاز میں ایک Tea Party ہوئی)۔ واپسی پر لندن سے ۲۱ نومبر ۱۹۳۱ء کو روانہ ہو کر وہ براہ پیرس و روم و مصر وغیرہ ۲۸ دسمبر کو بمبئی پہنچے' جہاں بیگم عطیہ فیضی نے پھر ان کے اعزاز میں ایک دعوت کا اہتمام کیا تھا' مختصر قیام کے بعد وہ اسی شام ٹرین سے لاہور روانہ ہو گئے' جہاں وہ ۳۰ دسمبر کی صبح کو پہنچے (دیکھئے "سفرنامہ اقبال" از محمد حمزہ فاروقی' مطبوعہ مکتبہ معیار' کراچی' ۱۹۷۳ء)۔ چنانچہ میرے خیال میں تاریخوں کے بارے میں ا ئین اسٹیفنز صاحب کو کچھ تسامح ہوا ہے۔ مزید برآں' اگر علامہ انہی دنوں گول میز کانفرنس کی سرگرمیوں میں مصروف ہوتے تو ا ئین صاحب ایک صحافی کی حیثیت سے اس شام دہلی میں ضرور ان کے بارے میں علامہ سے بات چیت کرتے۔ (درانی' برمنگھم' ۲۵ فروری ۱۹۹۶ء)

پس تحریر مکرر: "انوار اقبال" (مرتبہ بشیر احمد ڈار' مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان۔ طبع دوم' لاہور ۱۹۷۷ء' ص ۹۹) کے فٹ نوٹ میں ڈار صاحب لکھتے ہیں کہ "اس زمانے میں (یعنی ۱۹۳۲ء کے اطراف) آل انڈیا مسلم

کانفرنس..... (میں) اقبال پہلے اس کی مجلس عاملہ کے رکن تھے' پھر صدر بن گئے تھے۔ اس کے اجلاس میں شرکت کے لئے (وہ) وقتاً" فوقتاً" دہلی جایا کرتے تھے"۔ اسی طرح' "زندہ رود" کی جلد سوم (مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز' لاہور ۱۹۸۴ء) میں اس کے مصنف ڈاکٹر جاوید اقبال لکھتے ہیں کہ "۱۸ مارچ ۱۹۳۳ء کو اقبال' ڈاکٹر انصاری کی دعوت پر جامعہ ملیہ میں روئف ہے کے دو خطبوں کی صدارت کے لئے دہلی بھیجیں..... اور ۲۱ مارچ کو اقبال دہلی سے واپس لاہو آئے۔ لیکن ۵ اپریل ۱۹۳۳ء کی صبح کو پھر دہلی پہنچے..... (جہاں) شام کو سید ذاکر حسین کی صدارت میں انھوں نے جامعہ ملیہ میں "لندن سے غرناطہ تک" کے موضوع پر لیکچر دیا..... (وہاں سے) اقبال ۷ اپریل ۱۹۳۳ء کو لاہور روانہ ہو گئے"۔ (ص ۵۰۵ تا ۵۰۷ کتاب مذکورہ)۔ چنانچہ ہو سکتا ہے کہ اسپیعر صاحب والی محفل علامہ کے انھی دوروں میں سے کسی ایک کے دوران وو پذیر ہوئی ہو۔ (درانی' برمنگھم' ۲۶ جون ۱۹۹۶ء)

۷ ۔ ٹرمپنگٹن اسٹریٹ (Trumpington Street) کیمبرج شہر کے جنوب میں واقع ہے' اور اس کے سرے پر یونیورسٹی کا مشہور متحف Fitzwilliam Museum واقع ہے' جو مصری آثار و نوادر کے لئے بالخصوص شہرت رکھتا ہے۔ اسپیعر صاحب نے اپنے مضمون میں اسے Trumpington Road لکھا ہے۔ شاید ان دنوں اس کا وہی نام ہوتا ہو۔ یا شاید "روڈ" اسٹریٹ سے ذرا پرے ہوتی ہو۔

۸ ۔ Porters Lodge کیمبرج (اور آکسفورڈ) کے ہر کالج کے باب داخلہ میں واقع ہوتا ہے۔ جہاں کالج کے فیلوز اور طالب علموں کی ڈاک جمع ہوتی ہے' نیز زائرین کو کالج کے بارے میں معلومات مہیا کی جاتی ہیں۔ رات کو کالج کا صدر دروازہ بند کرنے کی ذمہ داری بھی کالج کے پورٹرز یا محافظین کے سر ہوتی ہے۔ میرے زمانے میں طالب علموں کو رات کے دس بجے سے پہلے پہلے کالج کے اندر ہونا پڑتا تھا' ورنہ جرمانہ ہوتا تھا (دو کئی صدیوں سے "آنا" ایک دو پنی یا یوں سمجھئے ایک دو آنے مقرر تھا)' اور صبح کو اپنے ٹیوٹر کے سامنے حاضر ہو کر وجہ بیان کرنی پڑتی تھی۔ اب کہ زمانہ بہت کھلا ڈلا ہو گیا ہے' داخلے کی حد بڑھا کر رات کے دو بجے کر دی گئی ہے۔ باب داخلہ کے بند ہونے کے بعد بہت سے طلبہ دیوار پھاند کر اندر آیا کرتے تھے' اور یہ Climbing In خاصے تفاخر کی بات سمجھی جاتی تھی!

۹ ۔ یہ راقم الحروف یعنی مترجم کا کالج ہے' جو کنگز اور ٹرنٹی کالجوں کے درمیان واقع ہے' اور یونیورسٹی کا چوتھا قدیم ترین کالج ہے (موسسہ ۱۳۴۸ء)۔ اس کے بانی Dr John Keys نے طب کی تعلیم اٹلی کی مشہور یونیورسٹی Padua سے پائی تھی' اس لئے انھوں نے اپنے نام کے ہجے اطالوی بنا لئے' یعنی Caius۔ اگرچہ اس نام کا

تلفظ "کیز" ہی کیا جاتا ہے۔

۱۰۔ یاد رہے کہ یہ وہی پروفیسر سورلی ہیں جن کا ذکر شیخ عبدالقادر (سابق مدیر "مخزن") نے "سارلی" کے نام سے "بانگ درا" کے دیباچے میں کیا ہے۔ جہاں وہ لکھتے ہیں : "اقبال کو اپنی علمی منازل طے کرنے میں اچھے اچھے رہبر ملے۔ اور بڑے بڑے علما سے سابقہ پڑا۔ ان لوگوں میں کیمبرج یونیورسٹی کے ڈاکٹر میک ٹیگرٹ براؤن۔ نکلسن اور سارلی قابل ذکر ہیں"۔

۱۱۔ کنگز کالج کا Chapel یا کلیسائے صغیر' ندرت و جمال و رعنائی تعمیر میں دنیا کے حسین ترین گرجوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے دل افروز منقش زجاجی دریچوں (Stained glass windows) کی نظیر فرانس کے چند ایک گرجوں کے علاوہ.... مثلاً پیرس میں La Ste. Chapelle کا کلیسائے صغیر' اور شارتروز کا کلیسائے کبیر' یعنی Chartreuse Cathedral ..... کہیں اور مجھے نظر نہیں آئی۔ اور اس کی چھت پر لانبے ستونوں سے پھوٹتے ہوئے' جو ہسپانوی یا جاپانی پنکھوں کے سے مور چنور کی طرح پکر کھاتے اور لہراتے ہوئے (fluting) نقش و نگار اور نازک آرائشی کمانیں بنائی گئی ہیں' وہ لاجواب ہیں' اور میر کے اس شعر کی یاد دلاتی ہیں :

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

۱۲۔ High Table کیمبرج (اور آکسفورڈ) کے ڈائننگ ہالوں میں کمرے کی باقی سطح سے کچھ اونچی کرسی پر واقع' لکڑی کی لمبی اور چوڑی میزیں ہوتی ہیں' جو ہال کے ایک سرے پر دیوار تا دیوار پھیلی ہوتی ہیں۔ ان میزوں کے گرد کالج کے اساتذہ اور فیلوز کی نشستیں لگتی ہیں' جبکہ باقی ہال میں (قدیم لکڑی کی طویل میزوں کے اطراف) طلبہ کھانا کھاتے ہیں۔ استعارتاً "ہائی ٹیبل" سے مراد کالج کے اساتذہ' لی جاتی ہے۔

درانی

مورخہ ۳۱ دسمبر ۱۹۹۳ء و کیم جنوری ۱۹۹۴ء

ہوہن لمبرگ' جرمنی

نوٹ از مترجم : مضمون کا یہ ترجمہ' اور اس کے آخر میں دیے گئے "حواشی" بزم اقبال لاہور کے مجلّے "اقبال" کے شمارے بابت اپریل ۱۹۹۵ء (جلد ۴۲' ص ۷۷-۸۷) میں شائع ہوئے تھے۔ حالانکہ یہ مواد بزم اقبال کے زیر ادارت طبع ہونے والی میری کتاب "نوادر اقبال یورپ میں" کے ضمیمے کے طور سے وہاں داخل دفتر کیا گیا تھا۔ اب مذکورہ کتاب اقبال اکادمی پاکستان کے یہاں سے اشاعت کے آخری مرحلوں میں ہے۔

"اقبال یورپ میں" کے ساتھ مصنف مضمون' جناب ائین استیفنز' کے گہرے تعلق خاطر کے پیش نظر اب یہ مضمون اس کتاب کی طبع ثانی میں شامل کیا جا رہا ہے (درانی- فرائی برگ' جرمنی ۱۱ اگست ۱۹۹۵ء)

پس تحریر: میری مذکورہ کتاب بالآخر' اور بعد از خرابی بسیار' اقبال اکادمی پاکستان کے یہاں سے بروز ۹ نومبر ۱۹۹۵ء شائع ہو گئی' مگر اس میں یہ ضمیمہ (یعنی یہ مترجمہ مضمون) شامل نہیں ہے- ہاں' دسمبر ۱۹۹۵ء کے وسط میں میں ایک سائنس کانفرنس کے سلسلے میں اتفاق سے دہلی میں تھا' جہاں اس کتاب کا ایک نسخہ کسی نہ کسی طرح اردو اکیڈیمی دہلی کے نئے معتمد' جناب ڈاکٹر سید صادق علی' نے حاصل کر لیا' اور وہیں میں نے اسے پہلی مرتبہ دیکھا- (اور ۱۹ دسمبر ۱۹۹۵ء کو اس کتاب کی "رسم رونمائی" دہلی اکیڈیمی ہی میں پروفیسر گوپی چند نارنگ کے زیر صدارت طے پائی)- مگر اس سے ایک روز پہلے میرے اعزاز میں پروفیسر جگن ناتھ آزاد صاحب اور ڈاکٹر خلیق انجم صاحب کے زیر اہتمام انجمن ترقی اردو (ہند) کی جانب سے (جن کے یہ دو اصحاب علی الترتیب صدر اور معتمد ہیں) میرے اعزاز میں ایک جلسہ ہوا- جس میں دہلی کے دیگر ممتاز دانشوروں کے علاوہ خواجہ حسن نظامی مرحوم کے برگزیدہ فرزند' جناب خواجہ حسن نظامی ثانی' بھی موجود تھے- چنانچہ موقعے کی مناسبت سے میں نے جلسے کا آغاز جناب ائین استیفنز کے مضمون کے اسی ترجمے سے کیا' چونکہ اس کی پیشکش کے لئے اس سے بہتر ماحول اور سامعین کا تصور نہیں کیا جا سکتا- بعد ازآں دہلی کی منتخب اور زرق برق ادبی ہستیوں کے ساتھ' بالخصوص علامہ اقبال کے حوالے سے' بات چیت ہوتی رہی- ان علماء میں سید مظفر حسین صاحب برنی' صدر اقبال اکادمی' ہند' بھی شامل تھے' جنہوں نے از راہ قدر افزائی اس سے ایک روز پیشتر' یعنی ۱۷ دسمبر ۱۹۹۵ء کو' میرے اعزاز میں غالب انسٹی ٹیوٹ دہلی میں اقبال اکادمی کا ایک خاص جلسہ منعقد کیا تھا' جہاں میں نے "یورپ میں اقبالیات" کے موضوع پر ایک لیکچر دیا تھا- اور ان کے علاوہ جناب ڈاکٹر عبدالحق' صدر شعبہ اردو' دہلی یونیورسٹی' بھی وہاں موجود تھے' جنہوں نے ۱۹ دسمبر کو مجھے اپنے شعبے کے اساتذہ اور طلبہ سے بات چیت کے لئے مدعو کیا- (درانی' برمنگھم' ۲۹ فروری ۱۹۹۶ء)-

تصریح

ضمیمہ جات نمبر ۳ و ۴ روزنامہ "جنگ" لندن کی خصوصی اشاعت مورخہ جمعرات ۲۲ جون ۱۹۷۸ء سے لئے گئے ہیں۔ اس اشاعت کا بہرۂ مضامین (جس میں موجودہ کتاب کا چوتھا مضمون "علامہ اقبال اور کیمبرج یونیورسٹی" بھی شامل تھا) کیمبرج میں علامہ اقبال کی قیام گاہ 17 Portugal Place پر ثبت انتسابی تختی کی رسم رونمائی کی تقریب سے جناب یحییٰ سید نے، جو ان دنوں "جنگ" لندن کے فیچرز ایڈیٹر (مدیر مضامین خصوصی) تھے، ترتیب دیا تھا۔ اسٹیفنز صاحب کے مضمون کا ترجمہ بھی سید صاحب موصوف ہی نے کیا تھا۔

(دُرّانی)

مشہور مورخ اور صحافی جناب آئین اسٹیفنز (Ian Stephens) جو تقسیم ہند سے قبل اسٹیٹسمین (The Statesman) کلکتہ و دہلی کے مدیر اعلیٰ تھے۔ وہ پاکستان اور ہندوستان سے متعلق کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ انہوں نے اقبال صدی کی تقریبات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور موجودہ کتاب کے مصنف کی کئی طرح سے مدد اور رہنمائی کی۔ وہ بروز ۲۸ مارچ ۱۹۸۳ء اکیاسی برس کی عمر میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

ضمیمہ: ۳

کیمبرج میں اقبال کی یادگاری تختی[۱]

از: اِئین اسٹیفنز Ian Stephens[۲]

اقبال کی صد سالہ تقریبات سے میرا تعلق بین الاقوامی شہرت یافتہ ماہر طبعیات ڈاکٹر سعید اختر درانی کی وجہ سے ہوا جو برمنگھم یونیورسٹی میں استاد ہیں۔ ہماری دوستی سنہ پچاس تا ساٹھ کے عشرے میں اس وقت شروع ہوئی جب ڈاکٹر درانی کیمبرج میں انڈر گریجویٹ تھے[۳] اور میں کنگز کالج کا ریزیڈنٹ بیچلر فیلو تھا۔ ۱۹۷۷ء کے وسط میں جب علامہ اقبال کی صد سالہ تقریبات منانے کی تیاریاں شروع ہوئیں تو سعید نے ٹرنٹی کالج لائبریری سے معلومات حاصل کر کے کیمبرج کے ان تین مکانوں کا پتا چلایا جہاں علامہ مرحوم طالب علم کی حیثیت سے مقیم رہے[۴]۔ جب وہ ٹرنٹی کالج میں ۱۹۰۵-۰۶ء میں مشہور فلسفی میک ٹیگریٹ Mc Taggart کے زیر نگرانی فلسفہ کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔

سعید کو اس کا بھی علم تھا کہ ۱۹۳۰ء کے عشرے کے اوائل میں جب میں دہلی میں تھا تو میری ایک مختصر ملاقات علامہ اقبال سے ہوئی تھی اور اسی کے بعد سے مجھے تخیل پاکستان سے دلچسپی شروع ہوئی۔ (پس تحریر: دیکھئے ضمیمہ نمبر ۲)۔

اقبال کی صد سالہ تقریبات کے متعلق سعید کا خط ملنے کے چند ہفتوں کے بعد

ٹرنٹی کالج کے خزانچی (Bursar) ڈاکٹر بریڈ فیڈ (Dr J.R.G. Bradfield) اور میں نے اس خیال سے کہ تقریبات کے دوران شاید اس مکان کی تصویروں کی ضرورت پڑے جہاں طالب علم کی حیثیت سے علامہ مرحوم رہے تھے' علیحدہ علیحدہ جا کر ان تینوں مکان کا معائنہ کیا۔ ۱۹۳۰ء کے اوائل میں کیمبرج شہر میں ٹریفک کے مسائل اور دوسری تبدیلیوں کے باعث ان میں سے دو مکانوں کی موجودہ ہیئت جس میں طالب علم اقبال رہتے تھے کچھ خراب ہو چکی ہے۔ مگر تیسرا مکان جس میں علامہ مرحوم قیام پذیر تھے ایک خوشنما علاقے میں ہے۔ اتفاقاً" میں روزانہ اپنے مکان واقع ہارٹ فورڈ اسٹریٹ (نمبر ۴۹۔ درانی) سے کنگز کالج جاتے ہوئے ادھر سے گذرتا ہوں۔ ہارٹ فورڈ اسٹریٹ کی پہاڑی کے نیچے پہنچ کر اگر آپ بائیں جانب مڑیں اور دریائے کیم (Cam) کو پل سے پار کر کے جیسس گرین (Jesus Green) کے کشادہ سبز مرغزار سے گزریں' جس کے چاروں طرف بڑے بڑے درخت ہیں' تو برج اسٹریٹ (Bridge Street) تک جانے کے لئے سامنے چند مختلف راہیں آتی ہیں۔ ان راستوں میں سے ایک حسین پختہ راستہ پرتگال پلیس (Portugal Place) ہے' جس کو صرف پیدل چلنے والے ہی استعمال کر سکتے ہیں۔ اور اسی پرتگال پلیس کے ۱۷ نمبر والے مکان میں علامہ اقبال ۶-۱۹۰۵ء میں بحیثیت طالب علم مقیم تھے۔

۲۴ نومبر ۱۹۷۷ء کو جب میں پرتگال پلیس سے گذر رہا تھا تو اچانک مجھے یہ خیال آیا کہ کیمبرج کی سٹی کونسل (City Council) کو یہ مشورہ کیوں نہ دیا جائے کہ وہ نمبر ۱۷ پرتگال پلیس کے باہر اقبال کی ایک یادگاری تختی لگائے۔ کیمبرج میں اس طرح کی یادگاری تختیاں موجود ہیں۔ مثلاً چند کنگز پریڈ (King's Parade) میں (اسٹیفنز صاحب کے اپنے) کنگز کالج کے تقریباً" سامنے ہی ایک مکان پر لگی ہوئی ہیں۔ ان میں ایک' نمبر ۱۱ کنگز پریڈ میں چارلس لیمب (Charles Lamb) کی' اور دوسری' نمبر ۱۹ کنگز پریڈ میں ایڈورڈ فٹز جیرالڈ (Edward Fitzgerald) کی یاد میں ہے۔ ان کے علاوہ ٹرمپنگٹن اسٹریٹ (Trumpington Street) میں بھی چارلس ڈارون (Charles Darwin) کی یاد میں ایک تختی لگی ہوئی ہے۔ اور کرائسٹس

کالج (Christ's College) کے اطراف میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں' جن سے مشہور انگریز شاعر و فلسفی ملٹن کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ ملٹن نے بھی اقبال کی طرح ایک ایسی (پرجوش۔ درانی) زبان میں چیزیں لکھی ہیں جس نے سیاست کو متاثر کیا تھا۔

اُسی روز میں کیمبرج کی سٹی لائبریری میں گیا اور وہاں یہ معلوم کیا کہ اقبال کی یادگاری تختی کے لئے کس شخص سے بات چیت کرنا مناسب ہوگا۔ اور یہ معلومات حاصل کرنے کے بعد فوراً" ہی میں نے مسٹر این۔ ہیلاول (N. Hellawell) کو' جو کیمبرج کے سٹی آرکیٹکٹس اور پلاننگ آفس (City Architect's and Planning Office) میں کنزرویشن اور انوائرنمنٹ ڈیزائین آفیسر (افسر محکمہ تحفظ اور ماحولیات) ہیں' گلڈ ہال کے پتے پر مندرجہ ذیل خط لکھا۔

"ڈیر سر'

پاکستان کے فلسفی شاعر علامہ سر محمد اقبال ایک سو سال قبل پیدا ہوئے تھے' اور ان کی ولادت کی یاد میں نہ صرف پاکستان بلکہ برطانیہ میں بھی تقریبات ہو رہی ہیں۔ اور یہ تقریبات لندن' برمنگھم اور کیمبرج کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی قرار پا رہی ہیں۔ اس سلسلے میں ایک بڑی تقریب گذشتہ ہفتے' سنیچر ۱۹ نومبر ۱۹۷۷ء کو' کیمبرج یونیورسٹی کی اورینٹل اسٹڈیز فیکلٹی (Faculty of Oriental Studies) میں' جو سِج وِک ایوینیو (Sidgwick Avenue) میں ہے' منعقد ہوئی تھی۵۔

پہلی جنگ عظیم سے قبل اقبال ٹرنٹی کالج میں ریسرچ اسٹوڈنٹ۶۔ تھے۔ اور جہاں تک مجھے علم ہے ان دنوں کچھ مدت کے لئے وہ نمبر ۱۷ پرتگال پلیس میں مقیم تھے۔

آج صبح اس خوبصورت مکان کے پاس سے گذرتے ہوئے مجھے یہ خیال آیا کہ شاید کیمبرج شہر کی انتظامیہ اس مکان کے موجودہ مالک (یا مالکہ) سے اس امر کی اجازت طلب کرے کہ اس مکان کے باہر' کسی ایسی جگہ پر جو بہ آسانی نظر آ سکے' وہ ایک یادگاری تختی نصب کرنے پر آمادہ ہو سکیں۔

اگر ایسا ممکن ہوا تو یہ یادگاری تختی کیمبرج آنے والے نہ صرف ایشیائی بلکہ

دوسرے سیاحوں کے لئے بھی باعث مسرت ہو گی۔ اور اس کے علاوہ یہ یادگاری تختی کیمبرج شہر کی مزید دلچسپی اور مقبولیت کا باعث ہو گی۔ اس پر کوئی زیادہ خرچ بھی نہیں آئے گا۔ مجھے امید ہے کہ اگر ایسا کرنا ممکن ہوا تو سفارت خانۂ پاکستان لندن اس کی اطلاع ضرور اپنی حکومت کو اسلام آباد کرے گا۔

آپ کا خیر اندیش

ائمین اسٹیفنز"

یہ خط لکھنے میں شاید میں نے عجلت سے کام لیا۔ میں نے کسی سے نہ مشورہ کیا تھا اور نہ ہی کسی سے مدد طلب کی تھی۔ مگر تحقیقات سے یہ بات ضرور عیاں ہو چکی تھی کہ ان تین رہائشی مکانوں میں سے' جہاں علامہ اقبال اپنے طالب علمی کے دور میں کیمبرج میں مقیم رہے تھے' نمبر ۱۷ پرتگال پلیس سب سے زیادہ خوشنما مکان ہے' اور جو اس عظیم شاعر کی یادگاری تختی لگنے کی سعادت حاصل کر سکتا ہے۔ دوسرے دونو مکان ے۔ (پہلا واقع کاسل ہل جو سینٹ لوکس (St. Lukes) چرچ کے ذرا اوپر ہے' اور دوسرا جو دور دراز ہنٹنگڈن Huntingdon)روڈ میں ہے) نہ صرف بدنما ہیں بلکہ وہاں پہنچنا بھی دشوار ہے۔

مسٹر ہیلاول کو خط لکھنے کے دو ہی دن بعد ایک اور عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ میں کنگز کالج سے واپس اپنے گھر ہارٹ فورڈ اسٹریٹ جا رہا تھا' اور جب پرتگال پلیس سے حسب معمول گذرا تو وہاں مجھے یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ نمبر ۱۷ پرتگال پلیس کے باہر ایک تختی آویزاں ہے جس پر لکھا تھا کہ اس مکان کو ایک مقامی اسٹیٹ ایجنٹ (وکیلِ املاک) میسرز جنوری نے فروخت کیا ہے۔ صرف یہی نہیں ہوا۔ میں ابھی اس حیرت انگیز واقعہ سے پوری طرح سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ اس مکان کا دروازہ کھلا اور کچھ چیزیں لیے ایک نوجوان جوڑا باہر نکلا۔ میں نے ان سے گفتگو کرنے کی ہمت کی' اور انہیں ان کے مکان میں اپنی دلچسپی کی وجہ بتائی۔ یہ شادی شدہ جوڑا جس کا تعلق تعلیمی میدان سے تھا کیمبرج چھوڑ کر اپنی ملازمت پر امریکہ جا رہا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ انہیں میسرز جنوری سے معلوم ہوا ہے کہ یہ مکان کسی ایسے شخص نے

خریدا ہے جس کا تعلق کیمبرج یونیورسٹی سے ہے-۸۔

اس کے بعد مسٹر ہیلاول کا ایک خلیقانہ خط مجھے ملا' جس میں انہوں نے کسی قسم کا وعدہ کرنے سے احتراز کیا تھا- اب یہ معاملہ میرے ہاتھ سے نکل چکا تھا- میں نے ٹرنٹی کالج کے خزانچی ڈاکٹر بریڈ فیلڈ کو ۱۷ پرتگال پلیس کے متعلق تمام تفصیلات سے ضرور آگاہ کردیا تھا- انہوں نے بھی اپنے طور پر اور ٹرنٹی کالج کی طرف سے کیمبرج کی سٹی کونسل سے کسی اور ذریعہ سے رابطہ قائم کیا تھا- اس دوران سفارت خانہ پاکستان کی حمایت بھی حاصل کی جا چکی تھی جس کا نتیجہ یادگاری تختی کی انتسابی تقریب ہے' جو ۲۲ جون (۱۹۷۸ء) کو ہو رہی ہے- اس سلسلے میں ٹرنٹی کالج کے ہال میں ایک استقبالیہ دیا جا رہا ہے جس کی صدارت لارڈ بٹلر کریں گے۔

یادگاری تختی کے سلسلے میں جس نے سب سے زیادہ اہم اور تحقیقاتی کام کیا ہے تو وہ ڈاکٹر درانی ہیں' کیونکہ انہوں نے ٹرنٹی کالج کے رجسٹر داخلہ میں ٹرنٹی کالج لائبریرین کے انچارج ڈاکٹر فلپ گیسکل (Dr Philip Gaskell) کے تعاون سے اس مکان کا سراغ لگایا جہاں اقبال مقیم تھے- جہاں تک مجھے علم ہے ٹرنٹی کالج کے رجسٹر داخلہ میں نمبر ۱۷ پرتگال پلیس کا پتا اقبال کے اپنے ہاتھوں سے درج ہے-۹۔

اس سلسلے میں ایک اور دلچسپ واقعہ پیش آیا- ۲۹ مئی (۱۹۷۸ء) کو بنک ہالیڈے تھی- اس روز جب میں اپنے کالج سے اپنے گھر لوٹ رہا تھا تو میں نے نمبر ۱۷ پرتگال پلیس کے باہر مچان لگی دیکھی- دو شخص اس پر چڑھے کام کر رہے تھے- اور مجھے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ ان میں سے ایک شخص (جن سے مجھے' یعنی راقم مضمونِ ہٰذا کو' واقفیت ہے- نوٹ از درانی) مسٹر ہولک (Mr Hollick) تھے جو یادگاری تختی کے ڈیزائنر ہیں- ۲۲ جون ۱۹۷۸ء کو ہونے والی انتسابی تقریب کی تیاریاں مکمل کی جا رہی تھیں!

مجھے اس احساس سے بہت سکون ہوا کہ جس شخص کے ذہن میں یادگاری تختی لگانے کا سب سے پہلے خیال آیا تھا وہ عین اس روز اس مقام پر موجود تھا جب اس کا خیال پایۂ تکمیل کو پہنچ رہا تھا-

۲۲ جون کو استقبالیہ سے پہلے صرف چار افراد' جن میں سفیر پاکستان' کیمبرج کے ممبر پارلیمنٹ اور دو اور لوگ شامل ہوں گے' انتسابی تقریب میں موجود ہوں گے'۱۰۔ کیونکہ چند آدمیوں سے زیادہ کی جگہ پرتگال پلیس میں نہیں ہے۔ وہاں صرف پیدل چل کر ہی پہنچا جا سکتا ہے۔ معزز مہمان ٹرنٹی کالج سے نکل کر سینٹ جانز کالج سے ہوتے ہوئے برج اسٹریٹ (Bridge Street) کو پار کریں گے اور (ماڈلین برج (Magdalene Bridge) کی جانب چلتے ہوئے۔ درانی) نارمن بریڈلے (Norman Bradley) کی گروی رکھنے والی دکان کے اوپر لٹکے ہوئے روایتی تین سنہرے گولوں کے نیچے سے گذر کر (اقبال کے زمانے میں آج جہاں چیزیں گروی رکھنے والے کی دکان ہے وہاں ایک درزی کی دکان ہوتی تھی) جب معزز مہمان دائیں جانب مڑیں گے تو پرتگال پلیس میں پہنچ جائیں گے۔ ان کے دائیں ہاتھ کو سینٹ کلیمنٹس (St Clements) کا گرجا ہوگا۔۱۱۔ جو آج خستہ حالت میں ہے۔ اس مقام کے بعد پرتگال پلیس وہاں ذرا چوڑی ہو جاتی ہے جس جگہ پر جیک کارٹر (Jack Carter) کی دکان ہے' جہاں آپ کو یونیورسٹی کی ضروریات کی چیزیں' مثلاً "کیپ' گاؤن' بینڈ" جمز وغیرہ کرائے پر مل سکتے ہیں۔ اس سے گذرنے کے بعد پرتگال پلیس کا تنگ ترین حصہ آتا ہے جہاں نمبر ۱۷ ہے' جس پر سفید اور نیلا ۱۲۔ تازہ رنگ کیا ہوا ہے۔ اس چھوٹے سے مکان کی باہر کی دیوار پر اقبال کی یادگاری تختی لگی ہے۔

جب میں نے اس یادگاری تختی کو پہلی بار ۲۹ مئی (۱۹۷۸ء) کو دیکھا تھا تو اس وقت مجھے اس بات پر افسوس ہوا تھا کہ تختی پر جگہ کی تنگی کی وجہ سے اقبال کے نام کے ساتھ ان کا خطاب "سر" نہیں لکھا جا سکا' کیونکہ ان کے نام کے ساتھ ان کے خطاب "سر" کو شامل کرنے سے تختی کا تناسب ختم ہو جاتا۔ مگر میرا خیال ہے کہ اگر اقبال کے نام کے ساتھ ان کا برطانوی خطاب بھی لکھ دیا جاتا تو اس کی وجہ سے اقبال کے نام سے ناواقف جاہل (یعنی بے خبر۔ درانی) انگریز شاید ان سے زیادہ قربت محسوس کرتے۔

(جنگ' لندن۔ ۲۲ جون ۱۹۷۸ء)

حواشی

۱۔ مضمون کا یہ ترجمہ یحییٰ سید کا کیا ہوا ہے، جو ان دنوں "جنگ" لندن کے فیچرز ایڈیٹر تھے۔ تصحیحات اور مزید روشنی از درانی۔

۲۔ مسٹر ائین اسٹیفنز (Ian Stephens) ۱۹۴۲ء سے ۱۹۵۱ء تک، برعظیم پاک و ہند کے مشہور انگریزی روزنامہ "دی اسٹیٹسمین" (The Statesman) کے (جو بیک وقت کلکتہ اور دہلی سے شائع ہوتا تھا) ایڈیٹر رہے۔ ۱۹۵۱ء میں کشمیر کے مسئلہ پر پنڈت نہرو سے اختلاف کی بناء پر وہ اس کی ادارت سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ ان کی تعلیم کیمبرج میں ہوئی جہاں انہوں نے ۱۹۲۰ء☆ میں کنگز کالج (King's College) سے فرسٹ کلاس آنرز کی ڈگری حاصل کی۔ اور روزنامہ "اسٹیٹسمین" کی ایڈیٹری سے علیحدہ ہونے کے بعد وہ کنگز کالج کیمبرج کے فیلو ہو گئے۔ وہ سیلون کی دو چائے کمپنیوں کے چیئرمین بھی رہ چکے ہیں۔ انہوں نے پانچ ضخیم (اور آخر الامر، چھ۔ درانی، ۱۹۹۶ء) کتابیں بھی لکھی ہیں، جن کا تعلق پاکستان اور برعظیم پاک و ہند سے ہے۔ ان کے علاوہ انہوں نے ریڈیو پر اور برطانوی اخباروں میں بے شمار مضامین نشر کئے اور لکھے ہیں۔ مسٹر اسٹیفنز کی ملاقات علامہ اقبال سے دہلی میں ۱۹۳۲ء میں ہوئی تھی۔ ۱۹۷۷ء میں اقبال کے یوم ولادت کی صد سالہ سالگرہ منائی جا رہی تھی تو برطانیہ میں منعقد ہونے والی تقریبات میں اپنے دوست ڈاکٹر سعید اختر درانی کے ایماء پر انہوں نے بہت دلچسپی لی۔ جناب اسٹیفنز صاحب کو اسلام سے بڑی عقیدت اور محبت ہے۔ (نوٹ از ادارۂ "جنگ")

پس تحریر: پاکستان کے لئے ائین اسٹیفنز صاحب کی عمر بھر کی خدمات کے پیش نظر میں نے ۱۹۸۲ء کے لگ بھگ، لندن میں سفیر پاکستان عزت مآب جناب علی ارشد صاحب مرحوم کے توسط سے حکومت پاکستان کو سفارش کی تھی کہ اسٹیفنز صاحب کو کوئی اعلیٰ قومی اعزاز، مثلاً "ہلالِ پاکستان" عطا کیا جائے۔ اور اگرچہ جناب سفیر نے اس کی تائید بھی کی، تاہم حکومت نے کوئی اقدام نہ کیا۔ اور ۱۹۸۴ء کے اوائل میں اسٹیفنز صاحب کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد میں نے ڈان کراچی میں ایک خط بھی شائع کیا، کہ غیرت مند قومیں اپنے محسنوں کو فراموش نہیں کرتیں۔ اور اب بھی چاہیے کہ ائین اسٹیفنز صاحب کو کوئی Posthumous (بعد از موت) اعزاز دیا جائے۔ لیکن حکومت پاکستان کی طرف سے: "واں ایک خاموشی تری سب کے جواب میں" (یا "خاک ہو جائیں گے ہم، تم کو خبر ہونے تک") کا سا معاملہ رہا۔ (درانی، برمنگھم، ۱۹۹۵ء)۔

☆ یہ تاریخ غالباً ۱۹۲۴ء ہونی چاہیے (دیکھیے ص ۳۲۹)۔ (درانی، ۱۸ اکتوبر ۲۰۰۲ء)۔

پس تحریر مکرر: علامہ کے ساتھ اسٹیفنز صاحب کی ملاقات کی تفصیل موجودہ کتاب کی طبع ثانی کے ضمیمہ ۲ میں درج کی جا چکی ہے۔ (درانی۔ ابوجا' نائیجیریا۔ ۱۷ ستمبر ۱۹۹۵ء)

۳۔ دراصل اس زمانے میں میں کیمبرج میں پی ایچ ڈی کا طالب علم تھا۔ اور اسٹیفنز صاحب سے میری پہلی ملاقات ۱۹۵۴ء یا ۱۹۵۵ء میں ہوئی۔ (درانی)

۴۔ اقبال کی دو قیام گاہوں کا پہلے سے علم تھا۔ میں نے صرف ۱۷ پرتگال پلیس کیمبرج کا پتا لگایا تھا۔ اگرچہ وہ تینوں پتے میں نے اسٹیفنز صاحب کو بہم پہنچا دیئے تھے۔ ان ہرسہ (۳) مکانوں کی تصویریں موجودہ کتاب کے چوتھے مضمون میں درج ہیں۔

۵۔ پس تحریر: یہی وہ تقریب ہے جس میں ائین اسٹیفنز صاحب نے وہ مضمون پڑھا تھا' جو کتاب کی طبع ثانی میں ضمیمہ نمبر ۲ کے طور پر شامل کیا جا رہا ہے۔ (درانی' برمنگھم' ۲۷ جون ۱۹۹۶ء)

۶۔ وہ دراصل Advanced Student تھے۔ (درانی)۔

۷۔ ان مکان کے پتے 10 Castle Hill اور 90 Huntingdon Road ہیں۔ میں نے ان تینوں مکانوں کی تصاویر کھینچی ہیں۔ اور یہ اس کتاب کے مضمون چہارم میں شامل ہیں۔ (درانی)

۸۔ اس مکان کی نئی مالکہ سینٹ جانس کالج کے استاذ اعظم' اور بعد ازاں کیمبرج یونیورسٹی کے وائس چانسلر' پروفیسر سر F.H. Hinsley کی بیگم صاحبہ ہیں' یعنی Lady Hillary Brett Hinsley۔ (درانی)

۹۔ یہ بات صحیح ہے۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے اس کتاب کا دوسرا اور چھٹا مضمون' اور ضمیمہ ۵ میں ان اندراجات کے عکوس۔ (درانی)

۱۰۔ دراصل یہ پیشین گوئی صحیح ثابت نہ ہوئی۔ تقریب رونمائی کے دوران وہاں کافی افراد کا مجمع تھا' جن میں بی بی سی ٹی وی Television Crew بھی شامل تھا۔ اگرچہ بے حد بدقسمتی سے اسی صبح جناب سفیر پاکستان کا حرکت قلب کے بند ہو جانے سے انتقال ہو گیا تھا اور وہ اس تقریب میں شامل نہ ہو سکے۔ چنانچہ ان کے بجائے لارڈ بٹلر کے بعد جوابی تقریر کا قرعۂ فال میرے نام پڑا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے اس کتاب میں میرا مضمون "کیمبرج میں علامہ اقبال کی یادگار"۔ (درانی)

پس تحریر: تقریب کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ جناب ائین اسٹیفنز صاحب اس بات سے کچھ دل گرفتہ تھے کہ اس ساری تقریب میں ان کی ان تمام کوششوں کا ذکر نہ ہونے کے برابر کیا گیا جن کی وجہ سے وہ انسانی تختی نصب کی جا رہی تھی۔ اور نہ انہیں اس موقعے پر چند الفاظ کہنے کی دعوت دی گئی۔ انہوں نے دبے لفظوں میں

مجھ سے اپنی آزردگی کا ذکر کیا تھا۔ بہرحال، امید ہے کہ اس کتاب میں درج تمام واقعات سے اس کوتاہی کی کسی حد تک تلافی ہو گئی ہوگی۔ اور "حق بحق دار رسید"۔ ہاں، حکومت پاکستان نے اسپیفرز صاحب کی ان خدمات کے اعتراف میں انہیں اقبال صدی کی مناسبت سے "تمغۂ اقبال" ضرور عطا کیا تھا۔ جس کے لئے سفارت خانہ پاکستان، لندن، کے تعلیمی اتاشی جناب نذیر احمد نے ان کی سفارش کی تھی۔ (درانی، برمنگھم، ۲۷ جون ۱۹۹۶ء)۔

۱۱۔ زمانۂ طالب علمی میں میں بھی اس گرجا کے پاس والی گلی میں کچھ عرصہ مقیم رہا۔ (درانی)

۱۲۔ پس تحریر: اب اس مکان کا رنگ سفید اور ارغوانی ہے۔ تذکرۃً بیان کرتا ہوں کہ میری چھوٹی بیٹی نادیہ گیتی آرا بھی کیمبرج میں اپنے زمانۂ تعلیم کے آخری سال میں (۹۳-۱۹۹۴ء کے دوران) علامہ اقبال کے مکان کے سامنے، اور اس سے چند ہی گز پر، نمبر ۳ پرتگال اسٹریٹ میں مقیم رہ چکی ہے۔ (درانی۔ ابوجا، نائیجیریا۔ ۱۷ ستمبر ۱۹۹۵ء)۔

ضمیمہ : ۴

برٹش میوزیم اور علامہ اقبال

یحییٰ سید

برٹش میوزیم، جہاں آج سے محض ستر سال قبل مفکرِ پاکستان اور شاعرِ مشرق علامہ اقبال بحیثیت ایک طالب علم تحقیق کر رہے تھے، وہاں علامہ کے صد سالہ جشن ولادت کے موقع پر ۶ جنوری سے ۲ اپریل ۱۹۷۸ء تک ایک بڑی نمائش منعقد ہوئی تھی۔

برٹش میوزیم کی پوری تاریخ میں اقبالیات کی نمائش کا ایک منفرد اور تاریخی مقام تھا، کیونکہ میوزیم کی طویل تاریخ میں آج تک کسی مشرقی شخصیت پر میوزیم میں خاص طور پر ایک علیحدہ نمائش نہ کی گئی تھی۔ علامہ اقبال پہلے مشرقی ہیں جن پر برٹش میوزیم نے ایک خاص نمائش کا اہتمام کرنے کی سعادت حاصل کی۔

اقبالیات پر نمائش شروع ہونے سے قبل ۵ جنوری ۱۹۷۸ء کے روز اخبار نویسوں کو برطانیہ میں اقبالیات پر اس پہلی اور منفرد نمائش کو دیکھنے کے لئے مدعو کیا گیا تھا۔ اس موقع پر میری ملاقات برٹش میوزیم کے ایک افسرِ اعلیٰ سے ہوئی تھی، جس نے مجھے بتایا کہ اس روز برٹش میوزیم ایک ایسے شخص پر ایک بڑی نمائش پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے جو آج سے صرف ۷۰ سال پہلے میوزیم میں بحیثیت طالب علم تحقیقات کرنے آیا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ کسی بھی میوزیم کی تاریخ میں ۷۰ سال

کا عرصہ اتنا طویل نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ حقیقت اقبال کی عظمت اور ان کے عالمی مقام کا ثبوت ہے کہ وہ لائبریری' جہاں ایک طالب علم تحقیقاتی کام کرنے آیا ہو' اس کے اعزاز میں ایک پوری نمائش کا اہتمام محض ۷۰ سال بعد کرے۔

اس روز مجھے پتا چلا کہ برٹش میوزیم میں قائداعظم' کارل مارکس' لینن' ٹیگور' نہرو' گاندھی اور بہت سی دیگر عظیم ہستیاں ریسرچ کی غرض سے یا پھر محض میوزیم دیکھنے آ چکی ہیں۔ مگر آج تک برٹش میوزیم میں نہ تو کارل مارکس پر' نہ لینن پر' نہ ٹیگور' گاندھی یا نہرو پر کوئی نمائش ہوئی ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ برطانیہ میں اقبال کو کس احترام' عزت اور قدر کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

چند سال قبل جب پاکستان میں اقبال کے یوم ولادت کا صد سالہ جشن منانے کا پروگرام مرتب کیا جا رہا تھا تو اس وقت برٹش میوزیم کی لائبریری میں مشرقی علوم کے سربراہ قاضی محمود الحق نے میوزیم کو اقبالیات پر ایک بھرپور اور بڑی نمائش کی تجویز پیش کی تھی' جسے میوزیم کی انتظامیہ نے فوراً" تسلیم کر لیا اور قاضی محمود الحق کو اس نمائش پر مکمل اسکیم تیار کرنے کی ہدایت کی۔ اس سلسلے میں قاضی صاحب کئی بار پاکستان بھی گئے' جہاں انہوں نے علامہ مرحوم کے صاحب زادے ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال سے کئی ملاقاتیں کیں اور ان کی اجازت سے علامہ کے وہ کاغذات اور مخطوطات دیکھے جو ٹرنکوں میں بند محفوظ تھے۔

قاضی صاحب نے جسٹس جاوید اقبال کے ساتھ مل کر ان ٹرنکوں کے کاغذات اور مخطوطات کی فہرست تیار کی جسے بعد میں حکومت پاکستان نے شائع کر دیا ہے۔ ان میں سے قاضی محمود الحق نے ۱۰۰ کے قریب نایاب و نادر چیزیں منتخب کیں' جن کی نمائش برٹش میوزیم میں اس سال ۶ جنوری تا ۲ اپریل ہوئی۔

اس نمائش میں جو نایاب اشیاء' مخطوطات' اور بیاضیں پیش کی گئی تھیں ان میں بعض کی نمائش تو اس وقت تک پاکستان میں بھی نہیں ہوئی تھی۔

قاضی محمود الحق نے اپنے نو مسلم رفیق کار مسٹر ایم آئی والے (M.I. Waley) کی مدد اور تعاون سے اس نمائش کے لئے علامہ مرحوم پر ایک تعارفی کتابچہ بھی
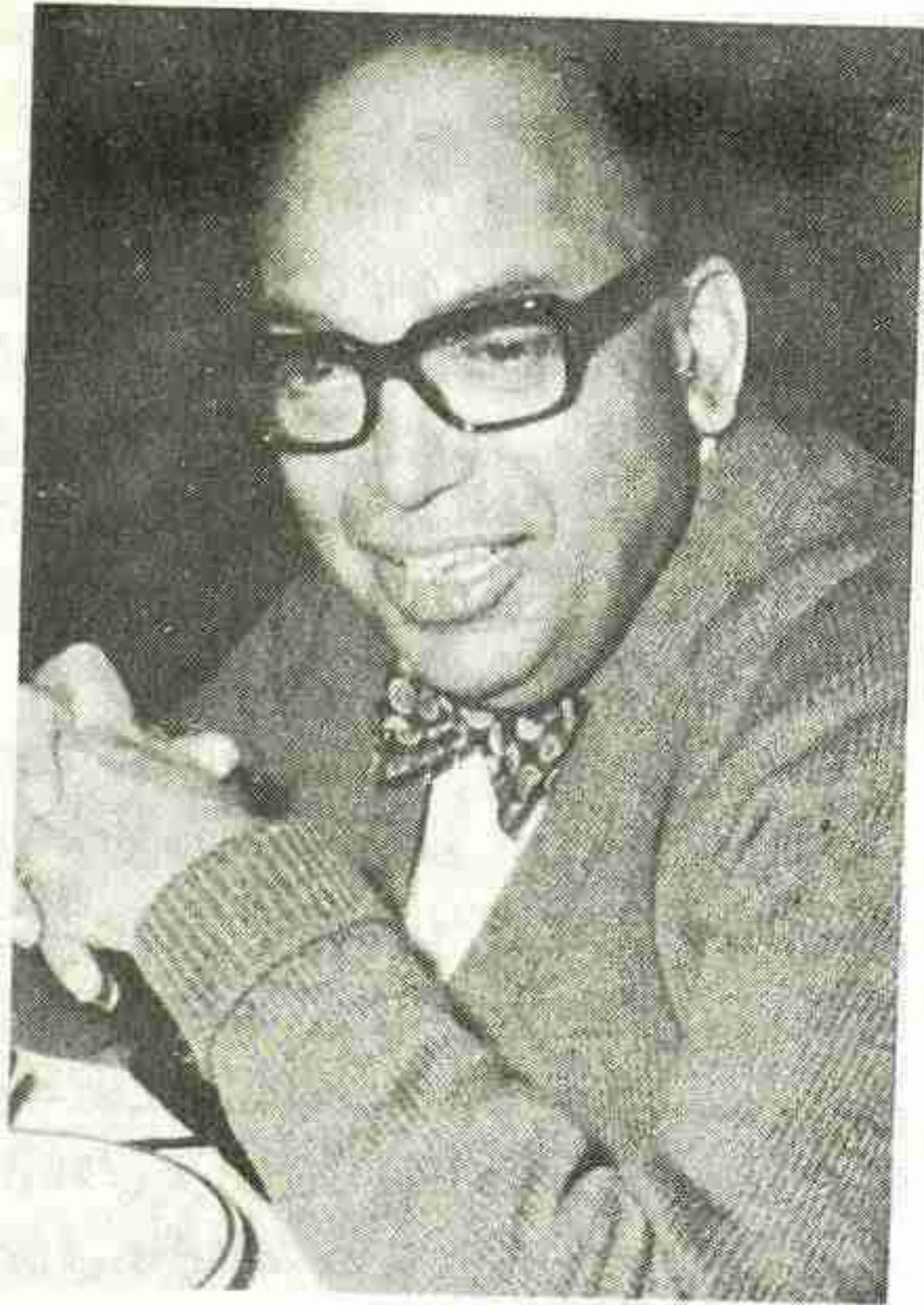
مشہور صحافی جناب یحییٰ سید' جن کا صحافتی دنیا کا تجربہ تقریباً" چالیس سال پر محیط تھا۔ ہندوستان' پاکستان اور انگلستان میں جن اخبارات کے ساتھ ان کا تعلق رہا' ان میں سے ڈان کراچی' مارننگ نیوز ڈھاکہ و کراچی' اور جنگ لندن بالخصوص قابل ذکر ہیں۔ اقبال صدی کی گہما گہمیوں کے دوران (۱۹۷۶ء تا ۱۹۷۸ء) انھوں نے جنگ لندن میں علامہ سے متعلق تقریبات و تحقیقات پر متعدد مضامین لکھوائے اور شائع کیے۔ ۲۲ مارچ ۱۹۸۳ء کے روز حرکت قلب بند ہو جانے سے' باسٹھ سال کی عمر میں' ان کا لندن میں یکایک انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(نوٹ از مصنف)

تصنیف کیا تھا' جسے برٹش لائبریری نے شائع کیا تھا۔ اس کتابچے میں قاضی محمود الحق اور مسٹر والے نے برطانوی عوام کو علامہ کی مکمل شخصیت' ان کے پیغام' اور ان کی شاعری سے متعارف کرانے کی کوشش کی تھی۔ اگرچہ انگریزی زبان کا یہ کتابچہ صرف ۳۰ صفحات پر مشتمل تھا' پھر بھی اس میں علامہ اقبال' ان کے کلام اور ان کے دواوین کے متعلق نہایت تفصیلی معلومات درج ہیں' جن سے ایک عام قاری کو شاعر مشرق کے متعلق تفصیلی معلومات ملتی ہیں۔ اور ایک عام مغربی قاری بھی علامہ مرحوم کے متعلق معلومات حاصل کر سکتا ہے۔ اس کتابچے کے آخر میں اقبال کے کلام اور ان کی شخصیت پر تمام شائع شدہ کتابوں کی ایک مکمل فہرست بھی شامل ہے' جس سے وہ لوگ استفادہ کر سکتے ہیں جنہیں اقبال کے کلام میں دلچسپی ہو۔

قاضی محمود الحق اور مسٹر والے کے اس کتابچے کی کاپیاں پاکستان سفارت خانہ لندن میں تعلیمی اتاشی مسٹر نذیر احمد نے بطور تحفہ برطانیہ' یورپ' امریکہ اور کینیڈا کی تمام اہم لائبریریوں کو بھیجی ہیں۔

برٹش میوزیم ہر سال تین نمائشوں کا اہتمام کرتا ہے۔ ان میں سے دو نمائشیں تو کسی خاص موضوع پر ہوتی ہیں' اور سال میں صرف ایک نمائش کسی خاص اور اہم شخصیت پر ہوتی ہے۔ اس سال (۱۹۷۸ء) برٹش میوزیم نے اقبال کو اپنی سالانہ نمائش کے لئے اہم شخصیت منتخب کیا تھا۔

برٹش میوزیم نے علامہ اقبال کی نمائش پر کتنی رقم صرف کی تھی' اس کا اس سے کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اقبال پر جو کتابچہ شائع ہوا ہے اس پر میوزیم کا ایک پونڈ فی کاپی خرچ آیا ہے۔ اسی طرح میوزیم نے ان پوسٹروں پر جو ان دنوں لندن کے ٹیوب اسٹیشنوں پر (پکاڈلی لائن (Piccadilly Line) پر خصوصی طور سے) چسپاں کیے گئے تھے' اور جن کی لمبائی ۳۰ انچ اور چوڑائی ۲۰ انچ تھی' ان خوشنما پوسٹروں کی طباعت اور چھپائی پر ایک پونڈ فی پوسٹر سے زیادہ لاگت آئی تھی۔

برٹش میوزیم نے لندن ٹرانسپورٹ کو ان پوسٹروں کو اسٹیشنوں پر لگانے کے لئے بارہ ہزار پونڈ ماہانہ ادا کیے تھے۔ یہ رقم جنوری سے ۲ اپریل تک ادا کی گئی تھی۔ اس

کے علاوہ اقبالیات کی نمائش دس الماریوں میں کی گئی تھی۔ ان میں سے بعض الماریاں ایسی تھیں جن میں درجۂ حرارت ایک مقررہ حد تک برابر قائم رہتا ہے' تاکہ پرانے' خستہ اور بوسیدہ کاغذات ٹمپریچر کی تبدیلی کی وجہ سے ضائع نہ ہو جائیں۔ اس قسم کی الماریوں کی قیمت ۳۰ ہزار پونڈ فی الماری تھی۔

(جنگ' لندن ۲۲ جون ۱۹۷۸ء)

ضمیمہ ۵ : دستی تحریروں اور دستاویزات وغیرہ
کے
عکس اور متون

To my friend M. Thomas

S. M. Iqbal

3rd June 1908.

"فلسفۂ عجم" کا وہ نسخہ جو اقبال نے اپنے دستخط کے ساتھ ایف ڈبلیو طامس کو پیش کیا (ص ۶۹ اور ۱۵۰)

Entry in the Trinity College, Cambridge, Admissions Book (1882-1913)

Date 1905-6	Rank.	Name.	Father's Christian Name.	Native Place.
October 1	(Advanced Student) Pensioner	Igbal,* Muhammad** (sd.) Muhammad Iqbal	Nur Muhammad (in Iqbal's hand)	Sialkot (India) (in Iqbal's hand)

Full Address of Present Residence.	School.	County of School.	Name of Head-Master of School.	Date of Birth. Month.	Year.	Tutor.	P.171
17 Portugal Place Cambridge (Iqbal's hand)	Pb. University Govt. College (Iqbal's hand)	†Punjab (Iqbal's hand)	Mr Robson (Iqbal's hand)	Muharram (Iqbal's hand)	1876 (Iqbal's hand)	Mr. Sedgwick	

* spelt with a 'g'.

** The penultimate letter changed by Iqbal from 'e' to 'a' in the entry made by the clerk.

†Pb. (?) crossed out by Iqbal, and the full word inserted.

(*Notes added by the author.*)

ٹرنٹی کالج، کیمبرج کے رجسٹر داخلہ (۱۸۸۲ء–۱۹۱۳ء) کے صفحہ ۱۷۱ پر اندراج

(دیکھیے ص ۷۳، ۱۳۳)

No.69 | Lincoln's Inn. | Shaikh Muhammad Iqbal

Certificate from the Panjab University of having passed an Examination

(sd.) W. M. Young

(Stamp for Twenty-five pounds)

Dated 4th Jan. 1900

Deposit £50

of Trinity College, Cambridge, Aged 29 years, the Second Son of Shaikh Mir* Muhammad of Sealkot,** Punjab, India, Gentleman, was Admitted into the Society of this Inn on the Sixth day of November 1905 and hath thereupon paid to the use of the said Society the sum of eight pounts twelve shillings and nine pence.

---

* This is misspelt. It should read Nur (there is a close resemblance between the two written words).

** This is misspelt. It should read Sialkot.

لنکزان، لندن کی بار بک (Bar Book) میں ٹرنٹی (یعنی تابستان) ٹرم ۱۹۰۸ء کا

اندراج نمبر ۵۳ (دیکھیے ص ۱۳۳)

No. 69 — Lincoln's Inn. Shaikh Muhammad Iqbal of Trinity College, Cambridge, Aged 29 years, the Second Son of Shaikh Mir Muhammad of Sealkot, Punjab, India, Gentleman, was Admitted into the Society of this Inn on the Sixth day of November 1905 and hath thereupon paid to the use of the said Society the sum of Eight pounds twelve shillings and nine pence.

Certificate from the Panjab University of having passed an exam [illegible]

Dated [illegible] 1900

Deposit £50

لنکنز ان کے رجسٹر داخلہ کا عکس، جس کے مطابق ۱۹۰۵ء میں علامہ کی عمر ۲۹ برس تھی (دیکھئے ص ۷۳ اور ۱۳۳)

Lincoln's Inn — Trinity Term 1908.

Proposed by Sir Frederick Pollock,
Bart.

No.52

Published to the Bar by Cecil Henry
Russell, Esq., Treasurer, on the 1st
day of July, 1908, in the presence of
The Rt: Hon: Sir Edward Fry, G.C.B.
Thomas Halhed Fischer, Esq., K.C.
John Westlake, Esq., K.C.
Graham Hastings, Esq., K.C.
Sir Edward Clarke, K.C.

(sd.) S. M. Iqbal

(Treasury stamp for
Fifty Pounds)

and

The Rt: Hon: Lord Macnaughton, G.C.M.G.
Pursuant to an order of Council
of 29th July 1908

لنکنزان کے رجسٹر داخلہ میں اقبال کے بارے میں اندراج نمبر ۲۹ (دیکھئے ص ۱۳۳)

Kl. III. 17.10.07.	**Legitimation**
Vor- und Zuname, Stand und Religion	Sheik Iqbal Muhammad [illegible]
Zeit und Ort der Geburt	10. Juli 1876 Sialkot
Heimatgemeinde	Sialkot [illegible] Punjab
Zweck des Aufenthaltes	[illegible]
Seit wann hier	15.10.07.
Bemerkungen	

Der Frau und der Kinder

Vor- und Zuname	Zeit und Ort der Geburt	Religion	Bemerkungen

Form. 108.

اقبال کی ایک نو دریافت تاریخ ولادت (دیکھیے کتاب ہذا کے باب دوم کا حاشیہ نمبر ۹، ص ۸۰-۸۱)۔ یہ تاریخ میونک کے اُس مہمان خانے کے رجسٹر میں درج ہے، جہاں علامہ ۱۵/اکتوبر ۱۹۰۷ء سے غالباً ۳/نومبر ۱۹۰۷ء تک مقیم رہے تھے۔ یعنی **Pension Thurner, 41 Schellingstrasse, Munich**۔ یہ ریکارڈ اب میونک شہر کے کاغذ خانے **(City Archives)** میں محفوظ ہے۔ اس کی یہ نقل راقم الحروف کو اس ادارے کے سررشتہ کار جناب **H-J Hecker** نے بہم پہنچائی تھی۔ تفاصیل کے لیے دیکھیے میری کتاب نوادرِ اقبال یورپ میں، مطبوعہ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور ۱۹۹۵ء۔ (درانی، ۲۰ نومبر ۲۰۰۲ء)

(L)incoln's Inn. ________ Trinity Term 1908.

No. 51

Proposed by Cecil Henry Russell Esq. Treasurer
Published to the Bar by Cecil Henry Russell, Esq., Treasurer, on the 1st day of July 1908, in the presence of
The Rt. Hon. Sir Edward Fry, G.C.B.
Thomas Rolland Fischer, Esq. K.C.
John Westlake, Esq. K.C.
Graham Hastings, Esq. K.C.
Sir Edward Clarke, K.C.
and
The Rt. Hon. Lord Macnaghten [illegible]
Pursuant to an Order of Council of 29th July 1908

No. 52

Proposed by Sir Frederick Pollock Bart
Published to the Bar by Cecil Henry Russell, Esq., Treasurer, on the 1st day of July, 1908, in the presence of
The Rt. Hon. Sir Edward Fry, G.C.B.
Thomas Rolland Fischer, Esq. K.C.
John Westlake, Esq. K.C.
Graham Hastings, Esq. K.C.
Sir Edward Clarke, K.C.
and
The Rt. Hon. Lord Macnaghten G.C.M.G.
Pursuant to an Order of Council of 29th July 1908.

S.M. Iqbal

No. 53

Proposed by Cecil Henry Russell Esq. Treasurer
Published to the Bar by Cecil Henry Russell, Esq., Treasurer, on the 1st day

لنکنز ان کے عطائے اسناد کا رجسٹر، علامہ سے متعلق صفحے کا عکس

(دیکھیے ص ۷۳ اور ۱۳۴)

Here is a problem
of arithmetic for
you. Count the
men and women who
are praying in the
mosque of Delhi.

Iqbal

Miss Nancy Arnold
28, Thornton Rd.
Wimbledon
London
(England)

نینسی آرنلڈ کے نام علامہ اقبال کے پوسٹ کارڈ کے متن اور پتے کا Transcript۔

Post Card.

The address to be written on this side.

LONDON. S.W.

Here is a problem of arithmetic for you. Count the men and women who are praying in the mosque of Delhi.

Iqbal

Miss Nancy Arnold
28, Thornton Rd.
Wimbledon
London
(England)

H. A. Mirza & Sons, Delhi.

8747

سر طامس آرنلڈ کی صاحبزادی نینسی آرنلڈ کے نام علامہ اقبال کا ایک نادر پوسٹ کارڈ۔ اس پر "انار کلی پوسٹ آفس ۵ اپریل ۱۹۰۹ء" کی مہر ہے (دیکھیے ص ۱۳۳)۔ بشکریہ ڈاکٹر لارنس بارفیلڈ۔
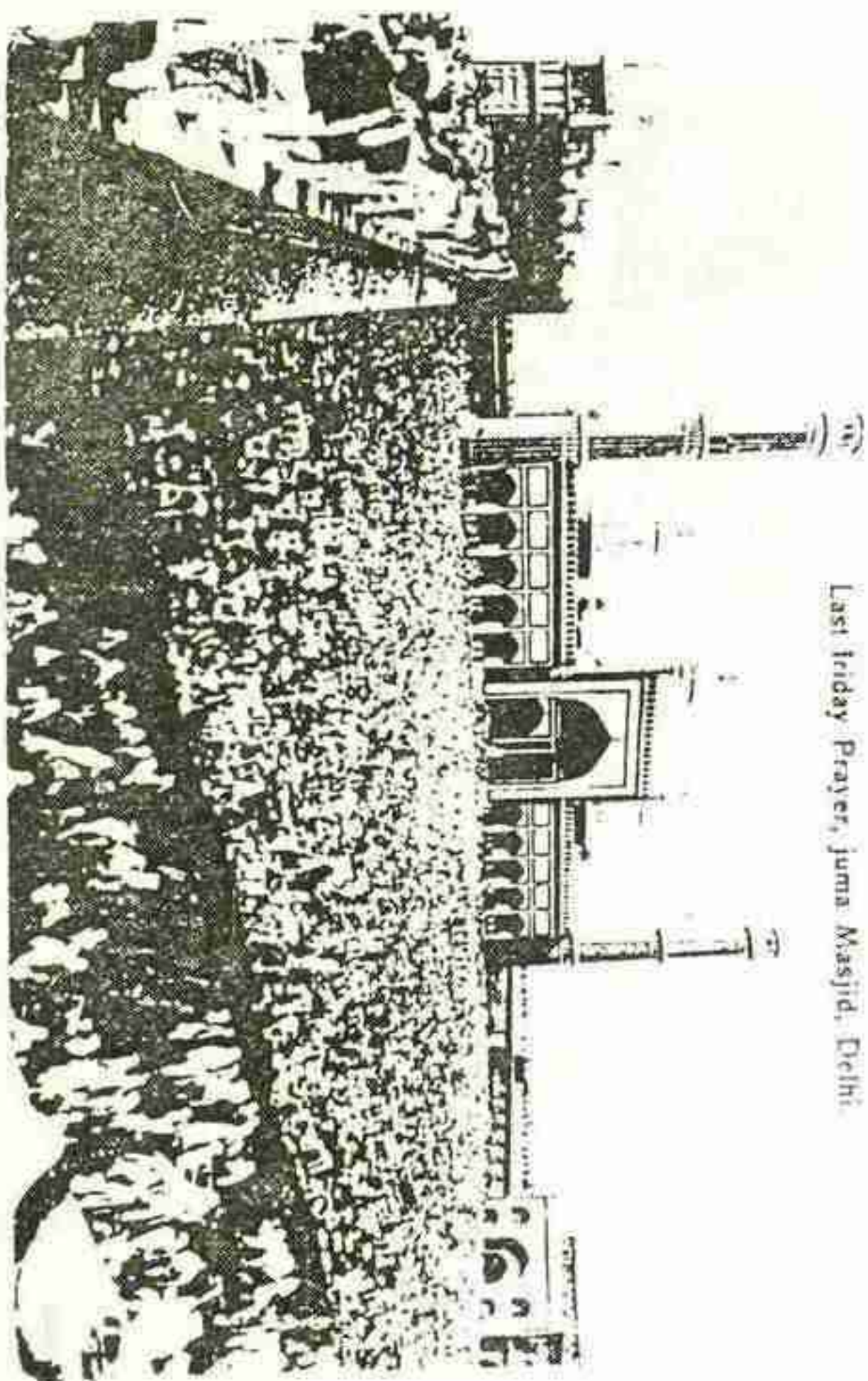
ڈیسی آرنلڈ کے نام پوسٹ کارڈ کی پشت پر طبع شدہ جامع مسجد دلی میں جمعۃ الوداع کا منظر (دیکھیے ص ۱۳۲)

Lahore

11th Jan. 1911

My dear Nancy,

Last Monday early in the morning when I was meditating over the vanities of life my servant brought me your Xmas card. You can imagine how glad I was to receive it, especially because it put me in mind of the happy days that I had spent with my Guru in England. I am indeed thankful to you for this nice present.

I suppose you are getting on well with your lessons in Botany. When I come next time to England to kiss the feet of my Guru, I hope you will educate me in the names of all the flowers that grow in the beautiful valleys of England. I still remember the Sweet=Williams, the blue bells, the tulips; so that you see that your pupil hasn't got a bad memory.
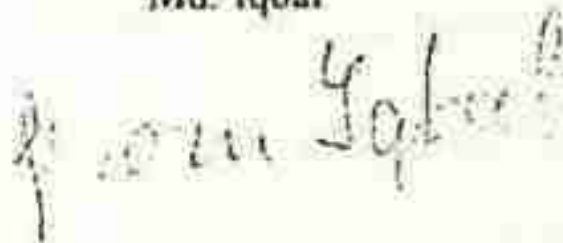
You know that my Guru is at present very busy - looking after the welfare of younger humanity - so do act a good prophet between his Divinity and the poor mortal Iqbal who is anxious to know all about him. I am sure he will not stint his revelations to you which you will communicate to me in due course.

I am afraid I must close this letter now. The little black daughter of my Sice is crying downstairs, and has been disturbing my quiet since morning. She is a perfect nuisance, but I have to tolerate her, because her father is a very dutiful servant.

Please do remember me to Father, Mother, Auntie, and Marcus if you ever write to him.

Yours Affectionately

Md. Iqbal
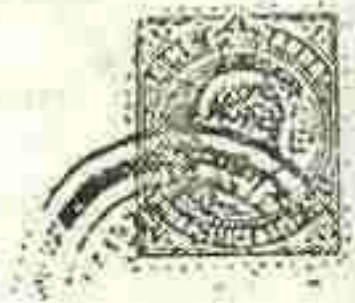
Address:
Miss Nancy Arnold
24 Launceston Place
Kensington Gate,
London W.
(England)

Miss Nancy Arnold
24 Launceston Place
Kensington Gate,
London W.
(England)

مس نینسی آرنلڈ کے نام علامہ اقبال کے خط مورخہ 11 جنوری 1911ء کے

Lahore

11th Jan. 1911

My dear Nancy,

Last monday early in the morning when I was meditating over the vanities of life my Servant brought me your Xmas card. You can imagine how glad I was to receive it, especially because it put me in mind of the happy days that I had spent with my Guru in England. I am indeed thankful to you for this nice present.

I suppose you are getting on well with your lessons in Botany. When I come next time

to England to kiss the feet of
my Guru. I hope you will
remind me in the names of
all the flowers that grow
in the beautiful valleys of
England. I still remember the
Sweet-williams, the blue bells,
the large tulips; so that you
see that your pupil has not
got a bad memory.

You know that my Guru is
at present very busy — looking
after the welfare of younger
humanity — So do act a
good prophet between his Divinity
and the poor mortal Iqbal who
is anxious to know
all about him. I am
sure he will not stint
his revelations to you which
you will communicate to
me in due course.

I am afraid I must close
this letter now. The little
black daughter of my Seis
is crying downstairs, and
has been disturbing my
quiet since morning.
She is a perfect nuisance, but
I have to tolerate her, because
her father is a very dutiful
servant.

Please do remember me to Father
McKee, Auntie and Marcus
if you ever write to him.

Yours Affectionately
Md. Iqbal

سر طامس آرنلڈ کی صاحبزادی مس نینسی آرنلڈ کے نام علامہ اقبال کے

ایک نادر خط (مورخہ ۱۱ جنوری ۱۹۱۱ء) کا عکس (دیکھیے ص ۱۳۰)۔

بہ شکریہ ڈاکٹر لارنس بار فیلڈ و ڈاکٹر وحید احمد۔

Lahore
30th Oct. 1923

My dear Sir,

Last night, at a meeting of the Punjab University Bd. of Studies in Persian we prescribed your interesting little book on Persian Literature as a part of our B.A. Persian Course of Study. I had not seen the book before, but it suggested to me that my book - "Piyam-i-Mashraq"[1] - written in response to Geothe's[2] West-Oestlischen[3] Diwan - might be of some interest to you. It was published only a few months ago and a Second Ed. - revised and enlarged will be out in a short time. I therefore take the liberty of sending a copy of it to you & shd. like very much to know what you think of it.

Yours truly,

Muhammad Iqbal Kt.
Barrister-at-Law
(Dean of Oriental Faculty
Punjab University
Lahore).

1 Spelt as such.
2 Spelt as such.
3 Spelt as such.

ڈاکٹر (بعد از آں پروفیسر) ریوبن لیوی کے نام علامہ اقبال کا غیر مطبوعہ خط

(دیکھیے ص ۱۳۴)

Lahore
30th. Oct. 1923

My dear Sir,

Last night, at a meeting of the Punjab University - Bd. of Studies in Persian, we prescribed your interesting little book on Persian Literature as a part of our B.A. Persian course of study. I had not seen the book before, but it suggested to me that my book — "Payam-i-Mashriq" — written in response to Goethe's West-Östlicher Divan — might be of some interest to you. It was published only a few months ago & a second Ed. — revised & enlarged will be out in a short time. I therefore take the liberty of sending a copy of it to you & shd. like very much to know what you think of it.

Yours truly
Muhammad Iqbal Kt.
Barrister-at-law
(Dean of Oriental Fac. etc
Punjab University
Lahore).

ڈاکٹر روبن لیوی کے نام خط کا عکس (دیکھیے ص ۱۳۵)

Inscriptions on the fly-leaf of the book 'SIX LECTURES on the Reconstruction of Religious Thought in Islam' by Sir Mohammad Iqbal (Kapur Art Printing Works, Lahore 1930).

(بدست اقبال، سیاہ روشنائی میں)

Presented

to

His Excellency Sir Montagu Butler

Nagpur

(sd.) Mohammad Iqbal
Barrister-at-Law
Lahore
6th May 1930

(بدست سر مانٹیگو بٹلر، نیلی روشنائی میں)

and by him to his friend and colleague

Professor A. J. Arberry Litt.D.
5th May 1948

(sd.) Montagu Butler

(بدست پروفیسر آربری، سیاہ روشنائی میں (بہ تحریر لرزاں)

and by A. J. A. to Trinity College Library
to mark the Mastership of Lord Butler

(sd.) A. J. Arberry
30 April 1966

ٹرنٹی کالج کیمبرج کی لائبریری میں علامہ اقبال کی سر مانٹیگو بٹلر کو پیش کردہ

"Six Lectures" کے صفحہ اول پر مندرجہ تحریرات (دیکھئے ص ۳۸)

Final

Presented
to
His Excellency Sir Montagu Butler
Nagpur

and by him to his friend & colleague
Professor A.J. Arberry Litt. D.
5th May 1948

Mohammad Iqbal
Barrister-at-Law
Lahore
6th May 1930

Montagu Butler

and by A.J.A. to Trinity College Library
to mark the Mastership of Lord Butler
Arthur Arberry
30 April 1966

صوبجات متوسط کے گورنر سر مانٹیگو بٹلر کو پیش کردہ نسخہ "خطبات مدراس" پر تقدیم

کا عکس (دیکھیے ص ۱۳۸)

Letter from Sir Montagu Butler, Master of Pembroke College,

Cambridge, to Professor A. J. Arberry

THE LODGE

PEMBROKE COLLEGE, CAMBRIDGE

Tel. 4763

7.5.48

Dear Arberry,

Here is the book with some recent cuttings about Iqbal. We were real friends, in my Lahore days especially, and it was on my suggestion that he was decorated. I wanted a Persian title revived for him, but the precedent was feared and he was knighted. He had magnetism and stirred his hearers powerfully when declaiming his poems. Politically he was the inspirer of the Pakistan idea - always within the British Commonwealth - and I shd have said it was he who invented the name, but de Montmorency doubts this and attributes the word to Rahmat Ali here in Cambridge. As with the American tourists and the Archbishop of York "we shall never know".

Ever Yours

M. Butler

سر مانٹیگو بٹلر کا مکتوب بنام پروفیسر آربری (دیکھیے ص ۱۳۸)

THE LODGE
PEMBROKE COLLEGE CAMBRIDGE
TEL. 4782

7. 5. 48

Dear Arberry

Here is the book with some recent cuttings about Iqbal. We were real friends, in my Lahore days especially, and it was on my suggestion that he was decorated. I wanted a Persian title revived for him, but the precedent was feared & he was knighted. He had magnetism & stirred his hearers powerfully when declaiming his poems. Politically he was the ~~author~~ inspirer of the Pakistan idea – always within the British Commonwealth – & I sd have said it was he who invented the name, but de Montmorency doubts this & attributes the word to Rahmat Ali here in Cambridge. As with the American tourists & the Archbishop of York "we shall never know"

Ever Yours

M T Butler

سر مانٹیگو بٹلر کا دستی خط بنام پروفیسر آربری (دیکھئے ص ۱۳۹)

Presented to Prof. Arnold

M. S. Iqbal

15th Sep. 1915

Lahore

اپنے استاد پروفیسر ٹامس آرنلڈ کو پیش کردہ کتاب (اسرار خودی) پر علامہ کے دستخط

(دیکھیے ص ۱۵۰)

لِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ

پیامِ مشرق

(در جوابِ دیوانِ شاعرِ المانوی گوئٹے)

PAYAM-I-MASHRIQ
by
Muhammad Iqbal.
Lahore, 1924

اقبال

سنہ ۱۹۲۴ع

اشاعت دوم

تعداد یک ہزار

پیام مشرق کی اشاعت دوم کا سرورق (دیکھیے ص ۱۵۲)

Presented
to
Prof. R. A. Reynolds Nicholson

Muhammad Iqbal
Lahore

5th. May 1930

پروفیسر نکلسن کو پیش کی گئی کتاب ("خطبات مدراس") پر علامہ کی تقدیم

(دیکھیے ص ۱۵۳)

LIBER EMPTVS EX LEGATO
EDWARDI GRANVILLE BROWNE
A.M., M.B., COLL. PEMB. ET ACAD. BRIT. SOCII
LINGVAE ARABICAE PROFESSORIS
MCMII – MCMXXVI

From the library of
R. A. NICHOLSON, LITT.D.,
Professor of Arabic,
1925–33

پروفیسر نکلسن کو پیش کیے گئے "خطبات مدراس" کے نسخے کے اندر چسپاں دو لیبل۔

ضمیمہ ۶: علامہ اقبال کے تازہ دریافت شدہ خطوط بنام مس ایما ویگے ناسٹ کے جرمن اور انگریزی متون' اور دست نوشت تحریروں کے عکوس

Appendix 6

German and English handwritten scripts of Iqbal's newly discovered letters to Miss Emma Wegenast, together with their transcripts.

Note by the Author

In the first edition of this book, only the transcripts of these letters and post cards (27 in all), prepared by Miss Shirin Hobohm (the daughter of Mr Muhammad Aman Herbert Hobohm, the present holder of this collection of manuscripts - see Chapter 9 for details), were published, together with my Urdu translations. Photocopies of only three manuscript letters (numbers 2, 4 and 5) were printed in that edition.

When I once again met Mr Hobohm in August 1995, at the home of my cousin, H.E. M. Asad Durrani (the Ambassador of Pakistan to Germany), in Bonn, Mr Hobohm very generously offered to supply to me xerox copies of the entire MS collection for publication in the second edition of my book. Twenty-five of these were in the form of photocopies that the late Mr Mumtaz Hasan (the former President of the Pak-German Forum, and one of the founders of the Iqbal Academy Pakistan) had given to Mr Hobohm in the 1960s, and two were original handwritten letters (numbers 2 and 5) that had been entrusted to him. I received xerox copies of the first twenty-five in October 1995, and of the latter two (nos. 2 and 5) on 1.1.1997. The MS texts of the entire collection are being published here for the first time, together with their transcripts. Emma Wegenast had faithfully preserved all the envelopes as well. These are also appended herewith for the sake of completeness.

Being around 60 to 90 years old, many of the letters had become terribly faded or pockmarked, and the photocopies required a tremendous amount of cleaning and retouching work. While engaged in doing this, I took the opportunity to carry out a thorough collation of the text of each letter with the transcript prepared by Miss Hobohm and in the process discovered a large number of small errors, both of omission and of commission, and have attempted to rectify the misreadings, etc., to the best of my abilitie[s]. A notable omission was a whole page (no. 2) of Iqbal's letter no. 20 (dated 10.10.1919), which has now been reinstated. (In most instances it was, unfortunately, too late to amend the Urdu text. The translation of the missing page of letter no. 20 has, however, been added as note 71 to Chapter 9; see also the Preface to the second edition.)

It may be pointed out that Iqbal has made many spelling mistakes in his German letters (which is natural in view of the limited time he had had to learn that language). I have left these unamended. Similarly, although all German nouns must be written with [a] capital first letter, Iqbal did not always observe this rule. I have left his orthography unchanged. It was, incidentally, very difficult to distinguish between the diphthongs 'ie' and 'ei' in Iqbal's handwriting - where the order seemed to vary almost at random. I hav[e] tried my best to decipher them - but do not claim to have always made the right judgeme[nt].
(S. A. Durrani, Birmingham, 3.3.1997.)

(1) ٣٤٩

Pension Romana
Schelling Str. 41
München.
16th. oct. 07.

Mein Liebes Frl. Wegenast,

Ich habe Ihre Karte bekommen. Es ist so unglücklich dass die wenigkeit meiner bekanntschaft mit der sprache wie eine mauer zwischen Sie und mich steht. Wenn meine briefe kurz sind, es ist nicht weil Ich nichts zu schreiben habe, sondern fehlt mir den genauen ausdrucke für meine gedanken. Auch wünsche Ich nicht mit meinem Schlechtes deutsch Sie zu beleidigen. Aber diese hinderniss existiert nicht bei Ihnen; und Ich kann hoffen alles von Ihnen zu hören.

Ich habe eine Benachrichtigung in einer Zeitung gegeben um eine passende Lehrerin zu finden. Es ist Schade dass, während mein Aufenthalt in Heidelberg, Ich machte keine Übung Deutsch zu schreiben. Diese Schrift ist die erste dass Ich in Deutsch geschrieben habe.

Die laue, feuchte Herbstluft ist schön, das Wetter ist herrlich; aber alles schön ist, leider, kurzweilig. Bitte schreiben Sie bald.

Adieu

Ihre Freund

S. M. Iqbal.

Frl. Emma Wegmann
Louisen Strasse 16
Heilbronn

(۲)

Pension Scheidt
Schelling Str. 41
München
23rd oct. 07

Mein liebes Frl. Wegenast,
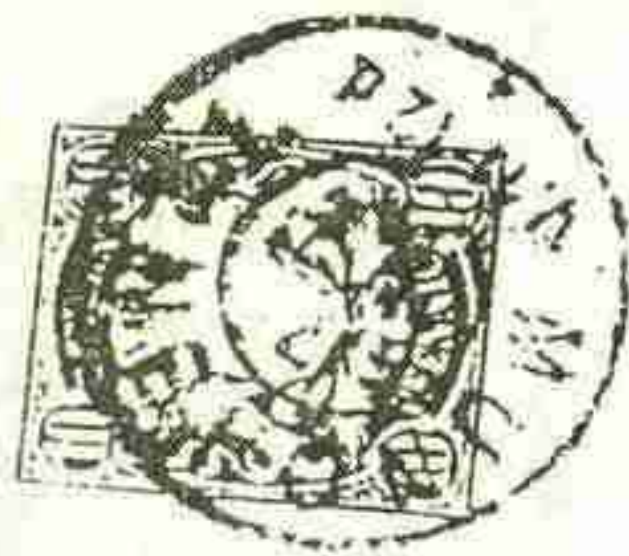
Es ist so gut von Ihnen zu schreiben. Aber zu kurtz. Ich wurde nicht schreiben bis Sie schriften zu mir den Brief aber Sie gewiesen haben. Es ist so grausam! Sie waren nicht so in Heidelberg. Vielleicht Heilbronn Klima hat Sie unfreundlich gemacht.

Ich wünschte mehr zu schreiben; ~~aber~~ aber .... den Brief. Sie haben kein Recht meinen Brief zu weisen.

Yours very sincerely
S. M. Iqbal

Frl. Emma Wegenast
Louisen Strasse 16
Heilbronn

(۳)

Pension Scherer
Schelling Str. 41 I.
München
27th Oct 07

Mein liebes Frl. Wegenast,

Ich danke Ihnen für den Brief; München gefällt mir sehr viel. Herr Rainer schrieb zu seiner Freundin hier, und sie hat, für mich eine Lehrerin besorgt. Obgleich gibt es keine Gelegenheiten Deutsch zu sprechen in dem Pension, Ich spreche viel mit der Lehrerin. Gestern gingen wir die Kunstausstellung zu besuchen. Es gibt so viele schöne Bilder vorstellt in der Ausstellung dass man sich in dem Traumland fühlt. Zwei Stunden waren wir da, und meine Lehrerin, die die Kunst versteht, erklärte mir manche Dingen welche Ich nicht zuvor wusste.

Gestern hatte ich einen Brief von Frau Professor. Sie hörte von Herrn Rainer dass Ich mit dem Pension

nicht zufrieden bin. Ich habe ihr geschrieben dass, wenn man einmal ein Raum in Scherer gewohnt hat, es nicht möglich ist mit einem anderen Pension zufrieden zu werden.

Heute kann ich nicht ausgehen. Das Wetter ist nicht günstig. Bitte entschuldigen Sie mein schlechtes Deutsch und was ich in meinem ersten Briefe geschrieben habe. Ich hoffe dass Sie ganz gesund sind. Ich habe nicht die Geduld zu denken und mein Deutsch richtig das zu schreiben

Ihr Freund

S. M. Iqbal.

Frl. Emma Wegenast
Louisen Strasse 16
Heilbronn.

(۳)

London 7

16th. Nov. 07

Mein liebes Frl. Wegenast,
Ich habe Ihre Briefe bekommen.
Aber Ich bin noch nicht an-
gesiedelt. Werde Schreiben
später. Herzlichen Gruss
Iqbal

POST CARD

ADDRESS ON THIS SIDE

Frl. Emma Wegenast
46 Louisa Str.
Heilbronn
(Germany)

17 NOV 07

(۵)

c/o Messrs Thomas Cook & Son
Ludgate Circus
London.
2nd Dec: 07.

Mein liebes Frl. Emma,

Ich habe Ihre Brief bekommen. Es ist so traurig dass Ich mein Deutsch forgessen habe. Ich war sehr beschaftigt, und konnte nicht viel lernen. Warum lernen sie nicht English — es wird so leicht für mich Ihnen zu schreiben & meinen herz zu sagen. Ich dachte dass Ich fahig werden würde durch Heilbronn zu reisen; aber es nicht möglich war. Es war absolut nötwendig für mich in London zu sein am 5th: nov: Prof: Arnold ist nach Egypt gegangen und Ich bin ein Prof: von Arabisch ernannt. Ich habe zwei vorlesungen in eine woche.

Ich kann nicht viel sagen oder schreiben — Sie können bilden sich was Ich in meinem Geist habe. Mein grosser wunsch ist noch einmal mit Ihnen zu <u>sprechen</u> und sie zu <u>sehen</u> — aber Ich weiss nicht was zu tun. Für ein man welcher hat Ihre freundschaft gemacht, es ist nicht möglich ohne sie zu leben. Bitte vergeben Sie für was Ich geschrieben habe. Ich denke Sie haben solche ausdrücken nicht gern.

Bitte schreiben Sie bald auch <u>alles</u>. Es ist nicht gut etwas zu verderben von einem person welcher verdirbt nicht von Ihnen.

Yours Sincerely

S. M. Iqbal.

Frl. Emma Wegenast

16, Louisen Str.

Heilbronn.

(Germany)

(٧)

c/o Messrs. Thomas Cook & Son
Ludgate Circus
London E.C.
21st Jan. 08.

Mein liebes Frl. Emma,

Glauben sie dass ich nachlässig bin? Es ist ganz unmöglich — Ich war sehr krank als Ihre letzte Brief kam und es machte mich noch mehr krank; für Sie sagte dass sie ~~alle~~ viele Sturme übergegangen ~~hatten~~ und Ihre Friede wieder ~~gefunden~~ gewinnen hatten. Ich dachte dass sie wünschten nicht mit mir Brief zu wechseln und dass machte mich sehr bekümmert. Nun habe ich ein Brief von Ihnen & es mich sehr erfreut hat. Immer denke ich von Ihnen und mein herz ist immer voll von schöne Gedanken!

Ein Funke wächst ein Flammen und eine Flamme eine grosse Brand! Aber Sie sind zu unparteilich, gleichgültig — Tun Sie was sie wollen; Ich werde sagen nichts und sein immer geduld

Vielleicht werde ich Sie besuchen als ich nach Indien gehe. Ich habe mein Deutsch ganz vergessen; Warum lernen Sie nicht English

Ihr
Iqbal

Frl. Emma Wegenast
16, Louisen Str:
Heilbronn
(Germany)

(۲)

c/o Messrs Thomas Cook & Son
Ludgate Circus
London. E.C.
25th Jan. 08

Mein liebes Frl. Wegenast,

Ich danke tausendmal für
die Photographien die ich heute
Abend erhalten. Es ist so
gut von Ihnen. Beide sind
schon und sie werden immer
in meinem Studier-Zimmer
auf meinem Tisch stehen.
Aber glauben Sie nicht dass
sie nur auf dem Papier
sind; Sie sind auch in
meinem ——— z. und werden
immer da bleiben.
Vielleicht ist es nicht möglich
für mich Sie wieder zu sehen — aber
ich muss erkennen dass sie

(78)

in meinem Leben eine wirkliche Kraft gewesen sind. Ich werde Sie niemals vergessen und mich immer von Ihrer Güte erinnern. Ich habe mein Deutsch ganz vergessen. Warum lernen Sie nicht English? Wir werden einander besser verstehen. Bitte schreiben Sie bald — Als ich photographiert bin, ich werde auch meine Photo schicken — Adieu meine liebe Frl. Emma, und glauben Sie mich immer

Ihrer

S. M. Iqbal.

Frl. Emma Wegenast
16, Louisen-Strasse
Heilbronn.
(Germany).

51

(٨)

c/o Messrs Thomas Cook & Son
Ludgate Circus
London E.C.
26th Feb. 08.

Mein liebes Fraulein Wegener,

Ich muss apologieren vor alles — Ich hatte so viel zu tun dass Ich konnte nicht zu Ihnen schrieben. Ein guter Engel als Sie sind, Ich hoffe dass sie mich vergeben werden. Heute Abend andere ~~Ich~~ habe Ich eine Vorlesung zu geben — "Mysticismus" Frau Prof. Schreib mir ein Brief vor einige tagen — Ein Franzosischer Schüler von Frau Prof. war in London, und wir zusammen schreiben ein brief an Frau Prof. Warum lernen Sie nicht English? — Ich bin beschämen Ihre Ohren zu beleidigen mit meiner schlechtes deutsch — obgleich beinahe

Ich die Gelegenheiten von diesen
Briefwechselungen ~~also~~ als Deutsche
Stunden. So Sie unterrichten
mich immer noch.
Im Anfang Juli werde Ich nach
Indien gehen und hoffe dass es
möglich sein wird Sie zu
besuchen vor meiner Reise.
Ich werde mich bestreben nach
Heidelberg zu kommen für
einige Tagen. Aber wenn es nicht
möglich ist können wir uns
in Paris treffen? Wann werden
Sie nach Heidelberg kommen?
Wo ist Herr Reiner? Er niemals
schreibt mir ein Brief – Ich habe
zwei geschrieben. Vielleicht er
ist sehr beschäftigt.
Was tun Sie alle Tag? Lesen
Sie oder [illegible] Sie Ihre Zeit
mit [illegible] [illegible]?
Ihre Photo ist auf meinem
Tisch, und immer erinnert

mir von dem glückliche Zeit
die Ich mit Ihnen zugebracht habe

Mit einen Rosenkranz von
glückliche Gedanken

Ihr

S. M. Iqbal

23

Frl. Emma Wegenast
16, Louisen Str.
Heilbronn
(Germany)

(۹)

c/o Messrs Thomas Cook & Co.
Ludgate Circus
London E.C.
3rd June 18.

Mein liebes Frl. Wegamast,
Ich hatte ein Brief von Ihnen und Ich schreib eine antwort gleich. Vielleicht mein Antwort haben Sie nicht erhalten. Besten Danken für Ihre Post carte —

Bitte Schreiben Sie bald und sagen Sie zu mir was Sie tun und Denken. Warum Warten Sie auf meinen Brief. I Wunsche jeden tag von Ihnen zu hören. Frl. Fyzee ist hier mit ihre Schwester und Schwager der ein Indien

Furcht ist. Ich ging vorgestern
tag um Sie zu brauchen.
Sie ist wohl und im
besten Geist. Vielleicht werden
Sie nach Deutschland kommen.

Ich bin sehr beschäftigt
— werde England verlassen
bald — im anfang Juli.
Ich weiss nicht ob Es
möglisch sei und ~~[illegible]~~
durch Deutschland zu
fahren. Es ist meine grosse
wunsch Sie zu brauchen
vor Ich ~~[illegible]~~ nach
Indien reise. Seien Sie
nicht grausam — bitte;
Schreiben Sie bald und
alles. Mein Körper ist hier,
Mein gedanken sind in
Deutschland. Es ist Frühling

und die Sonne lächelt, mein
Herz ist, aber, ist traurig.
Senden Sie einige Worte, und
Ihre Brief wird meinen Frühling
sein. Ich habe
sehr schöne Gedanken für
Sie in meinen traurige
Herzen, und schweigsam
gingen sie nach Ihnen
noch ander. Diese sind
Blumen für Sie.

Ihre

[illegible]

PADDINGTON W
6. M
JUN 3

Frl. Emma Wegenast
16, Louisen Str
Heilbronn

c/o Messrs Thomas Cook & Son
Ludgate Circus
London E.C.

10th June 08.

Mein Liebes Frl. Wegenark

Ich habe schon geschrieben und warte auf Ihren Brief. Hiermit schliese ich eine Photographie von mir. Vielleicht würde ich eine andere Bild zu Ihnen schicken.

Ihre

J. M. [illegible]

P.S. Ich reise nach Indien am 2 Juli und werde von da schreiben.

8

Frl. Emma Wegenast
16, Louisen Strasse
Heilbronn
(Germany)

(11)

49. Elsham Rd.
Kensington W.
London.

27th June 08.

Freundliche Frl. Emma,

Ich habe mein bestes gethan um nach Deutschland zu fahren — aber es nicht möglich ist. Ich muss am 3rd July verlassen und einige Tage in Paris bleiben wo Ich etwas zu tun habe. Bitte schreiben Sie bald; Ich wünsche ein Brief von Ihnen zu haben bevor Ich ~~reise~~ nach Indien reise. Nächstes Jahr hoffe Ich nach Europa zurück zu kommen, und Sie zu besuchen. Vergessen Sie nicht dass es giebt eine unsichtbare Verbindung zwischen uns,

obgleich viele Länder und
Meere uns trennen von
einander. Ja! ein magnetische
gewalt meine gedanken —
eilen nach Ihnen und
dein Verbindung fester und
stark machen. Schreiben Sie
mir immer und erinnern
Sie sich dass Sie ein
treuen freund haben obgleich
er entfernt ist. Wenn die
herzen ~~un~~ bei einander
sind, entfernung macht
nicht.

Bitte schreiben Sie
gleich

Ihr

S. M. Iqbal

P. S. Es tut mir leid von Herrn
Schaufelers Krankheit zu hören.
Ich hoffe zu sehen dass er
[illegible] Hause

Fräulein
Emma Wegenast
zur Erinnerung an gemeinsame Freunde
in Freundschaft gewidmet.

J. Stegroth, cand. [illegible]

Göttbg. 17. IX. 07.

German Text

Fräulein Emma Wegenast

zür Erinnerüng an gemeinsame Freünde

in Freündschaft gewidmet

F. Metzroth, cand. iur.

Hdlbg. 17.IX.07

English Translation

Miss Emma Wegenast

in remembrance of common friends

dedicated in friendship

F. Metzroth, cand(idate in) law

Heidelberg 17.09.07

(The help of Professor R. Speirs, Department of German, University of Birmingham, in deciphering this dedication is gratefully acknowledged by the Author.
Birmingham, 1 November 1996.)
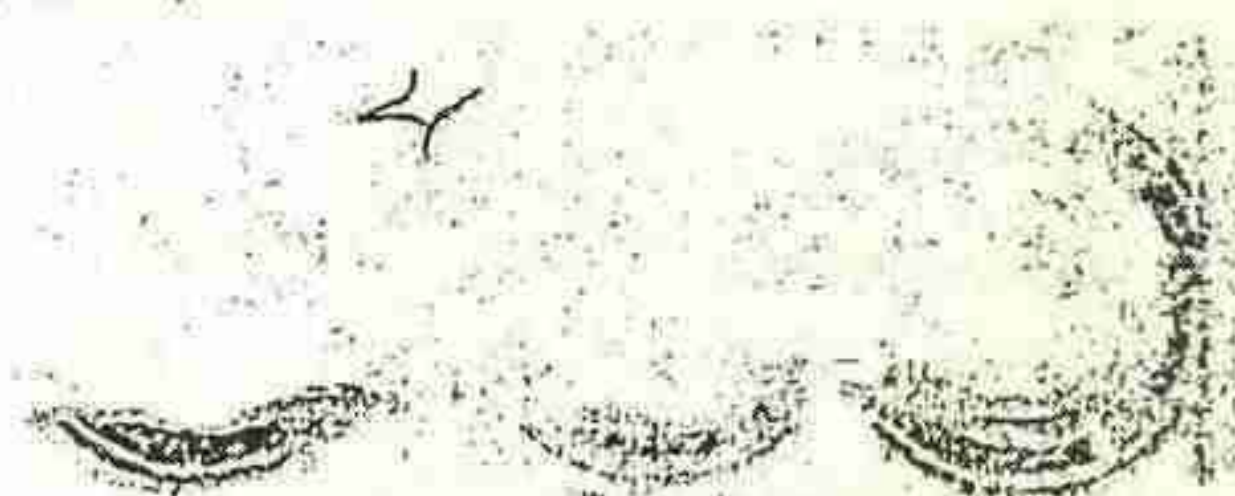
Frl. Emma Wegenast
16, Louisen Str.
Heilbronn
Germany

(۱۲)

Sialkote City
India

3rd Sep. 08

Mein liebes Frl. Wegenast,

Ich habe hier gekommen. Es ist sehr schade dass es nicht möglich war Sie zu besuchen vorm Ich verliess England. Bitte schreiben Sie bald was Sie tun jetzt. Ich habe entschieden meine Geschäft in Lahore zu beginnen. Es ist ein gutes Platz für ein Advocat. Ich glaube dass Sie in Heidelberg sind. Bitte geben Sie

meine Salutations zu
Frau & Herr Professor, und
denken Sie von mir wenn
Sie zusammen seid.

Es hat uns sehr viel
geregnet. Alles ist wasser,
und wir hoffen mehr.
~~Ich habe mein Deutsch ganz~~
vergessen, aber ich erinnere
mich nur ein wort
— Emma.

Ihr
S. M. Iqbal

Frl. Emma Wegenast
16, Louisen Strasse
Heilbronn
(Germany)

(۱۳)

Lahore
(India)
11th Jan. 09.

Mein liebes Frl. Emma,

Für Ihren Freundlichen Breif danke Ich Ihnen vielmal. Es ist so gut von Ihnen zu schreiben und sich von mir zu erinnern wenn Ich so weit bin von Deutschland. Von Heidelberg habe Ich keine Breife von Ihnen erhalten. Vielleicht Ihren Brief ist verloren, und Ich fühle mich sehr traurig zu hören dass meine Brief verloren gegangen ist.

Meine Landleute gaben mir eine grosse Ehre als Ich ins Indien kam. Es ist nicht möglich für mich in vorliegen

zu erklären. Vielleicht 40
Gedichte von allen Seiten
meinem Land zu mir
geschickt wurden — also grüsse
von Freunde und andre
Leute. Als Ich ins Lahore
kam Sie gaben mir ein
Garland von gold, und
Ich hatte es um meinem
Kopf. Es gab viele tausende
menschen an dem Bahnhöfen
von allen stationen von
Bombay zum Lahore und
Sialkot wo Ich fand viele
Kinder und erwachsener
meiner eignen Gedichten
singend aus der Bahnhof
über dem weg.

Es freut mich dass meine
eltern waren ganz gesund
als Ich nach heimat kam
Meine Schwester & Mutter sind
nun ~~gar~~ ganz zufrieden

Ich bin nun in Lahore
und arbeite als ein
advokat.

Es ist nicht möglich für
mich immer zu vergessen
Ihren schönen Land wo
habe ich viel gelernt, und
__________________. Bitte Schreiben
Sie immer zu mir —.
Vielleicht wir treffen wieder
in Deutschland oder in
Indien. Nach etwas Zeit
~~als~~ als ich ~~habe~~ ein wenig
geld habe, will Ich meinen
heim in Europa machen.
Das ist meinen Ansicht—
und Ich hoffe dass es
alles gut sein würden.
Es ist ~~sehr~~ sehr traurig von
Herrn Chaubató Todt zu
hören. Vielleicht Sie erinnern
Sich dass ~~Ich~~ Ich zu ihm
vielmal von ~~Ihnen~~ Ihrem Gesundheit

Bitte vergessen Sie nicht
den Freunden welchen ~~hat~~
Sie immer zu herzen hat
und kann Sie niemals
vergessen. Mein aufenthalt
in Heidelberg erscheint zu
mir wie ein Schönen Traüm
und ich wünsche es zu
wiederholen. Es ist es Möglich?
Sie kennen wohl.

Mit herzlichen Grüssen.

Ihr

S. M. Iqbal
Bar-at-Law.
Lahore
(India)

14

30 PM

Frl. Emma Wegenast
16, Louisen Strasse
Heilbronn
(Germany)

Deutschland über alles.

Lahore
(India)
20th July 07.

Mein lieben Fraulein Emma,

Es ist so gut von Ihnen an mich zu schreiben. Es erfreut mich sehr viel ein Brief von Ihnen zu haben, und Ich warte angstlich auf der zeit Sie noch einmal ins Ihre Heimat zu besuchen. Bitte schreiben Sie an mich immer und immer. Deutschland habe Ich sehr gern — es hat eine grosse Einfluss über meine Ideen gemacht und Ich werde niemals vergessen meinen aufenthalt ins Deutschland. Ich lebe hier ganz allein und finde mich sehr traurig. Unsere Schicksal ist nicht in unseren eigenen handen. Es gibt

ein grosser Macht ist welcher unseren leben regulieret. Frau Professor, Herr Professor und alle Damen und Herren habe Ich immer in meinem Herzen. O die Tag also Ich in Deutschland war!

Fraulein Fangee ist in Homburg. Ihr Mutter ist tot und Sie war sehr traurig. Sie ist ein wenig besser nun. Manchmal Ich fühle mich ganz allein und finde mich in einem grossen Sehnsucht nach Europa und Deutschland in Spezial. Bitte bitte geben Sie mir einen kleinen platz in Ihrem herzen und erinnerung.

Ihre Freund
S. M. Iqbal
Bar-at-Law.

Fraulein Emma Wegenast
16, Louisen Strasse
Heilbronn
(Germany)

(۱۵)

Lahore.
India.
22nd Sept. 1[illegible]

Meine liebe Frl. Wegenast,

Ich habe Ihren freundlichen Brief erhalten, und danke Sie dafür. Heute ist der Brief-Post Tag, aber, unglücklicherweise, bin Ich sehr beschäftigt.

Nächste Woche werde Ich schreiben Sie einen langen Brief, Ich glaube würde es möglich sein.

Der Bild ist von einem [illegible] Brief. Es ist eigentlich zu [illegible] (altar) und Ärmel zu überziehen (overcoat).

Mit herzliche Grüsse

Muhammad Iqbal
Bar-at-Law
Lahore
India.

POST CARD.

THIS SPACE MAY BE USED FOR PRINTED OR WRITTEN MATTER FOR INLAND USE ONLY.

ONLY THE ADDRESS TO BE WRITTEN HERE

Fräulein Emma Wegenert
16, Louisen Strasse
Heilbronn
(Germany)
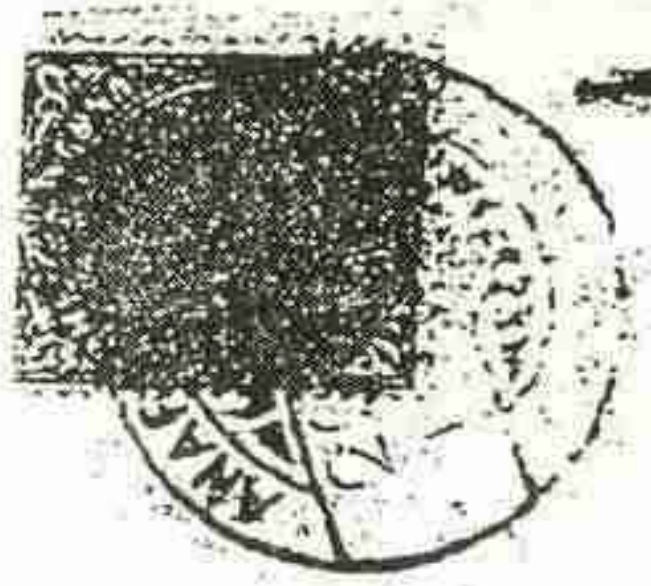
(۱۲)

Lahore

11th May 1911

Mein Liebes Fraulein Wegenast,

Ihre Schöne Postkarte habe Ich erhalt und schicke meine herzliche grusse zu Ihnen. Ich wünsche sehr viel nach Deutschland zu reisen um Sie zu besuchen, und weis nicht an welches tag wird es möglich sein. Meine Briefen aber geben Ihnen viel Material zu Lacheln für die Schrecklicher Deutsch das Ich Schreibe
Die Schöne Cravatten hatte Ich erhaten, und Ich bin sehr beschämt das Ich war zu beschaftigt Ihnen zu Schreiben and meine Danke zu schicken.

Wenn mann einen Sprache nicht schreiben kann
Seine Feder ist viel miserable und es ist nicht
möglich für solch ein mann seine herzliche Dank
gedanken zu entfalten. Ich habe keinen Zeit mein
Deutch zu corrigieren. Bitte vergeben mir für
meine fehler. Aber bitte Schreiben Sie ein lange
briefe. Ich hoffe Frau Professor ist wohl.

Ihre Freund

Muhammad Iqbal

2

Frl. Emma Wegenast

16, Louisen Strasse,

Heilbronn:

(Deutschland

Germany.

TUCK'S POST CARD

CARTE POSTALE

POSTAGE

½ Anna

Raphael Tuck & Sons' "OILETTE" Postcard
ART PUBLISHERS TO THEIR MAJESTIES THE KING & QUEEN
"WIDE-WIDE-WORLD" DELHI.

The Jumma Musjid [illegible] 1857, after the Mutiny, it was [illegible] the ground the Jumma Musjid at Delhi, the noblest ceremonial mosque in the world, and it was only spared at the instance of Sir John Lawrence. —Speech by Lord Curzon, 7th February, 1900.

Viele Danken für
Ihre Karte. Bitte
Schreiben Sie Mir
Wie geht es Ihnen.
Es ist Sehr heiss in
Lahore in diese Tagen.
Wir leben in einen
Hellen. Deutschland
Ich werde niemals
vergessen. Iqbal.
Lahore 4 July, 1912

Printed in England.

(12)

Frl. Emma Wegenast
16, Lonisan Str.
Heilbronn
(Germany)

(۱۸)

Lahore
30th July 1913

Dear Miss Wegenast,

I am exceedingly sorry to hear the sad news of your father's death; and though my letter must reach you a good many days after the sad event, yet neither time nor distance can make my sympathy with you in your bereavement any the less sincere. The news has pained me very much indeed, and I pray that Almighty God may be pleased to shower his choicest blessings on the venerable

old man, and to give you strength to endure your sorrow. "Verily we are for God and to God we return". This is the sacred text which we recite when we hear the news of death. And I recited this verse over and over again on reading your painful letter. Such events do happen in everybody's life, and we must meet our troubles like those who have left us their lives to imitate.

You remember that Goethe said in the moment of his death — "more light". Death opens up the way to more light, and carries us to those regions where we stand face to face with eternal Beauty and Truth. I remember the time when I read Goethe's poems with you, and I hope you also remember those happy days when we were so near to each other spiritually speaking. And I feel we are still near to each other — so much so that I spiritually

share in your sorrow.
Please write to me
when you feel inclined
to do so. I wish I had
been in Germany to convey
my sympathy to you
personally.

May God be with you

Yours ever
Muhammad Iqbal
Advocate
Lahore

Frl. Emma Wegenast
Louisen Strasse 16
Heilbronn
(Germany)

(19)

Lahore
7th June 1914

My dear Frl. Wegenast,
I was most happy to receive your letter some time ago. Unfortunately I was not able to answer it earlier owing to ill-health. It is a pity that I cannot write to you in your beautiful German tongue which, I am sorry to say, I have forgotten except that I can read and understand

424

the letters of my German friends. The other day I was reading Heine, and I thought of the happy days when we read the poet together at Frau Professor's in Heidelberg. Good old Lady! I suppose she is alright. Please remember me to her if you happen to see her

I should like very much to know what you are doing

now, and what are
your plans if any
I may come to
Europe next year
But there is no
knowing; all depends
on circumstances
if I do come at
all I shall certainly
visit old Germany
and see you once
more at Heidelberg
or Heilbronn where
we shall together
make a pilgrimage
to the sacred grave
of the great

master Goethe.
Although I never had
the pleasure to meet
your brother and
sisters yet I should
like you to remember
me to them.

Yours sincerely
Muhammad Iqbal

Frl. Emma Wegenast
~~10 Louisen Str~~
23/16
~~Heilbronn~~
(Germany)

(۲۰)

Lahore (India)

10th. Oct. 1919

My dear Frl. Wegenast,

The terrible war is now over, and I have an opportunity to write to you after four long years. Your country has passed through a great ordeal, and I hope she will soon make up the losses caused by the war. During all this time I have been anxious about you and your relations, especially about your brother. Please write to me soon and let me know all about yourself and your brother. The people of Germany were called upon to make great sacrifices indeed.

but life is nothing if it
cannot be given for what
one supposes to be a great
cause. I shd. like very much
to see Germany after the war &
hope to be able to do so
next year. One of my objects
will be to study the [that] commercial
possibilities between Germany &
India which are likely to
open up now. I hope your
friends will help me in
this matter.

I am anxiously waiting for
your letter. Perhaps you will
have to write to me more letters
than one in order to tell me
all that Germany has endured

Please excuse me for writing this letter in English, for I would gladly put you to the trouble of getting it translated by somebody rather than shock your ears by my wrong & clumsy German.

Kindly also let me know of Frau Prof. at Heidelberg. Have you ever heard of Herr Reiner? Where is he & what is he doing?

Yours Sincerely
Muhammad Iqbal
Barrister-at-Law
Lahore

10

Fel. Emma Wegenast 22/a

(Germany)

(۲۱)

143-A, St. James' Court.
Buckingham Gate.
S.W.1
15th Oct. 1931

My dear Frl. Wegenast,

It was very kind of Herr Metzrath to send me your present address which I received this morning. I am thus enabled to write the present letter to you. I hope this will remind you of the very happy days we spent together at the Heidelberg School — I mean at the Pension Scherer.

Please write to me & let me know all that you have doing all these years. I shall be so pleased to hear from you. We shall have to stay in England for some time, and after the Round Table Conference in London is over I intend to go to Rome through Berlin where

I shall be able to stay
for a few days & to meet
some old friends. It will
give me immense pleasure
to meet you after so many
years. Let me know whether
you will continue to stay
in Heidelberg

Awaiting for your letter
Yours sincerely
Muhammad Iqbal

LONDON S.W.1
OCT 15
6.15 PM
1931. F

5

Frl. Emma Wegenast
Hauben Str. 12
Heidelberg
(Germany)

(۳۳)

Telephone Victoria 2300

23A, St. James Court
Buckingham Gate
S.W.1

20th Oct. 1931

My dear Frl. Wegenast,
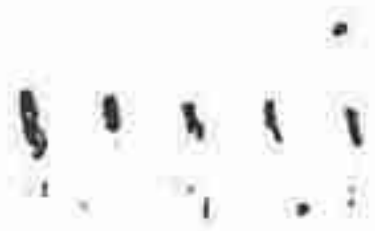
It was extremely kind of you to write. I received your letter early in the morning today when I was still in bed. I read it more than once partly because I was so glad to receive it & partly because I wanted to understand it better. I am glad to learn that in spite of misfortunes that you have had to face you are cheerfully getting on in life. I shall never forget the days at Heidelberg when you taught me Goethe's Faust & helped me in many ways. Those were happy days indeed! I find from your letter that you are [illegible] the master of your time. I shall therefore try my best to come [illegible] meet you once more in that old p

I still remember the River Neckar
on the banks of which we used to
walk together. But nothing is yet
certain. I think I shall be able
to tell you in a short time whether
it is possible for me to come
to Germany while going to Rome.
I have received an invitation for
Rome & want to go there before I
finally leave for India —
It is hardly necessary for me
to say that I have a great longing
to meet you & to revive the
memory of those happy days which
are, alas!, gone for ever.
In the meantime please do write
to me.

Yours sincerely
Mohammad Iqbal

P.S.
I am no longer a professor

OCT 21 4 M

12

Fr. Emma Wegenast
Steinberg Str. 12

Heidelberg

(Germany)

to Europe again next year. If so
I hope to be able to make it a
point to meet you at Heidelberg.
Please accept my heartfelt greetings
to yourself & to your lady friends
to whom you introduced me at
Heidelberg. Do write to me now
& then to my address at Lahore
– India. As the Persian proverb
says — "A letter is half the visit."
Hoping you are quite well

Yours sincerely
Mohammad Iqbal

13

NOV 1?
6.15 PM

Frl. Emma Wegenast
12, [illegible] Str.
Heidelberg
(Germany)

(۲۲)

DR. SIR MUHAMMAD IQBAL.
BARRISTER-AT-LAW.

20

LAHORE.
12th Jan. 1932

My dear Frl. Wegenast,

I received your letter yesterday and read its contents with great pleasure. I am extremely sorry that I was not able to come to Germany and renew the memory of the happy days which I spent with you & other friends in Heidelberg. It is hardly necessary for me to say that during all these years I have never forgotten you & have always entertained hopes of meeting you again. But as ill luck would have it my cherished hopes ended in nothing. The memory of the days when we read together Goethe's Faust always comes back to me with painful happiness. You wish me to tell you what I have been doing & thinking during all these years. Well! I have written much & published all that I have written in the way of poetry & philosophy. Yet ~~the~~ my mind has always lacked something & has nearly always found itself lonely in my Indian surroundings. The sense of this ~~lone~~ loneliness increases as I advance in years. But we cannot but accept our lot with resignation. And I have come to view it with perfect equanimity.

It is a pity that I have not been able to keep in touch with my German; yet I always manage to read & understand your letters with the help of a German Dictionary instead of getting them translated by somebody else. It is not good to show one's letters to others. I would finish your letter in three days' time & try to understand it alone with the help of a Dictionary, but would not give it to others. This is what I have always done.

I am glad to learn that you are living with your sister. I think I saw her photo once which you showed me. Please remember me to her & to all other friends whom I must have met in Germany. I hope to come to Europe again & if I do so I shall certainly make it a point to see you & your sister in Heidelberg. Germany was a kind of second home to my spirit. I learned much & thought much in that country. The home of Goethe has found a permanent place in my soul.

Hoping you are well

Yours sincerely

Muhammad Iqbal

POST CARD.

۲۲۳

(۲۵)

12th Dec. 1932

Telegrams:
Q MANSIONS PARL LONDON
Telephone:
VICTORIA

QUEEN ANNE'S MANSIONS
St. JAMES'S PARK.
LONDON, S.

My dear Frl. Wegenast,

I am in England again for a short time and write this to enquire whether you are still in Heidelberg – Klauben Str. 14. I hope you are quite well. Please write to me soon.

Yours sincerely
Muhammad Iqbal

4

LONDON S.W. DEC 12 2.45 PM 1932

PO CHRISTMAS

Frl. Emma Wegenast
14, Klauben Strasse
Heidelberg

0.

The Transcripts of the Letters

1

Pension Thurner
Schelling Str 41
München
16th Oct. 07

Mein Liebes Frl Wegenast,

Ich habe Ihre Karte bekommen. Es ist unglucklisch dass die wenigkiet meiner bekannschaft mit der sprache wie eine mauer zwischen Sie und mich steht.
Wenn meine briefe kurz sind, es ist nicht weil Ich nichts zu schreiben habe, sondern fehlt mir den genauen ausdruck für meine gedanken. Auch wunsche Ich nicht mit meinem schlechtes Deutsch Sie zu beleidigen. Aber diese hinderniss existiert nicht bie Ihnen, und Ich kann hoffen alles von Ihnen zu horen.
Ich habe eine benachrichtigung in einer zeitung gegeben um eine passende lehrerin zu finden. Es ist schade dass, während mein aufenthalt zu Heidelberg, Ich machte keine ubung Deutsch zu schreiben. Diese Schrift ist die erste dass Ich in Deutsch geschrieben habe.
Die laue, feuchte herbsluft ist schon. Das Wetter ist herrlisch; aber alles schon ist, leider, kurzweilig. Bitte schreiben sie bald.

Adieu

Ihre Freund

S.M. Iqbal

2

Pension Thurner

Schelling str 41

München

23rd Oct. 07

Mein liebes Frl. Wegenast,

Es ist so gut von Ihnen zu schrieben. Aber zu kurtz. Ich werde nicht schrieben bis Sie schicken zu mir den Brief der Sie zurissen haben. Es ist so grausam! Sie waren nicht so in Heidelberg. Veilleicht Heilbronn-Klima hat Sie unfreundlich gemacht.

Ich wünschte mehr zu schrieben; aber .... der Brief. Sie haben kein Recht meinen Brief zu reissen.

Yours very sincerely

S.M. Iqbal

On the envelope

Munchen
(Post Office seal)

Frl. Emma Wegenast
Louisen Strasse 16
Heilbronn.

The correct address is: Luisenstrasse 16, Heilbronn. (Note by the Author.)

Note: *Copy of the original letter was supplied by Mr M. A. Hobohm to the Author on 1.1.1997. (The original is safe with Mr Hobohm. Note by the Author, 28.2.1997.)*

Pension Thurner

Schelling str. 41 I

Munchen

27th Oct. 07

Mein liebes Frl. Wegenast,

Ich danke Ihnen für den Brief. Munchen gefällt mir sehr viel. Herr Reiner schrieb zu seiner Freundin hier, und Sie hat, für mich, eine Lehrerin besorgst. Obgleich gibt es keine gelegenheiten Deutsch zu sprechen in dem Pension, Ich spreche veil mit den swie Lehrerinen. Gestern gingen wir die Kunst Ausstellung zu besuchen. Es gibt so viele schöne Bilder vorstellt in der Ausstellung dass man sich in dem Traümland fühlt. Zwie stunden waren wir da, und meine Lehrerin, die die Kunst versteht, erklärte mir manche sachen welche Ich nicht zuvor wüsste.

Gestern hatte Ich einen Brief von Frau Professor. Sie hörte von Herrn Reiner dass Ich mit dem Pension nicht zufrieden bin. Ich habe ihr geschrieben dass, wenn man einmal im Pension Scherer gewöhnt hat, es nicht möglisch ist mit einem anderen Pension zufrieden zu werden.

Heute kann Ich nicht ausgehen. Das Wetter ist nicht günstig. Bitte entschuldigen Sie meine schlechtes Deutsch und auch was Ich in meinem ersten Breife geschrieben habe. Ich höffe dass Sie ganz gesund sind. Ich habe nicht die geduld zu denken and mein Deutsch richtig hier zu schreiben. Ihr Freund,

S.M. Iqbal

4

[Post Card]

London

16th Nov. 07

Mein liebes Frl. Wegenast,

Ich habe Ihre Breife bekommen. Aber ich bin noch nicht angesiedelt. Werde schreiben spater.

Herzlichen Gruss

Iqbal

This letter has also been reproduced in 'IQBAL in Pictures' by Fakir Syed Waheed-ud-Din (Lion Art Press, Karachi, 1965). The address shown on the back of the post card should correctly have been: 16 Luisenstr., Heilbronn. (Note by the Author.)

5

c/o Messrs Thomas Cook & Son

Ludgate Circus

London

2nd Dec 07.

Mein liebes Frl. Emma,

Ich habe Ihre Brief bekommen. Es ist so traurig dass Ich meine Deutsch forgessen habe. Ich war sehr beschaftigt, und konnte nicht veil lesen. Warum lernen sie nicht English --- es wird so liecht für mich Ihnen zu schreiben & meinen herz zu sagen. Ich dachte Dass Ich fahig werden würde durch Heilbronn zu reisen, aber es nich möglisch war. Es war absolut nötwendig für mich in London zu sein am 5th nov. Prof. Arnold ist nach Egypt gegangen und Ich bin ein Prof. von Arabisch ernant. Ich habe zwie vorlesungen in einen woche.

Ich kann nicht viel sagen oder schrieben --- Sie können bilden ein was Ich in meinem Geist habe. Mein grosser wunsch ist noch einmal mit Ihnen zu sprechen und sie zu sehen -- aber Ich weis nicht was zu tun. Für ein man welcher hat Ihre freundschaft gemacht, es ist nicht möglisch ohne Sie zu leben. Bitte vorgeben Sie für was Ich geschreiben habe. Ich denke Sie haben solche ausdrucken nicht gern.

Bitte schreiben Sie bald und alles. Es ist nicht gut etwas zu verderben von einem person welcher verdirbt nich von Ihnen.

Yours Sincerely,

S.M. Iqbal

Note: *Copy of the original letter was supplied by Mr M. A. Hobohm to the Author on 1.1.1997. (The original is safe with Mr Hobohm. Note by the Author, 28.2.1997.)*

6R

c/o Messrs Thomas Cook & Son
Ludgate Circus
London E C
21st Jan 08

Mein liebes Frl Emma,

Glauben sie dass ich nachlassig bin? Es ist ganz unmoglisch --- Ich war sehr krank als Ihre letztere Breif kam und es machte mich noch mehr krank; fur Sie sagten dass sie viele sturmen ubergegangen und Ihre Friede wider gewinnen hatten. Ich dachte dass sie wunschten nicht mit mir Brief zu wechseln und dass machte mich sehr bekummert. Nun habe ich ein Brief von Ihnen & es mich sehr gefreut hat. Immer denke ich von Ihnen und mein herz ist immer voll von schone gedanken!

Ein Funke wachst ein flamen und eine Flame eine grosse Brand! Aber Sie sind unparteilich, gleichgultig --- Tun sie was sie wollen. Ich werde sagen nichts und sein immer geduld.

Vielleicht werde ich Sie besuchen als Ich nach Indien gehe. Ich habe mein Deutsch ganz fergessen; warum lernen sie nicht English

Ihrer

Iqbal

Note *This letter was erroneously shown as no. 7 in the first edition of the book. (Note by the Author, 28.2.1997.)*

7R.

c/o Messrs Thomas Cook & Son

Ludgate Circus

London E.C.

25th Jan. 08.

Mein liebes Frl Wegenast,

Ich Danke tausendmal für die Photographien die Ich heute Abend erhalten. Es ist so gut von Ihnen. Beide sind schon und sie werden (?) immer in meinem studie-zimmer auf meinem Tisch stehen. Aber glauben Sie nicht dass sie nur auf dem papier sind, sie sind auch in meinem ---z, und werden immer da bleiben.

Veilleich ist es nicht möglich für mich Sie weider zu sehen --- aber Ich muss erkennen dass Sie in meinem leben eine wirklische Kraft gewesen sind. Ich werde Sie neimals f vergessen und mich immer von Ihrer Gute erinnern.

Ich habe mein Deutsch ganz vergessen. Warum lernen Sie nicht English? - - wir werden einander besser verstehen. Bitte schrieben sie bald --- Als Ich photographiert bin Ich werde auch meine photo schicken - - Adieu mein liebes Frl. Emma, und glauben sie mich immer

Ihrer

S.M. Iqbal.

(P.S. on envelope: Ich werde beide bilder haben.)

(NB: The above note, added by Miss Shirin Hobohm, not found on the author's copy of the envelope. Durrani, 31.10.1996.)

Note: *This letter was shown as No. 6 (with the erroneous date of 20th Jan.08) in the first edition of the book. (Note by the Author, 28.2.1997.)*

8

c/o Messrs Thomas Cook & Son

Ludgate Circus

London E.C.

26th Feb. 08.

Mein liebes Fraulien Wegenast,

Ich muss apologieren vor alles --- Ich hatte so viel zu tun dass Ich konnte nicht zu Ihnen schrieben. Ein güter Engel als Sie sind, Ich hoffe dass sie mich vergeben werden. Heute Abend auch habe Ich eine vorlesung zu geben --- "Mysticismus". Frau Prof. schrieb mir ein Brief vor einige tagen - - Ein Franszosicher Schüler von Frau Prof. war in London, und wir zusammen schrieben ein Brief an Frau Prof. Warum lernen sie nicht English? - - Ich bin beschämt Ihre öhren zu beleidigen mit meinen schlechtes Deutsch --- obgleich benutze Ich die gelegenheiten von deisen Briefwechselungen als Deutsche Stünden. So Sie unterrichten mich immer noch.

Im Anfang Juli werde Ich nach Indien gehen, und hoffe dass vor meinem Reise es möglisch sein wird Sie zu besuchen. Ich werde mich bestreben für einige Tagen nach Heidelberg zu kommen. Aber wenn es nicht möglich ist können sie mich im Paris treffen? Wann werden Sie nach Heidelberg kommen? Wo ist Herr Reiner? Er neimals schriebt mir ein Brief --- Ich habe zwei geschrieben. Veilleicht er ist sehr beschäftigt.

Was tün Sie aller tag? Lesen Sie oder zubringen Sie Ihre Zeit mit Freundinnen?

Ihre Photo ist auf meinem Tisch, und immer erinnert mir von dem glücklische Ziet die Ich mit Ihnen zugebracht habe.

Mit einen Rosenkranz von glücklische gedanken

Ihr

S.M. Iqbal

9.

c/o Messrs Thomas Cook & Co.
Ludgate Circus
London E.C.
3rd June 08.

Mein liebes Frl. Wegenast,

Ich hatte ein Brief von Ihnen and Ich schrieb eine antwort gleich. Vielleicht mein antwort haben sie nisht erhalten. Besten Danken für Ihre post Carte.

Bitte schreiben sie bald und sagen sie zu mir was sie tün und Denken. Warum warten sie auf meinen Brief. I wunsche jeden tag von Ihnen zu hören. Frl. Fyzee ist heir mit ihre Schwester und Schwager der ein Indian Fürst ist. Ich ging vor einige tag um Sie zu besuchen. Sie ist wohl und im besten Giest. Vielleicht werden sie nach Deutchland kommen.

Ich bin sehr beschaftigt - - - wirde England verlassen bald - - - im anfang Juli. Ich weis nicht ob es möglisch sein wird durch Deutchland zu fähren. Es ist meine grosse wunsch Sie zu besuchen vor Ich nach Indien reise. Seien sie nicht grausam - - - Bitte; Schreiben sie bald und alles. Mein Körper ist heir, mein gedanken sind in Deutchland. Es ist Frühling, die Sonne lachelt, mein herz, aber, ist traurig. Senden sie einige worter, und Ihre Brief wird meinen Frühling seien. Ich habe sehr schöne gedanken für sie in meinen traurigen Herzen, und schweigsam gingen sie nach Ihnen ein nach ander. Diese sind meine Wunsche für Sie.

Ihr

Iqbal [1]

10.

c/o Messrs Thomas Cook & Son
Ludgate Circus
London E.C.

10th June 08.

Mein Liebes Frl. Wegenast,

Ich habe schon geschreiben und warte auf Ihren Brief. Heirmit schliese Ich ein Photographie von mir. Vielleich werde Ich eine andere Bild zu Ihnen schiken.

Ihre

S.M. Iqbal

P. S.
Ich reise nach Indien am 2. Juli und werde von da schreiben

49, Elsham Rd.
Kensington W.
London.
7th June 08

Mein liebes Frl. Emma,

Ich habe mein bestes gethan um durch Deutchland zu fahren --- aber es nich moglish ist. Ich werde am 3rd July verlassen und einige Tage in Paris bleiben wo ich etwas zu tun habe.

Bitte schreiben sie bald; Ich wunsche ein Brief von Ihnen zu haben bevor Ich nach Indien reise. Nachtes Jahr hoffe Ich nach Europa zuruck zu kommen und sie zu besuchen. Vergessen Sie nicht dass es gibt eine unsichtbare verbindung zwischen und, obgleich viele länder und meere uns von einander trennen. Mit ein magnetischer gewalt meine gedanken eilen nach Ihnen, und deise verbindung festigen, und stark machen. Schreiben Sie mir immer, und erinnern sie sich dass sie ein treuer freund haben obgleich er entfernt ist. Wenn die herzen bei einander sind entfernung macht nicht.

Bitte schreiben sie gleich

Ihr
S.M. Iqbal

P.S. Es tüt mir lied von Herrn Chanbers' Krankheit zu hören. Ich sagte zu ihm dass er daher sorgvoll sein musse.

Note: *Attached to this letter is a photograph showing an old lady ("Frau Professor"?) and several young students, including Iqbal, together with a note of dedication in German by Mr F. Metzrath (which has been transcribed and translated into English for this book). The photograph is also found in the book by Fakir Syed Waheed-ud-Din's* IQBAL in Pictures *(Lion Art Press, Karachi, 1965). (Note by the Author, 28.2.1997.)*

12.

Sialkote City
India
3rd Sep. 08

Mein liebes Frl. Wegenast,

Ich habe here gekommen. Es ist sehr schade dass es nicht moglisch war sie zu besuchen vor Ich verliess England. Bitte schrieben sie bald was sie tun jetzt. Ich habe entschieden meine Geschäft in Lahore zu beginnen. Es ist ein gutes platz für ein Advocat. Ich glaube dass Sie ins Heidelberg sind. Bitte geben Sie meine salutations zu Frau & Herr Professor, und denken Sie von mir when sie zusammen sind.

Es hat here sehr viel geregelt (geregnet?) Alles ist wässer, und wir hoffen mehr.

Ich habe meine Deutsche ganz fergessen, aber Ich erinnere mich nur ein Wort --- Emma.

Ihr

S.M. Iqbal

13.

Lahore
(India)
11th Jan. 09

Mein liebes Frl. Emma,

Für Ihren Freundlischen Breif Danke Ich Ihnen veilmal. Es ist so gut von Ihnen zu schreiben und sich von mir zu erinnern wenn Ich so wiet bin von Deutschland. Von Heidelberg habe Ich keine Breife von Ihnen erhalten. Vielliecht Ihren Brief ist verloren, und Ich fühle mich sehr traurig zu horen dass meinen Brief verloren gegangen ist.

Meine Landleute gaben mir eine grosse Ehre als Ich ins Indien kam. Es ist nicht moglich für mich in worter zu erklaren. Vielleict 40 gedichte von allen Seiten meinem Land zu mir geschickt werden --- also grusse von Freunde und andre Leute. Als ich ins Lahore kam Sie gaben mir ein garland von gold, und Ich hatte es um meinem Kopf. Es gab viele tusande menschen an der Bahnhöfen von allen stationen von Bombay zum Lahore und Sialkot wo Ich fand viele Kinder und erwachsnen meinen eignen gedichten singend aus der Bahnhof über dem weg.

Es freut mich dass meinen Eltern waren ganz gesund als Ich nach heimaat kam. Meine Schwestern & Mutter sind nun ganz zufrieden mich heir zu haben.

Ich bin nun ins Lahore und arbeite als ein Advokat.

Es ist nicht möglisch für mich immer zu vergessen Ihren schonen Land wo habe ich viel gelernt, und ______________.

Bitte Schreiben Sie immer zu mir ____. Vielleicht wir treffen wieder ins Deutschland oder ins Indien. Nach etwas Ziet als ich ein wenig geld habe, will Ich meinen heim ins Europa machen. Das ist meinen Ansicht und Ich hoffe dass es alles gut sein würden.

Es ist sehr traurig von Herren Chaubal's Todt zu horen. Vielleicht Sie erinnern Sich dass Ich zu ihn vielmal von seinen gesundheit sagte.

Bitte vergessen Sie nicht den Freunden welchen Sie immer zu herzen hat und kann Sie niemals vergessen. Mein Aufenthalt ins Heidelberg erscheint zu mir wie ein Schonen Traum und Ich wunsche es zu weiderholen. Ist es moglisch? Sie kennen wohl.

Mit herzlischen Grüssen
Ihr
S.M. Iqbal
Bar-at-Law
Lahore
(India)

Note: *The last word on p.3 of the MS (viz., sagte) has been all but left out in the [illegible]. (Note by the Author, 12.3.1997.)*

14.

Deutschland
<u>uber alles</u> .

Lahore
(India)
20th July 09.

Mein liebes Fraulien Emma,

Es ist so gut von Ihnen an mich zu schrieben. Es erfreut mich sehr viel ein Brief von Ihnen zu haben, und ich warte angstlich auf der Ziet Sie noch einmal ins Ihre Heimat zu besuchen. Bitte schrieben Sie an mich immer und immer. Deutschland habe ich sehr gern - er hat eine grosse Einfluss uber meine Idealen gemacht, und ich werde neimals vergessen meinen Aufenthalt ins Deutschland. Ich lebe heir ganz allien und finde mich sehr traurig. Unsere Schicksal ist nicht in unserem eigenen Händen. Es gibt ein grosser Macht welcher unseren leben reguliert. Frau Professor, Herr Professor und alle Damen und Herren habe ich immer in meinen Herzen. O die Tag als ich in Deutschland war!

Fraulien Faizi ist ins Bombay. Ihr Mutter ist tot und Sie war sehr traurig. Sie ist ein wenig besser nun. Manchmal ich f uhle mich ganz allien und finde mich in einem grossen Sehnsucht noch Europa und Deutschland in speziel. Bitte geben Sie mir einen kleinen Platz in Ihrem Herzen und Erinnerung.

Ihre Freund
S. M. Iqbal
Bar-at-Law.

15

Lahore
India
22nd Sep 10

Mein Liebes Frl. Wegenast,

Ich habe Ihren Freundlicher Brief erhalten, und danke sie dafür. Heute ist der Brief-Post Tag, aber, unglücklicherweise bin Ich sehr beschäftigt.
Nachste Woche werde Ich schreiben Sie ein langen Brief. Ich glaube werde es moglich sein.
Das Fell ist von einem Tibet Schaaf. Es ist eigentlich zu Halsband (collar) und Ärmel der Überzieher (overcoat).

Mit Herzliche Grüsse

Muhammad Iqbal
Bar-at-Law
Lahore
(India)

Note: *This letter has a post card attached to it. But there are several puzzling things about the card and the letter. First, the size and the text of the letter are too large to be accommodated on the post card; but the letter has no envelope, either. Secondly, the correspondence part of the card has no text; instead, the recipient's address is written across the whole obverse of the card (and no picture, etc., on the reverse has reached the Author).*

Iqbal mentions a Fell (fur) for the collar and arms of an overcoat that he is sending as a present to Emma. Perhaps the fur and the letter were enclosed in a large packet, and Iqbal may have, as a precaution, posted a card separately (which has been franked). Or, he may have stuck the post card on the outside of the packet. Anyway, the letter and the post card remain a bit of a mystery. (Note by the Author, 3.3.1997.)

16.

Lahore .
11th May 1911

Mein Liebes Fraulien Wegenast,

Ihre schone Postkarte habe ich erhalt und schicke meine herzliche grusse zu Ihnen. Ich wünsche sehr viel nach Deutschland zu reisen um Sie zu besüchen, und weis nicht an was tage were es möglich sein. Meine Briefen aber geben Ihnen viel Material zu lacheln für dies Schreckliche Deutsch das Ich schriebe.

Die schone Cravaten hatte Ich erhalten, und ich bin sehr beschämt das Ich war zu beschäftigt Ihnen zu schrieben und meine Danke zu schicken.
Wenn mann einen Sprache nicht schreiben kann seine Fader ist viel miserable und es ist nicht möglich für solch ein Mann seine herzliche gedanken zu entfalten. Ich habe kene Ziet mein Deutsch zu corretieren. Bitte vorgeben mir für meine Fehler. Aber bitte schrieben Sie eine lange briefe. Ich höfe Frau Professor ist wöhl.

Ihre Freund
Muhammad Iqbal

17.

[Post Card]

Viele Danken für Ihre Karte. Bitte Schrieben Sie mir wie geht es Ihnen. Es ist sehr heiss ins Lahore in diese Tagen. Wir leben in einen Hellen. Deutchsland Ich werde neimals forgessen

Iqbal

Den 24th July 1912

Wie ist Frau Prof. Ich glaube den haus ist fül. Es ist der grosse Moschee in Dehli.

Note: *This is a post card, the reverse of which shows the* "Jumma Musjid, Delhi". *The date is actually 24th July 1912, rather than 4th July 1912, as transcribed by Miss Shirin Hobohm and reproduced in the first edition of the book. (Note by the Author, 18.2.1997.)*

18

Lahore
30th July 1913

Dear Miss Wegenast,

I am exceedingly sorry to hear the sad news of your father's death, and though my letter must reach you a good many days after this sad event, yet neither time nor distance can make my sympathy with you in your bereavement any the less warm. The news has pained me very much indeed, and I pray that Almighty God may be pleased to shower his choicest blessings on the venerable old man, and to give you strength to endure your sorrow. 'Verily we are for God and to God we return'. This is the sacred text which we recite when we hear the news of death. And I recited this verse over and over again on reading your painful letter. Such events do happen in everybody's life, and we must meet our troubles like those who have left us their lives to imitate.

You remember what Geothe said in the moment of his death --- "More light". Death opens up the way to more light, and carries us to those regions where we stand face to face with - eternal Beauty and Truth. I remember the time when I read Geothe's poems with you, and I hope you also remember those happy days when we were so near to each other — so much so that I spiritually share in your sorrow.

Please write to me when you feel inclined to do so. I wish I had been in Germany to convey my sympathy to you personally.

May God be with you
Yours ever
Mohammad Iqbal
Advocate
Lahore

19

Lahore
7th June 1914

My dear Frl. Wegenast,

I was most happy to recieve your letter some-time ago. Unfortunately I was not able to attend to it earlier owing to ill health. It is a pity that I cannot write to you in your beautiful German tongue which, I am sorry to say, I have forgotten except that I can read and understand the letters of my German friends. The other day I was reading Heine, and I thought of the happy days when we read the poet together at Frau Professors' in Heidelberg. Good old Lady! I suppose she is alright. Please remember me to her if you happen to see her.

I should like very much to know what you are doing now, and what are your plans if any. I may come to Europe next year. But there is no knowing; all depends on circumstances. If I do come at all I shall certainly visit old Germany and see you once more at Heidelberg or Heilbronn whence we shall together make a pilgrimage to the sacred grave of the great master Geothe.

Although I never had the pleasure to meet your brother and sisters yet I should like you to remember me to them.

Yours Sincerely,
Muhammad Iqbal

Note. *The postman has changed the address from 16, Lousen Str.* (sic), *Heilbronn, to Heidelberg, Mittelstr 12 [which later on became Steuben Strasse], and dated his amendment as 27/6. (Note by the Author, 12.3.1997.)*

Lahore (India)
10th Oct 1919

My dear Frl. Wegenast,

The terrible war is now over, and I have an opportunity to write to you after four long years. Your country has passed through a great ordeal, and I hope she will soon make up the losses caused by the war. During all this time I have been anxious about you and your relations especially about your brothers. Please write to me soon and let me know all about yourself and your brothers. The people of Germany were called upon to make great sacrifices indeed, but life is nothing if it cannot be given for what one supposes to be a great cause. I should like very much to see Germany after the war & hope to be able to do so next year. One of my objects will be to study the fresh commercial possibilities between Germany and India which are likely to open up now. I hope your friends will help me in this matter.

I am anxiously waiting for your letter. Perhaps you will have to write to me more letters than one in order to tell me all that Germany has endured & achieved.

Please excuse me for writing this letter in English, for I would gladly put you to the trouble of getting it translated by somebody rather than schock your ears by my wrong and clumsy German.

Kindly also let me know of Frau Prof. at Heidelberg. Have you ever heard of Herr Reiner? Where is he and what is he doing?

Yours sincerely,

Muhammad Iqbal
Barrister-in-Law
Lahore

Note: *Page 2 of this letter (from* "but life is nothing ... *"to"* ... endured & achieved.") *was erroneously omitted in her transcription by Miss Shirin Hobohm, and so also in the first edition of this book. The missing text has now been reinstated here and also in the Urdu translation (as note 71 to Chapter 9) in the present edition. (Note by the Author, 28.2.1997.)*

PS. *The postman has changed the address from 16, Louisen Strasse* (sic), *Heilbronn, to Heidelberg, Mittelstrasse 12 [which later on became Steuben Strasse], and dated his amendment as 28.11 (or 23.11?). There are also various other redirections and dates on the envelope. (Note by the Author 12.3.1997.)*

21.

Telephone Nº Victoria 2360

113 A, St. James' Court.
Buckingham Gate
S.W.1.
15th Oct. 1931

My dear Frl. Wegenast,

It was very kind of Herr Metzroth to send me your present address, which I recd. this morning. I am thus enabled to write the present letter to you. I hope this will remind yo of the very happy days we spent together at the Heidelberg School --- I mean Pension Scherer.
Please write to me & let me know all that you have [been] doing all these years. I shall be so pleased to hear from you. We shall have to stay in England for some time, and after the Round Table Conference in London is over I intend to go to Rome through Berlin where I shall be able to stay for a few days and to meet some old friends. It will give me immense pleasure to meet you after so many years. Let me know whether you will continue to stay in Heidelberg.

Waiting for your letter
Yours Sincerely
Muhammad Iqbal

Note: *On the envelope of this letter Iqbal has now written the correct house no. (12), although the spelling of the street name is still erroneously Stauben (instead of Steuben). (Note by the Author, 12.3.1997.)*

22

Telephone Nº Victoria 2360

113 A, St. James' Court
Buckingham Gate
S.W.1
20th Oct. 1931

My dear Frl. Wegenast,

It was entremely kind of you to write. I received your letter early in the morning today when I was still in bed. I read it more than once partly because I was so glad to receive it and partly because I wanted to understand it better. I am glad to learn that in spite of the misfortune that you have had to face you are cheerfully getting on in life.

I shall never forget the days at Heidelberg when you taught me Geothe's Faust and helped me in many ways. Those were happy days indeed! I find from your letter that you are not the master of your time. I shall therefore try my best to come to Heidelberg & meet you once more in that old place. I still remember the River Neckar on the bank of which we used to walk together. But nothing is yet certain. I think I shall be able to tell you in a short time whether it is possible for me to come to Germany while going to Rome. I have received an invitation from Rome & want to go there before I finally leave for India.

It is hardly necessary for me to say that I have a great longing to meet you and to revive the memory of those happy days which have, alas!, gone for ever. In the meantime please do write to me.

Yours Sincerely,
Muhammad Iqbal,

P.S. I am no longer a professor.

23

Telephone N° Victoria 2360 113 A St. James's Court.
Buckingham Gate.
S.W.1.
19th Nov. 1931

My dear Miss Wegenast,

It was extremely kind of you to write and I was looking forward to meeting you at Heidelberg. I am, however, extremely sorry to tell you that in view of sudden changes necessitated in my programme it is not now possible to pass through Germany. I am going direct to Rome where Signor Marconi invited me & from there I am proceeding to Jerusalem to attend the International Muslim Conference on the 7th Dec. It would have given me immense pleasure to meet you one more in life & to revive old associations, but, as ill luck would have it, this has become impossible. It is possible that I may come to Europe again next year. If so I hope to be able to make it a point to visit you at Heidelberg. Please accept my heartfelt greeting to yourself and to your lady friends to whom you introduced me at Heidelberg. Do write to me now and then to my address at Lahore - India. As the Persian proverb says --- 'A letter is half the visit'.

Hoping you are quite well

Yours Sincerely

Muhammad Iqbal

24

DR. SIR MUHAMMAD IQBAL
BARRISTER-AT-LAW.

LAHORE
17th Jan 1932

My dear Frl. Wegenast,

I received your letter yesterday and read its contents with great pleasure. I am extremely sorry that I was not able to come to Germany and renew the memory of the happy days which I spent with you & other friends in Heidelberg. It it hardly neceessary for me to say that during all the years I have never forgotten you & have always entertained hopes of meeting you again. But as ill luck would have it my cherished hopes ended in nothing. The memory of the days when we read together Geothe's Faust always comes back to me with painful happiness. You wish me to tell you what I have been doing and thinking during all these years. Well! I have written much and published all that I have written in the way of poetry and philosophy. Yet my mind has always lacked something and has nearly always found itself lonely in my Indian surroundings. The sense of this loneliness increases as I advance in years. But we cannot but accept our lot with resignation. And I have done so with perfect equanimity.

It is a pity that I have not been able to keep in touch with my German; yet I always manage to read and understand your letters with the help of a German dictionary instead of getting them translated by somebody else. It is not good to show one's letters to others. I would finish your letter in three days time and try to understand it alone with the help of a dictionary, but would not show it to others. This is what I have always done.

I am glad to learn that you are living with your sister. I think I saw her photo once which you showed me. Please remember me to her and to your other friends whom I must have met in Germany. I hope to come to Europe again & if I do so I shall certainly make it a point to see you and your sister in Heidelberg. Germany was a kind of second home to my spirit. I learnt much and thought much in that country. The home of Geothe has found a permanent place in my soul.

Hoping you are well
Yours sincerely
Muhammad Iqbal

Note: *Attached to this letter in the Hobohm collection is a post card showing Iqbal as a young man. It is not known whether Iqbal sent the photograph to Emma Wegenast from Lahore in 1932, or whether Emma intercalated it here from her old collection. (Iqbal mentions sending a photograph of his to Emma in his letter (no. 10) dated 10th June 1908.) The same photograph is also to be found in Fakir Syed Waheed-ud-Din's book:* IQBAL in Pictures *(Lion Art Press, Karachi, 1965), entitled there as:* 1908 - London. A Portrait. *This leads the Author to wonder whether Mr Mumtaz Hasan had passed on the* "Wegenast collection" *to Fakir Waheed-ud-Din. (Note by the Author, 28.2.1997.)*

25

Telegrams
c/o QUANSIONS, PARL. LONDON
Telephone
[N° 5510] VICTORIA

12th Dec 1932
QUEEN ANNE'S MANSIONS,
St JAMES'S PARK,
LONDON, S.W.1

My dear Frl. Wegenast,

I am in England again for a short time and write this to inquire whether you are still in Heidelberg --- Stauben Str. 14?
I hope you are quite well. Please write to me soon.

Yours Sincerely
Muhammad Iqbal

The correct spelling of the street name is: Steuben Str., and the correct house number was actually 12 - as the postman seems to have corrected it on the envelope. (Note by the Author.)

26.

Telegrams
c/o QUANSIONS, PARL. LONDON
Telephone
N° 5510 VICTORIA

29th Dec 1932
Queen Anne's Mansions,
St James's Park,
London, S.W.1

My dear Frl. Wegenast,

Thanks for your letter. I am leaving London on Friday --- 30th Dec. According to my present programme I reach Heidelberg on 18th Jan. 1933 at 10.23 p.m. & stop at Bayerischer Hof. The only object of my stay in Heidelberg is meeting you after so many years.

I am looking forward to meeting you with great pleasure.

Yours Sincerely
Muhammad Iqbal

Note: *Someone (perhaps the postman in Heidelberg) seems to have altered the house number in the address from 14 to 12 (but not corrected the street name from Stauben to Steuben). (Note by the Author, 12.3.1997.)*

[Large Post Card]

Madrid 21st Jan. 1933

I returned to Madrid today after having been to the south of Spain. Sorry it would be impossible to come to Heidelberg this time. I had to cancel all the tickets that I had purchased from London as I must catch the boat (Conte Verdi) from Venice on the 10th of Feb. 1933. I may be coming to England in April again.

Yours Si (?)
Md Iqbal

Note: *The reverse of this very large post card shows a street scene of (probably) Madrid. (Note by the Author, 28.2.1997.)*

PS. *The postman has corrected the address to read: Steubenstr 12. (Note by the Author, 12.3.1997.)*

ضمیمہ: ۷

"فلسفۂ عجم" کے مسودۂ کیمبرج کے بعض غیر مطبوعہ صفحات کا عکس

جیسا کہ اس کتاب کے متعلقہ باب (دہم) میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، اگرچہ اقبال کی مطبوعہ کتاب Development of Metaphysics in Persia (Luzac & Co., London, 1908)، جسے ہم نے "نسخۂ ماربرگ" کا نام دیا ہے، اور ان کے بی۔ اے کے تحقیقاتی مقالے ("مسودۂ کیمبرج") میں بیشتر مواد مشترک اور یکساں ہے، اور زیادہ تر اختلافات متن کی Re-arrangement (ترتیبِ نو) پر مشتمل ہیں۔ تاہم اقبال نے اپنے پیش رو مسودے میں کافی قطع و برید سے بھی کام لیا، اور دو مقامات پر تو کئی ایک مسلسل صفحات یکسر حذف ہی کر ڈالے۔ یہ سوال کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا، مزید غور و خوض کا متقاضی ہے۔ میرا ذاتی اندازہ یہ ہے کہ شاید ان کے مقالہ کیمبرج کے ممتحن نے (اور میں جتنا غور کرتا ہوں، میرا یہ قیاس زیادہ مضبوط ہوا جاتا ہے کہ یہ ان کے استادِ دیرینہ پروفیسر طامس آرنلڈ ہی ہوں گے) انہیں ان کو مشورہ دیا ہو کہ ان کے مقالے کے کچھ حصے تازہ تحقیقات کی روشنی میں محلِ نظر ہو گئے ہیں۔ چنانچہ کتابی شکل میں اقبال نے ان اجزاء کو حذف کر کے یا تو نئے حاشیوں (Footnotes) میں پروفیسر آرنلڈ کی کتابوں اور مقالوں کے حوالوں کا اضافہ کر دیا، اور یا متعلقہ موضوعات کا از سر نو جائزہ لے کر انہیں نئے الفاظ میں کتاب میں داخل کیا۔

اس سلسلے میں قابل ذکر مقامات یوں ہیں۔

(الف) "مسودے" کے (حصۂ دوم میں) دوسرے باب کا جزو اول (Chapter II, Section I) جس کا عنوانِ جلی "الفارابی۔ (م۔ ۹۵۰ء)" تھا' بالکل حذف کر دیا گیا ہے۔ یہ جزو تقریباً" چھ صفحات پر محیط تھا (مسودے کے صفحات ۲۱ تا ۲۶)۔ اس جزو کے بجائے کتاب (یعنی "نسخۂ مار برگ") میں صرف ایک دو حاشیوں پر اکتفاء کی گئی ہے (جن میں سے ایک حاشیہ نیا ہے' اور ایک مسودے میں سے نقل کیا گیا ہے)۔

(ب) دوسرا مقام مسودے کے تیسرے باب کا جزوِ اول (Chapter III, Section I) ہے۔ معنون بہ : The Rise of Rationalism' جہاں مسودے کے (پانچ) صفحات ۴۲ تا ۴۶ کتاب میں حذف کر دیے گئے ہیں۔ اس جزو میں ایرانی عقلیوں (Rationalists) پر بحث کی گئی ہے۔ اور بنو امیہ اور معتزلہ کے زمانے کی Free Will Controversy (آزادی ارادہ' یا جبر و اختیار کے مسئلے) کا جائزہ لیا گیا ہے' اور بعض جگہ اقبال نے کافی تند زبان استعمال کی ہے۔ اسی طرح جبریہ اور قدریہ مسالک کے پیرووں کے بارے میں اقبال نے جو تجزیہ یہاں پیش کیا ہے' ہو سکتا ہے کہ اس سے ان کے خارجی ممتحن (پروفیسر آرنلڈ؟) ۲۔ نے کچھ اختلاف کیا ہو' جس کی بناء پر اقبال نے اس تمام مواد کو حذف کر کے پروفیسر طامس آرنلڈ کے مرتبہ رسالے "المعتزلہ" اور ای جی براؤن کی کتاب اور فان کریمر وغیرہ کے مضامین کی طرف اشارے کرنے پر قناعت کی۔ لیکن اس سارے باب (Chapter III) میں اس قدر قطع و برید' کانٹ چھانٹ اور تبدیلی ترتیب کی گئی ہے کہ یہ پورا باب اشاعتِ نو کا متقاضی ہے۔ مثلاً مسودے کے صفحہ ۵۳ پر (جو نیچے درج کیا جا رہا ہے)' ایک طویل اور دلچسپ فٹ نوٹ (حاشیہ) تھا' جو کتاب میں سے حذف کر دیا گیا ہے۔ اس میں قادیانی دبستانِ الٰہیات (Kadian School of Theology) کے بارے میں جو اشارہ ہے' وہ غالباً" اس مسئلے پر اقبال کے اظہار رائے کی اولین مثالوں میں سے ایک ہے۔ (دیکھیے ص ۴۹۳، کتاب ہذا)۔

جیسا کہ میں نے کتاب کے متن میں کہا ہے' اقبال کے تحقیقی مقالے کا یہ نو دریافت نسخہ اس قدر اہم ہے کہ میرے خیال میں اقبال اکادمی پاکستان کو' کیمبرج یونیورسٹی اور جناب ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب کی اجازت کے ساتھ' اسے تمام و کمال شائع کرنا چاہئے۔ فی الحال میں اس جگہ' ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کے مشورے پر' مسودۂ کیمبرج کے مذکورہ بالا دو مقامات کے صرف چند اہم ترین صفحات کی راست نقل (Facsimile) پیش کرتا ہوں۔ پہلا حصہ تو مقام (الف) کے محض حذف شدہ چھ صفحات ہیں (یعنی مسودے کے ص ۲۱ تا ۲۶)۔ لیکن دوسرا حصہ چودہ صفحوں پر مشتمل ہے (یعنی مسودے کے ص ۴۱ تا ۵۴)' تاکہ کاملا" محذوف حصے کے علاوہ قارئین ان صفحات کا مطبوعہ کتاب کے متعلقہ اجزاء کے ساتھ مقابلہ کر کے یہ دیکھ سکیں کہ اقبال نے اس باب میں کس وسیع پیمانے پر نظم و ترتیب میں تبدیلیاں کی تھیں۔

جب تک یہ مخطوطہ مکمل حالت میں شائع نہیں ہوتا' پاکستان میں رہنے والے اقبالی دانشوروں کی آسانی کی خاطر میں نے اس تحقیقی مقالے ("مسودۂ کیمبرج") کی ایک مکمل نقل نومبر ۱۹۸۳ء میں لاہور میں ہونے والی دوسری عالمی اقبال کانگریس کے موقع پر جناب ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب کی خدمت میں اس استدعاء کے ساتھ پیش کر دی تھی کہ وہ اس مسودے پر اچھی سی جلد چڑھا کر اسے اقبال میوزیم (متحف اقبال)' لاہور میں داخل کر دیں' تاکہ وہاں طلبائے اقبال کی اس تک رسائی ہو سکے۔۳۔ واللہ المستعان۔

سعید اختر درانی

برمنگھم

۲۴ جون ۱۹۸۴ء

حواشی

۱۔ پس تحریر: اب جیسا کہ میری نئی کتاب میں تفصیل سے ذکر ہوا ہے ("نوادر اقبال یورپ میں" جو اقبال اکادمی پاکستان کے زیر اہتمام عن قریب ہی چھپنے والی ہے)' یہ معلوم ہوا ہے کہ دراصل جناب آر۔ اے۔

نکسن نے (مع پروفیسر سورلی کے) اقبال کے پی اے کے تحقیقی مقالے کے لئے ریفری (حَکَم) کا کام سرانجام دیا تھا۔ لیکن جیسا کہ میری مذکورہ بالا کتاب میں ذکر ہوا' پروفیسر آرنلڈ نے میونک میں اقبال کے نگران تحقیق پروفیسر فرٹز ہومل (Fritz Hommel) کو اپنے تصدیقی خط میں لکھا کہ وہ اقبال کے اس تحقیقی مقالے کے تمام تدریجی مراحل سے بخوبی واقف ہیں' اور وہ اس مقالے کو "تاریخ فکرِ اسلامی میں ایک بیش بہا اضافہ" کہتے ہیں۔ (درانی۔ لاہور' ۳ مارچ ۱۹۹۵ء)

۲۔ پس تحریر نیا داخلی حکم' مثلاً جناب نکسن۔ (درانی۔ ابوجا' نائیجیریا۔ ۱۷ ستمبر ۱۹۹۵ء)۔

۳۔ پس تحریر: لیکن جہاں تک مجھے علم ہے' یہ مسودہ بوجوہ تاحال اس متحف میں نہیں رکھا جا سکا اور نہ اسے میں نے اس متحف زیبا کے حالیہ معائنے (۱۵ جنوری ۱۹۹۶ء) کے دوران وہاں دیکھا۔ درانی' برمنگھم' ۳ مارچ ۱۹۹۶ء)۔ ہاں اس کا ایک معتدبہ حصہ میں نے ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی کو پہنچا دیا ہے۔ (درانی۔ لاہور' ۳ مارچ ۱۹۹۵ء)

SECTION I. Al-Farābī (d.950 A.D.)

Passing over the names of Sarkhashi[1] and the physician Razi (d.932 A.D.) who looked upon light as the first creation, and admitted the eternity of matter, space and time, we come to the illustrious name of Abu Nasar Al-Farābī, known, among his countrymen, as the second teacher of Wisdom. He was the son of a Persian general. He studied Philosophy with a Christian teacher whose influence is dimly visible in the Metaphysics of the pupil. Protected and respected by the great, he lived a peaceful life expounding and harmonising the disparate views of Aristotle and Plato. While travelling from Damascus to Asqualan, states Al-Baihiq[2] on the authority of his teacher, the philosopher was attacked by robbers, and fell fighting bravely as would befit the son of a soldier.

"Philosophy", says Farābī, "is the science of existence."[3] The object of all Philosophical knowledge is the recognition of the ultimate ground of all that exists, as one immovable active cause of the Universe which He has created purely out of His unlimited bounty and justice.

---

1. Sarkhashi died in 899 A.D. He was a disciple of the Arabian Philosopher Al-Kindi. His works, unfortunately have not reached us.

2. Al-Baihiqi's History of Philosophers; fol.6b.

3. Philosophische Abhandlungen (Farābī); published by Dr. Dietrici p.1.

Metaphysics.

All that exists is either necessary or possible. That which is merely possible or contingent has the ground of its existence in an eternally self-existent existence which has no principle of its existence beyond itself. The fact that the objects around us are actual, shows that the chain of causation which extends from one to the other, must stop at some uncaused cause, or necessary existence. The chair before me, for instance, is a real complete object, the cause of which has now ceased to operate, leaving the effect complete in itself. If this chair had behind it an infinite series of causes which are alternately cause and effect on one another, it must require infinite time to come into its present state of existence. The fact, therefore, that it does exist complete in itself, conclusively proves that the series of causes must stop at an agent which has no cause beyond its own nature. This ultimate cause is the ground of all existence. It is one; since the supposition of its duality would necessitate difference and consequently limitation which would annihilate both. From the character of the necessary existence, therefore, it follows that it is non-spatial, non-temporal, formless, unchanging, absolute and perfect.[1] It must be noticed here that Farābi does not fall into the error of Descartes who inferred the existence

---

1. Phil: Abhand: p.58.

of God from our idea of a Perfect Being. Farābī argues that, being necessary, God must be regarded as a Perfect Being. Descartes, on the other hand, argues that, as a matter of fact, we have the idea of a perfect being. This perfect being must exist; since perfection would be no perfection if it excluded existence. He does not see that the idea of perfection must comprehend the idea of existence; not actual existence. Descartes proceeds from perfection to existence: Farābī from existence or rather the character of existence to perfection.

Cosmology.

It is the eternal nature of the necessary existence - God - that He should manifest Himself through a series of emanations which Farābī enumerates as follows:-[1]

1. The First Intellect - The Universal Soul.
2. The Second intellect - The first created spirit, which proceeds from the First Intellect, and is followed by the Highest Heaven. From this spirit proceed, one from the other, the eight perfect spirits which create heavenly bodies. This makes the second sphere of existence.
3. The Third Intellect - Active Reason which is the cause of the principle of life in nature as well as of the four elements.

---

1. Phil: Abhand: p.59.

4. From the Active Reason flows the soul which loses its original unity; and is split up into a multiplicity of human beings.
5. The Sphere of Form.
6. The Sphere of Matter which is divided into six grades:-
   (a) Heavenly matter - Stars.
   (b) Human matter - body.
   (c) Animal matter - Animal body.
   (d) Plant matter.
   (e) Mineral matter.
   (f) Elemental matter.

But the first intellect, as Farābī holds, comes into being by God thinking of Himself. Its existence is due to the knowledge not to the power of God. Matter, to Farābī, is only another name for the confused perception of spirits. He is almost on the verge of saying that the esse of things is their percipi. Farābī, therefore, is an idealist, and does not recognise the existence of matter as an independent objectivity. The only true reality is Spirit; matter is logically a distinct though not an independent existence.

Psychology.

The soul of man proceeds from, what the Qurān calls, the world of "Amr" - the sphere of the nontemporal and non-spatial. It does not vacillate between motion and rest. For this reason it knows the non-existent which has just disappeared; and also knows the non-existent which is expected to appear.[1] The faculties with which it is endowed are all more or less material in their essence, except reason which is absolutely immaterial. They are divided as follows[2]:-

1. Motive Powers which are:-
   (a) Vegetative
   (b) Animal
   (c) Human
2. Perceptive Powers which are:-
   (a) Animal
   (b) Human

Besides these faculties the soul possesses the power of perceiving universal ideas which do not originate in experience. They exist prior to all experience; and their truth is immediately perceived by the soul. With this inheritance it descends to the

---

1. Phil: Abhand: p.71.
2. Ibid p.72.

world of sense to develop its latent powers with a view to get back gradually, through the heavy ordeal of corporeality, to its ultimate source - the universal thought. The progress from sense-data to what is beyond them, implies energy or will to actualise the possible. The will or continued activity as manifested in the soul's struggle towards God, through the six planes of existence, constitutes the very essence of its being. In its journey heavenward it is watched and guided by pure spirits who, by means of the eternal forms of things existing in the non-temporal, non-spatial sphere, unify its ever increasing experience and carry it on. The higher it rises the freer it becomes from the bondage of dark corporeality. Our life, therefore, is a process of re-spiritualisation - a constant war against matter which obstructs our free activity. Whether this process is infinite, Farābī is not decided.

SECTION II. Ibn Miskawaih[1]. (d. 1030).

Abu Ali Muhammed ibn Muhammed ibn Yaqūb, commonly known as Ibn Miskawaih - the treasurer of the Buwaihid Sultan

---

1. Dr.Boer, in his Philosophy in Islam, gives a full account of the Philosophy of Farābī and Avicenna; but his account of Ibn Miskawaih's Philosophy is restricted to the Ethical teaching of that Philosopher. I have given here his metaphysical views which are decidedly more systematic than those of Farābī. Instead of repeating Avicenna's Neo-Platonism I have briefly stated what I believe to be his original contribution to the thought of his country.

CHAPTER III.

The Rise and Fall of Rationalism in Islam.

SECTION I. The Rise of Rationalism.

The Persian mind, having adjusted itself to new political environments, soon reasserts its innate freedom, and begins to retire from the field of objectivity, in order that it might come back to itself, and reflect upon the material achieved in its journey out of its own inwardness. With the study of Greek thought, the spirit which was almost lost in the concrete, begins to reflect and realise itself as the arbiter of truth. Subjectivity asserts itself, and endeavours to supplant all outward authority. Such a period, in the intellectual history of a people, must be the epoch of rationalism, scepticism, mysticism, heresy - forms in which the human mind, swayed by the growing force of subjectivity, rejects all external standards of truth. And so we find the epoch under consideration.

The period of Umayyad dominance, which Dozy does not inaptly call the period of pagan reaction against Islam, is taken up by the process of co-mingling and adjustment to new conditions of life; but with the rise of the Abbasid Dynasty and the study of Greek Philosophy, the pent-up intellectual force of Persia, burts out again, and exhibits wonderful activity in all the departments of thought and action. The

fresh intellectual vigour imparted by the assimilation of Greek Philosophy, which was studied with great avidity, led immediately to a critical examination of Islamic Monotheism. Theology, enlivened by religious fervour, learned to talk the language of Philosophy earlier than cold reason began to seek a retired corner, away from the noise of controversy, in order to construct a consistent theory of things. In the first half of the 8th century, therefore, we find the Persian Wasil Ibn Ata of Basra starting Mutazilaism (Rationalism) - that most interesting movement which engaged some of the subtlest minds of Persia, and finally exhausted its force in the keen metaphysical controversies of Baghdad and Basra. The famous city of Basra had become, owing to its commercial situation, the playground of various forces - Manichaenism, Greek Philosophy, Scepticism, Christianity, and Buddhistic ideas - which furnished ample spiritual food to the inquiring mind of the time, and formed the intellectual environments of Islamic Rationalism. Space, however, does not permit a detailed account of the progress of free-thought in the church of Islam; it would be sufficient for our purpose if we briefly touch some of its principal aspects, without involving ourselves in the tangled skein of subtle differences of opinion which marked the later history of the school. Their attitude towards the Free Will controversy, their conception of God, and their explanation of matter, are, therefore, the only aspects of Rationalism which

we propose to discuss here.

The Free will controversy connects the Persian Rationalist, on the one hand, with the Qadriyya of Damascus, and, on the other, with the conflict of monism and dualism in the Zoroastrian Church. Von Kremer traces its origin to the influence of Byzantine Christianity on Islamic Dogmatics, and to early theological controversies between Moslems and Christians in Damascus. That Christianity did influence the growth of theological ideas in Islam, I do not deny; but, notwithstanding the close resemblance between the Qadriyya ideas and those of John of Damascus, I am inclined to think that the Free will controversy had its origin largely in the political circumstances which brought about the dominance of the Umayyad Dynasty. Their rule, based on usurpation, was characterised (Abdul Aziz excepted) by that cruel aggressiveness which slighted the subject races, and which, when complained against by the partisans of the House of Ali and other godly people, was defended by an appeal to the supposed Quranic doctrine of Pre-destination - a sort of pious cloak which the Umayyad Caliphs used in order to screen their mischief from the public gaze. During the reign of Hajjaj Ibn Yūsuf - that human monster in whom all the various forms of barbarous cruelty had found their completest embodiment - Mābad, a man of dauntless truthfulness requested his teacher Hasan of Basra to enlighten him on the question of pre-destination, which, as he said, was

used by the sons of Umayyad, as an excuse for all the mischief they had committed and were still committing. Hasan, thereupon replied, "These enemies of God are liars[1]". Armed with the verdict of his master, the fiery disciple who was already hostile to the Caliphate, broke out into open revolt, and became the first martyr in the cause of "Justice." After Mābad, Ghailan of Damascus, a slave of Caliph Uthman, wrote a spirited letter recording all the unjust practices of the reigning dynasty, to Omar ibn Abdul Aziz who, just as he was, admitted all the accusations brought against his family, and appointed the writer to sell, at a public auction, all that unfair means had brought to the state treasury. The independence of Ghailan, however, cost him his life, when Hisham Ibn Abdul Malik came to the throne. In the same period Jahm Ibn Safwan, another advocate of the principle of Justice, was cruelly slaughtered at the instance of the Caliph. The blood of these early martyrs, whose followers counted thousands in the reign of Walid, watered the slender plant of human responsibility, until it grew strong and became one of the five fundamental principles of Rationalism. But the Persian[2] was attracted to this con-

---

1. Shibli: Ilmul Kalam, pp. 17-18.

2. "Adl - Justice - is one of the five principles of Shiā religion. Even now, as then, the ignorant sunni meets the Shiā curses by an appeal to the doctrine of predestination, and to the doubtful saying of the Prophet, "No atom moves except by the permission of God."

troversy for more reasons than one. He advocated the House of Ali, and cursed the Umayyad Dynasty as usurpers of the Caliphate which, as he thought, rightfully belonged to the descendants of the Prophet. On the ground of human responsibility alone, he could justify his curse. He was, moreover, interested in the great problem of the origin of Evil, which had characterised the whole intellectual history of his race. He, therefore, uses only the language of Islamic Theology, and really discusses the old problem which had divided his Zoroastrian forefathers. His opponents perceived the instinctive tendencies of his thought, and accused him of returning to the old Zoroastrian dualism in setting up human will as a sort of rival god in order to account for the existence of evil. Samani, for instance, in his Kitabul Ansab, condemns Nazzam as the veriest prophet of disbelief who mixes together Islam, Manichaenism, Atheism, Philosophy, and all the other forms of heresy that could be imagined.

While the Free will controversy connects the Persian Rationalist, in a way, with Pre-Islamic conditions of thought in Persia, his conception of God which he eventually arrived at by a subtle dialectic, connects him with the succeeding phases of his country's intellectual history. In his discussion of the nature of "thing" he defines it as "that of which something can be predicated[1]." But he holds that the possibility of predication, or, in one word, the individuality

---

1. Stiener p.80.

of a thing, is not an essential factor in its conception. The collection of things we call "Universe", is an externalised or manifested reality which could exist independent of all manifestation. The object of these metaphysical subtleties is purely theological. God, to the Rationalist, is an absolute unity which can, in no sense, admit of plurality, and could thus exist without the created plurality - the Universe. True to his idea of God, he denied the separate reality of divine attributes; and, in order to escape from the idea of inherence, he declared their absolute identity with the abstract divine Principle. This conception underwent further changes; until, in the hands of Mamar ibn Abbad and Abu Hashim, it became a mere abstract possibility about which nothing could be predicated. "He (Mamar) succeeded", says Macdonald,[1] "in reducing the conception of God to a bare indefinable something. We could not say that God had knowledge. For it must be of something in himself, or outside of himself. If the first, then there was a union of knower and known, and that is impossible; or a duality in the divine nature, and that is equally impossible." To show that there is a duality in the nature of God, and consequently the second alternative suggested by Mamar does carry in itself the very essence of reality, was reserved for

---

1. Muslim Theology p.143.

later thinkers. It is, therefore, clear that some Rationalists almost unconsciously touched the outer fringe of later pantheism for which, in a sense, they prepared the way not only by their definition of God, but also by their common effort to internalise the rigid externality of an absolute law.

But the most important contribution of the advocates of Rationalism to purely metaphysical speculation, is their explanation of matter, which their opponents - the Asharites - afterwards modified to fit in with their own views of God. The Rationalist looked upon "existence" as a quality superimposed by God on pre-existing essences or atoms, which he regarded as incapable of perception without this quality. Nazzam, the founder of the atomistic conception of matter, held substance to be a collection of qualities - taste, odour or color - which, in themselves, are nothing more than material potentialities.[1] The soul too is a finer kind of body; and the processes of knowledge are series of mental motions.[2] He further teaches that there can be no such thing as an indivisible atom which, being a mere potentiality, leaves its potential character, and starts up into existence, when that quality is imposed on it. This actualisation of potentialities, he

---

1. Shibli; Ilmul Kalam p.44.
2. Shahrastani p.38.

named "Tafra", which can be translated as the theory of "Atomic objectification." To the rationalist, then, substance and atom are identical; and he defines substance as a space-filling atom which, besides the quality of filling space, has a certain direction, force and existence forming its very essence as an actuality. In shape it is squarelike; for if it is supposed to be circular, combination of different atoms would not be possible.[1] There is, however, great difference of opinion among the exponents of atomism, in regard to the nature of the atom. Some hold that atoms are all similar to each other; while Abul Kasim of Balkh regards them as similar as well as dissimilar. When we say that two things are similar to each other, we do not necessarily mean that they are similar in all their attributes. Abul Kasim further differs from Nazzam in advocating the indestructibility of the atom. He holds that the atom had a beginning in time; but that it cannot be completely annihilated. The attribute of "Baqa" (continual existence), he says, does not give to its subject a new attribute other than existence; and the continuity of existence is not an additional attribute at all. The divine activity

---

1. In my treatment of the atomism of Islamic Rationalists, I am indebted to Arthur Biram's publication: "Kitabul Masail fil Khilaf Beyn al-Basriyyin wal Baghdadiyyin."

created the atom as well as its continual existence. Abul Kasim, however, admits that some atoms may not have been created for continual existence. He denies, also, the existence of any intervening space between different atoms; and holds, unlike other representatives of the school, that the essence or (atom) could not remain essence in a state of non-existence. To advocate the opposite is a contradiction in terms. To say that the essence (which is essence because of the attribute of existence) could be essence in a state of non-existence, is to say that the existent could be existent in a state of non-existence. It is obvious that Abul Kasim, here, approaches the Asharite theory of knowledge, which dealt a serious blow to the Rationalist theory of matter.

SECTION II. Reaction against Rationalism.

Such is briefly the metaphysics of Rationalism. Patronised by the early Caliphs of the House of Abbas, it continued to flourish in the intellectual centres of the Islamic world; until, in the first half of the 9th century, it met the powerful orthodox reaction which afterwards found a most energetic leader in Al-Ashari (b.873 A.D.) - a samite by origin - who studied under Rationalist teachers only to demolish, by their own methods, the edifice they had so laboriously built. Rationalism was an attempt to measure reality by reason alone; it implied the identity of the spheres of religion and Philosophy, and strived to express what is emotional in the forms of concepts or terms of pure thought. It ignored the facts of human nature, and tended to disintegrate the solidarity of the Islamic Church. Hence the reaction.

The progress of thought must always follow the same laws; we see here the 18th century history of European speculation anticipated, with remarkable clearness, in the land of Persia. The reaction against German Rationalism which was eventually destroyed by Kant, much in the same way as Ashari destroyed Islamic Rationalism, set up tendencies of thought manifesting

themselves in Fichte, Schlegel, De Maistre,[1] Schleiermacher, Jacobi and Comte. The system of Fichte starts with a sceptical inquiry concerning the nature of matter, and finds its last word in Pantheism. Schlegel and De Maistre find a resting place in the authority of an infallible heirarchy; Schleiermacher appeals to faith as opposed to reason; Jacobi points to a source of knowledge higher than reason; while Comte abandons all metaphysical inquiry, and limits all knowledge to sensuous perception. With the reaction against Islamic Rationalism, similar tendencies of thought, though modified by the character of the people, made themselves manifest in Persia. Let us examine them briefly:-

1. Scepticism. The tendency towards scepticism was the natural consequence of the purely dialectic method of Rationalism. Men like Ibn Ashras and Al-Jahidh who apparently belonged to the rationalist camp, were really Sceptics. This tendency was moreover fostered by the political revolution of the later Umayyad period, and the social conditions of the early Abbassid period, when representatives of different shades of religious opinion

---

1. Höffding thus sums up the views of De Maistre:-
"It is faith not science which must rule men. God imparts his vital truths not through learned academies, but through authorities of Church and state .... How few are able think aright! And not one is able to think rightly on all subjects....... Hence we must start with authority....... The only remedy for the present state of things is the recognition of the absolute infallibility of the Pope." (History of Modern Philosophy Vol. II. p.297). The followers of the Ismailia sec could not adopt a better line of argument.

met and discussed their respective opinions on terms of perfect equality.

2. Sufiism - an appeal to a higher source of knowledge which was first systematised by Dhul-Nūn, and became more and more deepened, and anti-scholastic in contrast to the dry intellectualism of the Asharite. We shall consider this interesting movement in the following chapter.

3. Later on in the beginning of the 10th century - when the Asharite had almost completely demolished the stronghold of Rationalism - we see a tendency towards what may be called, Persian Positivism. Al-Beruni[1] (d.1048) and Ibn Haitham[2] (d.1038) who anticipated modern empirical Psychology in recognising what is called reaction-time, gave up all inquiry concerning the nature of the supersensual; and maintained a prudent silence about religious matters. Such a state of things could have existed before Ashari, but it

---

1. "He (Al-Beruni) quotes with approval the following, as the teaching of the adherents of Aryabhatta: It is enough for us to know that which is lighted up by the sun's rays. Whatever lies beyond, though it should be of immeasurable extent, we cannot make use of it; for what the sunbeam does not reach, the senses do not perceive, and what the senses do not perceive, we cannot know. From this we gather what Beruni's Philosophy was: only sense - perceptions, knit together by a logical intelligence, yield sure knowledge."

(Boer's Philosophy in Islam p.146.)

2. "Moreover truth for him (Ibn Haitham) was only that which was presented as material for the faculties of sense-perception, and which received it from the understanding, being thus the logically elaborated perception." (Boer's Philosophy in Islam p.150)

could not have been logically justified.

4. The revival of authority. This tendency has two different aspects; the one more semitic in character, the other characteristically Persian; the one went back to the authority of Revelation, the other to the authority of a visible head of the Church; the one repudiated Rationalism altogether, the other came to an understanding with it.[1] Let us briefly consider the two aspects:-

1st Aspect - The Ismailia Sect.

The Ismailia movement is one aspect of the persistent battle[2] which the politically slave but intellectually independent

---

1. Once more in his intellectual history, the Moslem, at least in Egypt and India, has felt the influence of western ideas; and we see exactly the same phenomena reproducing themselves. I claim no knowledge of the tendencies of Islamic thought in Egypt; in India liberalism in Theology began with Sir Sayyid Ahmad Khan; and his deification of reason provoked a similar reaction. We find his Rationalism followed by the same scepticism or silence about religious matters among the younger generation; the same craving for authority manifested in the Kadian school of Theology; and finally the same revival of sufiism which, contrary to its traditions of secrecy, has not refrained from starting monthly magazines in order to unveil the mysteries of human spirit.

2. Ibn Hazm in his Kitabul Milal, now published in Egypt, looks upon the heretical sects of Persia as a continuous struggle against the Arab Power which the cunning Persian attempted to shake off by these peaceful means. See Von Kremer's Geschichte der Herrschenden Ideen des Islams p.10,11, where this learned Arab historian of Cordova is quoted at length.

Persian waged against the religious and political ideals of Islam. Originally a branch of the Shiite religion, the Ismailia sect assumed quite a cosmopolitan character with Abdulla ibn Meymun - the probable progenitor of the Fatimid Caliphs of Egypt - who died about the same time when Ashari, the great opponent of Freethought, was born. This curious man imagined a vast scheme in which he weaved together innumerable threads of various hues, resulting in a cleverly constructed equivocation, charming to the Persian mind for its mysterious character and misty Pythagorean Philosophy. Like the Association of the Brothern of Purity, he made an attempt, under the pious cloak of the doctrine of Imamat (Authority), to synthesise all the dominating ideas of the time. Greek Philosophy, Christianity, Rationalism, Sufiism, Manichaenism, Persian heresies, and above all the Aryan idea of reincarnation, all came forward to contribute their respective shares to the boldly conceived Ismailian whole, the various aspects of which were to be gradually revealed to the initiated, by the "Leader" - the ever incarnating Universal Reason - according to the intellectual development of the age in which he incarnated himself. In the Ismailian movement, Free-thought, apprehending the collapse of its ever widening structure, seeks to rest upon a stable basis, and, by a strange irony of fate, is led to find it in the very idea

ضمیمہ ۸:

لندن یونیورسٹی کا نصابِ عربی ۰۸/۱۹۰۷ء

نوٹ از مصنف:

وسط نومبر ۱۹۸۴ء میں مجھے جناب محمد یوسف مغل کا خط موصول ہوا کہ وہ اورینٹل کالج لاہور میں جناب ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کے زیر نگرانی "علامہ اقبال کے فکر و فن پر عربی فکر و ادب کے اثرات" کے موضوع پر پی ایچ ڈی (عربی) کی ڈگری کے لئے ایک تحقیقی مقالہ تحریر کر رہے ہیں۔ انہوں نے لکھا کہ "اس مقالے کے ایک باب کے موضوع پر پاکستان میں ملنے والی سب کتابیں اور حضرات خاموش ہیں۔ وہ دقت یہ ہے کہ حضرت علامہ نے ۰۸/۱۹۰۷ء کے دوران اپنے استادِ مکرم جناب پروفیسر سرتامس آرنلڈ کی چھ ماہ کی رخصت کے زمانے میں لندن اسکول آف اورینٹل اینڈ افریقن اسٹڈیز میں عربی پڑھائی تھی۔ میں تحقیق کرنا چاہتا ہوں کہ ان کتب عربی کا حضرت علامہ کے کلام (اور فکر و فن) پر کیا اثر ہے۔ لہذا اگر متعلقہ کتب عربی کی ببلیو گرافی مل جائے تو میری مشکل آسان ہو جائے ۔۔۔۔ پروفیسر وحید قریشی صاحب نے مشورہ دیا ہے کہ اس سلسلے میں آپ سے رابطہ قائم کروں"۔

یہ ایک دلچسپ سوال تھا' اور مجھے بھی ایک آدھ مرتبہ یہ خیال آیا تھا کہ نہ جانے حضرت علامہ نے سرٹامس کی نیابت میں لندن میں کیا لکچر دیے تھے۔ مگر اس موضوع کی تفصیل کہیں نظر سے نہ گذری تھی۔ (مس وگیے ناسٹ کے نام اپنے خط

نمبر ۵ مورخہ ۲ دسمبر ۱۹۰۷ء میں (دیکھئے اس کتاب کا متعلقہ مضمون) جناب اقبال لکھتے ہیں کہ "میرے لئے قطعی لازم تھا کہ میں پانچ نومبر کو لندن میں ہوں۔ پروفیسر آرنلڈ مصر گئے ہیں اور میں عربی کا پروفیسر مقرر ہوا ہوں۔ میرے ذمے ہفتے میں دو لکچر ہیں"۔ پھر خط نمبر ۸ مورخہ ۲۶ فروری ۱۹۰۸ء میں لکھتے ہیں۔ "آج شام بھی مجھے ایک لکچر دینا ہے۔ تصوف"۔ (اگرچہ یہ معلوم نہیں کہ آیا یہ لکچر ان کی عربی تدریس کے سلسلے میں تھا یا کسی علمی انجمن کے زیر اہتمام)۔۲۔

بہرحال، اس بارے میں میں نے کوئی تحقیق نہیں کی تھی۔ لیکن مغل صاحب کا خط آنے پر مجھے تحریک ہوئی کہ اس بات کا کچھ کھوج نکالا جائے۔ حسن اتفاق سے اس کے چند روز بعد ہی (۳۰ نومبر ۱۹۸۲ء کو) میرا لندن جانا ہوا، جہاں میں بی بی سی کے سائنسی مشاورتی گروہ کے (BBC Science Consultative Group)، جس کا میں رکن تھا) سالانہ ڈنر پر مدعو تھا۔ میں نے پچھلا پہر وہاں اس کام کے لئے وقف کیا۔ سب سے پہلے میں نے لندن کے دبستان شرقی و افریقائی (SOAS) کے لائبریرین رمیش ڈوگرا صاحب سے استفسار کیا۔ لیکن انہوں نے کہا کہ ۱۹۰۷ء کے یونیورسٹی کیلنڈر وہاں موجود نہیں ہیں۔ چنانچہ ان کے مشورے پر میں لندن یونیورسٹی کی Senate House Library (واقع Malet Street) میں چلا گیا۔ وہاں ایک نوجوان لائبریرین Mr Stephen Clewes نے، جو علامہ اقبال کے نام سے بخوبی واقف تھے، اس تلاش میں میری بہت مدد کی۔

سب سے پہلے انہوں نے مجھے لندن یونیورسٹی کی تاریخ کی ایک کتاب دکھائی، جس میں واضح طور سے تحریر تھا کہ "لندن اسکول آف اورینٹل اسٹڈیز" ۱۹۲۸ء میں یونیورسٹی کے قواعد کے زیر تحت "تحقیقاتی مقاصد کے پیش نظر" لندن یونیورسٹی کا باقاعدہ حصہ بنا تھا ("Incorporated for the purposes of Research") – اس سے پہلے یہ دبستان "یونیورسٹی کالج لندن" کا ایک حصہ ہوتا تھا۔۳۔ پھر میں نے یونیورسٹی کالج لندن کے اساتذہ کی فہرستیں بغور دیکھیں۔ لیکن ان میں کہیں ڈاکٹر شیخ محمد اقبال کا ذکر یا نام نظر نہیں آیا۔ اگرچہ میرا قیاس ہے کہ اس بات کا اندراج یونیورسٹی

یا سینیٹ کے کاغذات میں کہیں نہ کہیں ضرور ہوگا۔ ہاں پروفیسر طامس آرنلڈ کا اسم گرامی یونیورسٹی کالج لندن کے اساتذہ کی فہرست میں متعدد بار نظر آیا۔ یعنی

Professor Thomas Walker Arnold. M. A. (Cambridge). Member, Faculty of Arts; University College, London: Professor of Arabic in the Section of Oriental Languages and Literature

(بر سبیلِ تذکرہ' ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ ۱۹۳۴ء میں یونیورسٹی کالج لندن سے گریجویشن کرنے والے ایک طالب علم کا نام "آفتاب اقبال" وہاں درج تھا۔ جو ہو سکتا ہے علامہ اقبال کے بڑے صاحبزادے ہوں۔ م۔ ع)۔

بہرحال' جناب اسٹیفن کلیوز نے میری درخواست پر از راہِ کرم لندن یونیورسٹی کے ۱۹۰۶ء-۱۹۰۷ء اور ۱۹۰۸ء کے University Calendars اور University Regulations کی سب کتابیں میز پر جمع کر دیں۔ ان میں سے موضوعِ زیرِ بحث سے متعلق جو مواد مجھے نظر آیا وہ میں نے نقل کر کے جناب یوسف مغل صاحب کو بھیج دیا۔ اور اس کے چند روز بعد متعلقہ مواد کی فوٹو کاپیاں کلیوز صاحب کی مدد سے لندن یونیورسٹی سے حاصل کر لیں۔ چونکہ یہ ایک نئی چیز ہے' اور شاید طلبائے اقبالیات کے لئے عام دلچسپی کا باعث ہو' اس لئے میں ان مندرجات کا عکس اس کتاب میں ضمیمے کے طور سے شامل کرتا ہوں۔

ان دستاویزوں کی توضیح کے لئے شاید ایک دو باتیں کار آمد ہوں گی۔ اول یہ کہ میں نے یہاں دو الگ کتابوں کے کئی مختلف صفحات سے متعلقہ اقتباسات منتخب کر کے انہیں یکجا کر دیا ہے۔ پہلی کتاب Regulations and Courses for Internal Students (University of London): September 1907 ہے۔ اور دوسری کتاب Calender of the University of London: 1907-08 ہے۔ پھر یہ کہ عکس کے پہلے صفحے پر میں نے سر طامس آرنلڈ کے دیئے جانے والے لیکچر کورس کا ٹائم ٹیبل اور موضوعات کی تفصیل درج کی ہے۔ اور دلچسپی اور تقابل کی خاطر لندن یونیورسٹی کے تیسرے اور کالجوں میں دیئے جانے والے عربی کورسوں کا عکس بھی شامل کر

دیا ہے، جہاں کم و بیش یہی نصاب پڑھایا جا رہا تھا۔ اس کے بعد صفحہ اول پر بی اے آنرز کی ڈگری کا نصاب اور اس کے قواعد بھی درج ہیں۔ صفحہ دوم پر لندن یونیورسٹی کے میٹریکیولیشن، بی۔ اے (پاس ڈگری)، اور ایم۔ اے کے کورسوں کے قواعد اور نصابوں کی تفصیل دکھائی گئی ہے۔

فی الحال یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ علامہ اقبال نے ۰۸/۱۹۰۷ء میں کون سی جماعتوں کو درس دیا تھا۔ لیکن میرا ذاتی خیال ہے کہ یہ غالباً" بی۔ اے آنرز کا کورس ہوگا، کیونکہ صرف اس کلاس کا ٹائم ٹیبل ۰۷/۱۹۰۶ء اور ۰۸/۱۹۰۷ء کے کیلنڈروں، اور ستمبر ۱۹۰۷ء و ستمبر ۱۹۰۸ء کے ضوابط (Regulations) میں شامل ہے، اور وہاں دی گئی کتابوں کی فہرستوں میں بھی مطابقت ہے۔ اور یوں بھی لندن یونیورسٹی میں ایم۔ اے (عربی) کی کلاسوں کا امکان کم ہی ہے (باجود اس کے کہ اس زمانے میں برطانوی سلطنت، مصر اور دیگر عرب ممالک پر حاوی تھی)۔ مزید برآں میٹریکیولیشن اور بی۔ اے (Pass Degree) کا معیار شاید ان علماء کی توجہ سے فروتر تھا۔ لیکن اس بارے میں لندن یونیورسٹی کے کاغذات میں مزید تحقیق کی گنجائش اور ضرورت ہے۔

ہاں، میں نے ۱۹۰۷ء کے کیلنڈر اور کتب ضوابط میں درج نصابوں کا ۱۹۰۶ء اور ۱۹۰۸ء کے نصابوں سے مقابلہ کیا ہے، اور ان میں بہت کم باہمی فرق پایا ہے۔

آخر میں ایک توضیحی اشارہ کافی ہوگا۔ وہ یہ کہ Noldeke (اور Mueller) کی کتاب کا جو لاطینی نام ہے یعنی "Delectus carminum veterum Arabicorum" اس کا انگریزی ترجمہ Selections form Ancient Arabic Poetry (قدیم عربی شاعری کے انتخابات) ہے۔

باقی اندراجات کا ترجمہ اور توضیح، اور ان کا مفصل جائزہ، اس موقعے پر غیر ضروری ہے۔

سعید اختر درانی

۲۱ جون ۱۹۸۴ء

حواشی

۱۔ پس تحریر: اب معلوم ہوا ہے (دیکھئے میری تازہ کتاب "نوادر اقبال یورپ میں" "قریب الطبع" اقبال اکادمی پاکستان) کہ یہ نیابت صرف تین ماہ کے لئے تھی' یعنی اوائل نومبر ۱۹۰۷ء سے آخر جنوری ۱۹۰۸ء تک۔ (درانی۔ لاہور' ۳ مارچ ۱۹۹۵ء)

۲۔ حاشیہ بالا کے پیش نظر اغلب ہے کہ علامہ نے اپنے ۲۶ فروری ۱۹۰۸ء والے خط بنام ایما ویگے ناسٹ میں "تصوف" پر اپنے جس لیکچر کا ذکر کیا ہے' اس کا "دبستان شرقی" میں اقبال کے سلسلہ دروس سے تعلق نہیں ہوگا۔ (درانی' برمنگھم' ۳ مارچ ۱۹۹۶ء)

۳۔ پس تحریر: دبستان کے نام میں "و افریقائی" ("& African") کا اضافہ بہت بعد میں ہوا۔ اس ادارے کے لائبریرین جناب رمیش چندرا ڈوگرا کی فراہم کردہ اطلاع کے مطابق' ۱۹۳۸ء میں جب وہاں شعبہ افریقا (Africa Department) کھلا' تو دبستان کے نام میں مذکورہ اضافہ کیا گیا۔ (درانی' برمنگھم' یکم جولائی ۱۹۹۶ء)

۴۔ رسالہ "شاعر" بمبئی کے "اقبال نمبر" (جلد اول' ۱۹۸۸ء) کے ص ۵۶۳ پر جناب آفتاب کے' اپنے تا تا جان (ڈاکٹر شیخ عطا محمد صاحب) کے نام' خط کا عکس شائع ہوا ہے' جو اول الذکر نے ۲۱۔ کرامویل روڈ' ساؤتھ کنسنگٹن' (21 Cromwell Road, South Kensington)' لندن' سے بتاریخ ۳ جولائی ۱۹۲۲ء تحریر کیا تھا۔ اس میں آفتاب اقبال' لندن یونیورسٹی کے امتحان میں بیٹھنے کی فیس ادا کرنے کے لئے تا تا جان سے قرض کے طور سے روپیہ مانگ رہے ہیں۔ وہ استدعا کرتے ہیں کہ مس بیک (Miss Beck) کو ان کے واجب الادا ۳۵ پاؤنڈ جلد از جلد بھیج دیے جائیں۔ ہاں' میرا اندازہ ہے کہ یہ مس بیک وہی ہیں جن کے گھر میں اقبال پہلے پہل (مارچ۔ اپریل ۱۹۰۷ء میں) عطیہ فیضی سے ملے تھے۔ اور جن کے متعلق عطیہ بیگم اپنی کتاب Iqbal ("مطبوعہ Aina-i-Adab' طبع ثانی' لاہور ۱۹۶۹ء) میں لکھتی ہیں کہ "مس بیک' جو ہندوستانی طلبہ کی ضروریات کی نگہداشت کرتی تھیں اور ایک ماں کی طرح ان پر اپنی محبت نچھاور کرتی تھیں....." (ص ۱۲' کتاب' مذکورہ۔ ص ۱۰ بھی دیکھئے)۔ اور جیسا کہ میں نے موجودہ کتاب کے مضمون دہم ("فلسفہ عجم") کے حاشیہ نمبر ۱۰ میں بیان کیا ہے' میرا خیال ہے کہ یہ مس بیک شاید پروفیسر طامس آرنلڈ کے قدیمی دوست (اور علی گڑھ کالج کے سابق پرنسپل) پروفیسر Theodore Beck کی ہمشیرہ یا کوئی عزیزہ ہوں گی۔ بہرصورت' یہ آفتاب اقبال جن کا نام میں

سے یونیورسٹی کالج لندن کی گریجویشن لسٹ (Graduation List) میں دیکھا تھا' بالضرور علامہ اقبال کے فرزند ارجمند ہی ہوں گے۔ ہاں یہ واضح نہیں کہ اگر جناب آفتاب جولائی ۱۹۲۱ء میں امتحان میں بیٹھنے والے تھے' تو ان کو ڈگری ۱۹۲۳ء میں کیوں ملی۔ (درانی۔ بہ منگم' ۲۸ جون ۱۹۹۶ء)

لندن یونی ورسٹی کا نصابِ عربی

(۱۹۰۸ء / ۱۹۰۷ء)

عکس

(from: Regulations, Sept. 1907)

Faculty of Arts.

FACULTY OF ARTS: INSTRUCTION-COURSES.

ARABIC.

University College.

ARNOLD, T. W., M.A. — A 1 * ARABIC. Times to be arranged. (2 hours a week.) Term Fee 3 3 0

Junior Class: Socin's *Arabic Grammar*; *Mamali-Adab*; *Al-Fakhri*. Senior Class: *Al-Mu'allaqat*; *Maqamat* of al-Hariri; the *Hamasah* of Abu Tammam.

King's College.

Hindie, Nedjib. — X 1 ARABIC. (1st & 2nd Years.) M. & Th. 4-5. [60 hrs.] Term Fee 3 3 3
Grammar, translation and composition. Special texts, *Al Qur'an*, Surahs 78-114. *Majani-l-Adab* (Beyrout). *Al-Fakhri* pp. 201-330.

A 1 * ARABIC. Times to be arranged. Two hours a week. Do.

Grammar, History, Selections from *Kitab-al-Aghani*, *Maqamat*, *Al Qur'an*—Selected Surahs.

A 2 General Class. Times to be arranged.

For Officers in the Army, Navy, and Civil Services. Lessons in colloquial and written Arabic.

St John's Hall, Highbury.

HARDING, REV. H. G. (M.Ph., Faculté Impériale de Médecine, University of Constantinople). — A 1 ARABIC GRAMMAR. 1st Term. S., 4-5. Term Fee 1 1 0

For Students of Hebrew.

A 2 QURAN. 2nd Term. S., 4-5. Do.
Arabic Text and Subject Matter.

Jews' College.

HIRSCHFELD, H., Ph.D. — A 1 ARABIC. Th., 11-12. Course Fee 6 6 0

Grammar; Syntax. Texts: Selected portions of *The Quran*, Nöldeke — Mueller: *Delectus carminum veterum Arabicorum*, Hirschfeld: *Arabic Chrestomathie in Hebrew characters*.

(from: Regulations, B.A. HONOURS DEGREE Sept. 1907)

Arabic.*†

1. Selections from the *Kitab-al-Aghani* (Beyrout edition, 2 vols.).
   Selections from early Arabic poetry.
   Al-Qur'an—selected Surahs.
2. Questions in Grammar. Passages for translation from English into Arabic.
3. Questions on the History of Arabic Literature.

---

* If this Subject be selected, Notice must be given, and the Fee paid, Five Calendar Months before the beginning of the Examination.

† Prescribed subjects in Arabic for 1908 and 1909:—

1. *Kitab-al-Aghani* (Beyrout edition): Vol. I (pp. 1-101).
2. *Al-Qur'an*: Surahs 1-3, with al-Baidawi's *Commentary* (ed. Fleischer).
3. The *Maqamat* of Hariri (ed. Steingass), *Maqamat* I. to V.
4. Nöldeke: *Delectus carminum veterum Arabicorum*.

ARABIC.[1]

The paper shall contain easy passages for translation into English, and questions on Grammar.

[1] See the first footnote on page 241.

(from: Regulations, Sept. 1907)

Arabic.* B.A. (Pass) Degree: Final Arts

Subjects will be selected from the following† :—

Kitāb-al-Aghānī (Beyrout edition).
Al-Fakhrī.
Al-Qur'ān.

Questions will be set in Grammar and in the History of Religious Literature.

Easy unseen passages. Translations from English into Arabic.

---

* If an Oriental Subject be selected, Notice must be given, and the Fee paid, Five Calendar Months before the beginning of the Examination.

† Prescribed Subjects in Arabic for 1908 :—
(1) *Aghānī-l-Adab* (Beyrout edition), Vol. II.
(2) *Al-Qur'ān*, Sūrahs 76–114.
(3) *Al-Fakhrī* (ed. Dérenbourg), pp. 201–350.

(from: Regulations, Sept. 1907)

II.—ARABIC. M.A. Degree

Candidates will be examined in the following :—

Section A.—Prose :

Al-Qur'ān, with the Commentary of al-Baidāwī.
Ibn Hishām' : *Life of Muhammad* (ed. Wüstenfeld).
Maqāmāt of al-Harīrī (second half).
Ibn al Athīr, *Ayyām al 'Arab* (ed. Tornberg, I. p. 367—end).
Prolegomena of Ibn Khaldūn.
Mas'ūdī, *Murūj al-Dhahab*, I.-LXX.

Section B.—Poetry :

Ten Arabic Poems (ed. Lyall).
Hamāsa (Books I.-III.).
One of the following Dīwāns :
Zuhayr, Labīd, Imru'al-Qays, Alqama, Nābigha.

Five papers will be set of three hours each, as follows :—

1 and 2. Passages selected from the set books for translation into English.

3. Passages from un-set books for translation into English.

4. Questions on the history of Arabic Literature.

5. Questions on Arabic Grammar, and passages of English for translation into Arabic Prose.

ضمیمہ ۹:

سر طامس آرنلڈ دربارۂ اقبال[۱]

ترجمہ: سعید اختر درانی

ہندوستان میں جدیدیت کی تحریک کی سب سے قابلِ توجہ آواز سر محمد اقبال کی شاعری میں سنائی دیتی ہے' جو مغربی فلسفے کے ایک سنجیدہ اور متبحر طالب علم ہیں۔ وہ فلسفیانہ افکار کی تازہ ترین پیش رفت سے آگاہ ہیں' اور یوں انہوں نے برگساں اور نطشے کے بعض خیالات کو اپنے نظریات میں سمو لیا ہے۔ لیکن اپنے تمام علم و تربیت اور مطالعے کے باوجود اس کا یہ مطلب نہیں کہ سر محمد اقبال محض دوسروں ہی کے خیالات کی بازگشت ہیں۔ بلکہ وہ صریحاً" ایک بدیع اور اچھوتے مفکر ہیں۔ اس مضمون میں ہمارا سروکار ان کے فلسفیانہ خیالات سے نہیں ہے' بلکہ دین اسلام کے بارے میں ان کے نقطہ نظر سے ہے۔ اپنی شاعری میں وہ (پیغمبر اسلام' حضرت) محمدؐ کی ذات کے ساتھ ایک والہانہ عقیدت کا اظہار کرتے ہیں' جن کا احترام وہ سب سے زیادہ بطور ایک پیغمبر عمل کے کرتے ہیں۔ اور ان کا اعتقاد ہے کہ محمدؐ (رسول اللہ) کی تعلیمات ہی میں ایک عینی معاشرے کی بنیاد مضمر ہے' اور کہ شخصیت کے پرجوش اظہار' اور خودی اور ارتقائے ذات ہی کے ذریعے عالم اسلام کی نشاۃ ثانیہ وقوع پذیر ہو گی۔ جس قدر کہ ہر مسلمان اپنے آپ کو ایک مرد کامل بنانے میں کوشاں ہو گا' اسی قدر دنیا میں اسلام ترقی پائے گا۔ رسول خدا کی زندگی سے جو تعلیم ملتی ہے' اس کا روشن ترین عملی

کو اس درجہ سرافراز کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس آرام و سکون کے لئے کوئی جگہ نہیں بچتی جو اسلامی تصوف کا طرۂ امتیاز تھا، اور جس کے خلاف اس مصنف نے جہاد میں کوئی دریغ روا نہیں رکھا۔ ہندوستانی مسلمانوں کی نئی پود پر ان کا (اقبال کا) اثر بہت دور رس ہے۔ تاہم یہ قدرتی بات ہے کہ چونکہ انکی تعلیمات ایک خاص فلسفیانہ انداز میں پیش ہوئی ہیں، اس لئے ان کا نتیجہ کسی منظم دینی تحریک کے طور سے ظاہر نہیں ہوا۔ اور نہ دراصل یہ اس صاحب قلم (اقبال) کی کسی طور بھی غرض و غایت تھی۔

حواشی

۱۔ یہ اقتباس سر طامس آرنلڈ کی کتاب The Islamic Faith (دین اسلام)، مطبوعہ Ernest Benn Ltd، لندن ۱۹۲۸ء، سے لیا گیا ہے (ص ۷۶-۷۷)۔ یہ کتابچہ محض ۸۷ صفحات پر مشتمل ہے، اور اس میں اسلام کے عقائد، اس کے اعمال حسنہ، اور دنیا بھر میں اس کے اثرات وغیرہ کا بڑے جامع طور سے احاطہ کیا گیا ہے۔ اس کے آخری صفحات میں مذہب اسلام کے (بوقت طبع) جدید پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ چونکہ یہ علامہ اقبال کے استاد مشفق کے، ان کے (یعنی اقبال کے) بارے میں خیالات ہیں، اس لئے یہ باعث دلچسپی ہوں گے۔ اور چونکہ اس تحریر کا ترجمہ اور کہیں میری نظر سے نہیں گزرا، اس لئے میں نے اس کو یہاں بطور ضمیمہ درج کرنا مناسب سمجھا ہے۔ (درانی۔ یہ منگھم، ۲۶ نومبر ۱۹۹۵ء)

اشاریہ

1۔ یہ اشاریہ متن کتاب کے صفحہ 11 تا 302 پر محیط ہے (یعنی حواشی اور ضمیمے اس کے دائرے میں شامل نہیں ہیں)۔

2۔ اشاریہ حسب ذیل نوعیت کے اسماء تک محدود ہے:

الف۔ اشخاص (ماسوا اقبال کہ ان کا ذکر کسی نہ کسی عنوان "تقریباً" ہر صفحے پر موجود ہے)۔

ب۔ ادارے (سکول' کالج' جامعات' ناشرین' انجمنیں وغیرہ)۔

ج۔ مقامات (ممالک' شہر' قصبے اور صرف وہ عمارات جہاں اقبال مقیم رہے)۔

3۔ انگریزی اور دیگر یورپی زبانوں کی کتابوں اور مجلات' اور بعض مشکل اور نامانوس اسمائے رجال و مقامات وغیرہ کے ناموں کا ایک الگ اشاریہ آخر میں دیا گیا ہے۔

اردو

یورپی زبانیں

''اقبال یورپ میں''......طبعِ اول پر چند نقادوں کی آراء

1- پروفیسر انیماری شمل

I enjoyed your book, it contains much useful informationn never published before, and I hope it is a great success.

2- مشفق خواجہ : ڈاکٹر سعید اختر درانی ہمارے ملک کے ممتاز اور بین الاقوامی شہرت رکھنے والے سائنس دان ہیں- سائنس کے میدان میں ان کے تحقیقی کاموں کو ساری دنیا میں سراہا گیا ہے..... 1977 میں اقبال صدی کے موقع پر ڈاکٹر صاحب ادبی تحقیق کی طرف متوجہ ہوئے- انھوں نے یورپ کے بعض اداروں میں اور افراد کے پاس علامہ اقبال سے متعلق غیر مطبوعہ مواد کا سراغ لگایا اور متعدد مضامین لکھ کر' اقبال کی زندگی کے بہت سے مخفی پہلوؤں سے نقاب اٹھایا- ڈاکٹر صاحب کی سب سے اہم دریافت وہ خطوط ہیں' جو علامہ اقبال نے 1907 اور 1933ء کے درمیان ایک جرمن خاتون ایماویگے ناست کے نام لکھے تھے-

3- جمیل الدین عالی : ڈاکٹر درانی نے انفرادی طور پر جو رضاکارانہ کام کیا ہے' وہ قابلِ ستائش ہے- یہی کام اگر سرکاری سطح پر کیا جاتا تو اس پر لاکھوں روپے صرف ہوتے- وقت بھی زیادہ لگتا اور معیار بھی کم تر ہوتا-

4- ڈاکٹر صدیق شبلی : سوانح اقبال کے سلسلے میں جتنی دریافتوں کا اعزاز ڈاکٹر درانی کو حاصل ہوا ہے' وہ کسی دوسرے اقبال شناس کے حصے نہیں آیا..... وہ ماشاء اللہ عالمی شہرت کے حامل جوہری سائنس دان ہیں- سچی بات تو یہ ہے کہ جو کارنامے انھوں نے انجام دیے ہیں' وہ جوہری توانائی کے بغیر انجام نہیں دیے جاسکتے تھے- اسی لئے قدرت نے اس کام کے لئے سکّہ بند اقبال شناسوں کو چھوڑ کر ڈاکٹر درانی کا انتخاب کیا ہے-

5- محمد علی صدیقی : انہوں نے اقبالیات کے میدان میں جو تحقیق کا کام کیا ہے وہ چونکا دینے والا ہے اور اقبال کے بارے میں بعض مسلمات کی نفی کرتے ہوئے' علامہ کی زندگی کے بعض ایسے گوشوں سے متعارف کرایا ہے' جن سے ہم پہلے ناواقف تھے۔ خصوصاً" علامہ کی گریجوایشن' تھیسس' اور تاریخ پیدائش کے بارے میں ان کی دریافتیں قطعی اور یجنل ہیں۔ یہ کتاب ان کی روشن خیالی کو ثابت کرتی ہے' اور ان کو ایک جرأت مند محقق کے طور پر سامنے لاتی ہے' جس نے سائنسی انداز نظر سے کام لیتے ہوئے یورپ میں اقبال کے قیام کا تفصیل سے جائزہ لیا ہے۔

6- پروفیسر ممتاز حسین : ڈاکٹر سعید اختر درانی نے علامہ اقبال کی زندگی کے بعض ایسے گوشوں پر روشنی ڈالی ہے' جن سے اب تک ادبی دنیا بے خبر تھی۔ ان کی زبان شستہ و شگفتہ' اور ان کا پیرایہ اظہار دل نشیں ہے۔ انہوں نے اقبال کو ایک جیتے جاگتے انسان کی طرح دیکھا ہے' جس سے اس کی قدر و منزلت میں کمی نہیں ہوتی۔

7- شبنم رومانی : اگرچہ تحقیق کی زبان اکثر بوجھل ہوتی ہے۔ مگر ڈاکٹر صاحب کی یہ کتاب بڑے شگفتہ پیرائے میں لکھی گئی ہے' جس کی خصوصیت یہ ہے کہ کتاب اپنے آپ کو پڑھوانے کی طاقت رکھتی ہے۔

8- پرفیسر جگن ناتھ آزاد : ڈاکٹر درانی بنیادی طور پر ایک سائنس دان ہیں۔ مگر انہوں نے چند ہی سال میں اقبالیات پر ایسی بلند سطح کا کام کیا ہے کہ پیشہ ور ادیب ساری عمر میں نہیں کرپاتے۔

9- ڈاکٹر عبدالحق (دہلی یونیورسٹی) : بعض اوقات کسی علمی موضوع پر اہم ترین کام وہ لوگ کرتے ہیں' جو اس میدان کے آدمی نہیں ہوتے۔ ڈاکٹر سعید اختر درانی ایک ایسے ہی محقق ہیں۔

10- پروفیسر گوپی چند نارنگ : در حقیقت ڈاکٹر درانی اقبالیات کے گشتی سفیر ہیں۔ وہ جس ملک میں بھی جاتے ہیں' اپنی سائنسی کانفرنسوں سے وقت نکال کر علامہ پر اپنی تحقیق جاری رکھتے ہیں' اور علامہ کے کلام و پیام کا چرچا کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔

11- پروفیسر نثار احمد فاروقی : ڈاکٹر درانی کی کتاب "اقبال یورپ میں" میری دانست میں' علامہ اقبال کی زندگی کے بارے میں پچھلی ربع صدی کے دوران شائع ہونے والی اہم ترین کتابوں میں سے ایک ہے۔

12- پروفیسر آل احمد سرور☆ : اس تمام عرصے میں جو بالکل منفرد اور یگانہ چیزیں بر سر عام آئی ہیں' وہ ڈاکٹر سعید اختر درانی کی دریافت ہیں۔

13- ڈاکٹر رحیم بخش شاہین☆☆ : ڈاکٹر درانی نے اقبالیات کے میدان میں ایسے کارنامے انجام دیے ہیں کہ ان کی نظیر مشکل سے ملے گی۔

14- ڈاکٹر تحسین فراقی : میں اس مشکل میں گرفتار رہا اور اب تک ہوں کہ "اقبال یورپ میں"...... کو سفرنامے کی "صنف لطیف" میں رکھوں یا تحقیق کی "صنف کرخت" میں۔ دراصل اس کتاب میں جناب سعید اختر درانی نے' درانی فاتحین کی روش پر چلتے ہوئے' بلکہ اپنے سمند تحقیق کو بگٹٹ دوڑاتے ہوئے' وہ وہ کاوے کاٹے ہیں کہ خدا کی پناہ!

☆ افسوس کہ ۸ فروری ۲۰۰۲ء کو موصوف کا انتقال ہو گیا۔

☆☆ افسوس کہ اپریل ۱۹۹۸ء میں موصوف کا انتقال ہو گیا۔

مطبوعہ فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ لاہور۔ باہتمام عبدالسلام پرنٹر اور پبلشر

مصنف کتاب ڈاکٹر سعید اختر درانی، علامہ اقبال کی اس شبیہ کے ساتھ جو ممتاز پاکستانی مصور جناب گل جی نے خاص طور سے اقبال اکیڈمی (برطانیہ) کے لئے بنائی تھی۔ اس پورٹریٹ کی نقاب کشائی برطانیہ میں پاکستان کے سفیر، عزت مآب ڈاکٹر ہمایوں خان نے بروز ۱۰ر مئی ۱۹۹۲ء برمنگھم یونیورسٹی میں اکیڈمی کے ایک خصوصی جلسے میں فرمائی تھی۔ یہ شبیہ اب علامہ کی دیرینہ تعلیم گاہ، ٹرنٹی کالج کیمبرج میں آویزاں ہے۔

ISBN 81-7160-120-0